کشمیر میں اِسلامی انقلاب

اور

حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ

(مجموعۂ مضامین ومقالات)

مرتّب

میر اِمتیاز آفریں

رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن

کانیر، چاڈورہ، بڈگام، کشمیر

نام کتاب: کشمیر میں اِسلامی انقلاب
اور
حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ

تاریخی نام: اَمیر علی ہمدانیؒ اور کشمیری اِنقلاب
(۱۴۴۲ھ)

مرتب: میر اِمتیاز آفریں
اِشاعت: ۲۰۲۱ء
ناشر: رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن
کانیر، چاڈورہ، بڈگام، کشمیر (انڈیا)
قیمت: ۳۰۰؍روپے

''مقالہ نگاروں کی آرا کے ساتھ فاؤنڈیشن یا مؤلف کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے''

Name of Book: Kashmir Mein Islami Inqilab Aur
Hazrat Shahi Hamadan (R.A.)
Compiled by: Mir Imtiyaz Aafreen
Published by: Raza-E-Mustafa Foundation
Kanir Chadoora, Budgam, J&K(India) Pin.191113
E-Mail: jatirazaemustafa@gmail.com,
Mob.9858064648
Price:300.00
ISBN:78-81-952491-3-8

اِنتساب

محسنِ کشمیر حضرت شاہِ ہمدان
اَمیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام!

جنھوں نے شرک و جہالت کے اندھیروں میں ایمان و ایقان اور فکر و آگہی کے چراغ روشن کیے اور جن کے احسانات و الطاف کے بار تلے ہماری (ساکنانِ کشمیر کی) گردنیں ہمیشہ جھکی رہیں گی۔

سیّد السّادات، سالار عجم
دست اُو معمار تقدیر اُمم

تا غزالی درس ''اللہ ھوٗ'' گرفت
ذکر و فکر اَز دُودمان اُو گرفت

مرشد آں کشور مینو نظر
میر و درویش و سلاطیں را مشیر

خِطّہ را آں شاہِ دریا آستیں
داد علم و صنعت و تہذیب و دیں

آفرید آں مردِ اِیرانِ صغیر
باہنر ہائے غریب و دل پذیر

یک نگاہِ اُو کشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بدل راہے بدہ

علامہ اِقبالؒ

وہ (میر سید علی ہمدانیؒ) سادات کے سردار اُور عجم کے سردار ہیں۔اُن کے ہاتھ اُمتوں کی تقدیر کا معمار ہیں۔

جب امام غزالیؒ نے ''اللہ ھوٗ'' کا سبق لیا تو اُنھوں نے اُن (ہمدانیؒ) کے خاندان کے بزرگوں سے ذکر و فکر کی تعلیم پائی تھی۔

اس جنت نظیر کشور (کشمیر) کے وہ مرشد تھے اور اَمیروں، سرداروں، اور درویشوں کے وہ مشیر تھے۔

اِس خطۂ کشمیر کو اُس دریا آستین (فیاض) شاہ (ہمدانیؒ) نے، علم اور صنعت اور تہذیب و دین عطا کیا۔

اُنھوں نے کشمیریوں کو نادر اُور دلپذیر ہنر سکھا کر کشمیر کو برصغیر میں چھوٹا اِیران بنا دیا۔

اُن کی ایک نگاہ سو گرہیں کھولتی ہے۔تو بھی اُٹھ اور اُن کے تیر کو دل میں راہ دے۔

(مترجم: پروفیسر حمیداللہ ہاشمی)

ترتیب وتہذیب

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگاران	صفحہ
الف	حرف آغاز	میر اِمتیاز آفریں	۸
ب	مقدمہ	نوشاد عالم چشتی علیگ	۱۲
	تاثرات		۲۳
۱	شاہ ہمدانؒ کے سلوک وتعامل کی بازیافت	پروفیسر سید علیم اشرف جائسی	۲۴
۲	فکر شاہِ ہمدانؒ کی عصری معنویت	پروفیسر غلام رسول ملک	۲۹
۳	شاہِ ہمدانؒ اور خطۂ کشمیر	پروفیسر خواجہ محمد اِکرام الدین	۳۲
۴	فیضانِ شاہِ ہمدانؒ اور کشمیر	مولانا مبارک حسین مصباحی	۳۶
۵	امیر علی ہمدانیؒ اور کشمیری انقلاب	ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی	۴۲
	اَوراقِ حیات		۴۵
۶	شاہ ہمدانؒ: بہ یک نظر	میر امتیاز آفریں	۴۶
۷	شاہِ ہمدانؒ: سوانح حیات	نذیر نقشبندی	۴۷
۸	شاہِ ہمدانؒ: حیات وخدمات	مفتی عبدالحمید نعیمی	۶۵
	افکار وخیالات		۷۵
۹	کشمیر میں اِسلامی انقلاب اور شاہ ہمدانؒ	میر امتیاز آفریں	۷۶
۱۰	شاہِ ہمدانؒ: عصر حاضر کے تناظر میں	میر امتیاز آفریں	۸۴
۱۱	رُوحانی انقلاب کے نقیب: سید میر علی ہمدانیؒ	پروفیسر اختر الواسع	۹۳
۱۲	اقبالؒ اور شاہ ہمدانؒ	پروفیسر غلام رسول ملک	۹۸

۱۳	شاہِ ہمدانؒ کا تصوّرِ عبادت	پروفیسر محمد حیات عامر حسینی	۱۰۷
۱۴	شاہ ہمدانؒ اور امرا، علما و صوفیا کی رہنمائی...	ڈاکٹر عبدالقدوس خان	۱۴۴
۱۵	شاہ ہمدانؒ کا مسلک و مشرب	ڈاکٹر عبدالقدوس خان	۱۵۶
۱۶	شاہ ہمدانؒ کا سفر کشمیر و بلتستان	غلام حسن حسنو	۱۶۶
۱۷	شاہِ ہمدانؒ بحیثیتِ سیّاحِ عالم	مولانا خورشید احمد قانون گو	۱۸۷
۱۸	شاہِ ہمدانؒ کی بازیافت	ڈاکٹر محمد معروف شاہ	۱۹۳
۱۹	شاہ ہمدانؒ اور اُن کی مذہبی فکر	غلام رسول دہلوی	۱۹۸
۲۰	شاہ ہمدانؒ سے منسوب آثار: تحریفات اور اُن کے اثرات	یعقوب محمد براہوی	۲۰۲
۲۱	شاہ ہمدانؒ کی مذہبی رواداری اور جبر و تشدد کے اِلزام کی حقیقت	میر امتیاز آفریں	۲۱۲
۲۲	شاہ ہمدانؒ اور نصابِ تعلیم	میر امتیاز آفریں	۲۲۴
۲۳	عقل و شعور کی ماہیت و اِفادیت: رسالۂ عقلیہ کی روشنی میں	میر امتیاز آفریں	۲۲۹
۲۴	خانقاہِ معلیٰ: کشمیر کا ثقافتی و رُوحانی مرکز و محور	میر امتیاز آفریں	۲۳۵
۲۵	دبستانِ فتوت اور حضرت شاہ ہمدانؒ	میر امتیاز آفریں	۲۴۰
۲۶	تعلیماتِ شاہ ہمدانؒ: معاصر عالمی منظرنامہ کی روشنی میں	ڈاکٹر تنویر حیات	۲۴۴
۲۷	میر سید علی ہمدانیؒ: قرون وسطیٰ میں کشمیر کے مجددِ معیشت	جنیفہ بلال	۲۵۳
۲۸	اِسلامی تہذیب کے فروغ میں شاہ ہمدانؒ کا کردار	محمد شفیع بٹ	۲۶۵

۲۹	اہل کشمیر کی اَورادفتحیہ کے ساتھ وابستگی	ڈاکٹر سرتاج احمد صوفی	۲۷۳
۳۰	کشمیر میں شاہ ہمدانؒ کا دعوتی کام	خاکی محمد فاروق	۲۸۱
۳۱	کشمیر اور شاہ ہمدانؒ	محمد یٰسین کامے	۲۹۷
۳۲	شاہِ ہمدانؒ کے سیاسی افکار: ذخیرۃ الملوک کے حوالے سے	شاہدہ اَختر اَویسی	۳۰۴
	اَدبیات		۳۰۸
۳۳	شاہ ہمدانؒ کی غزل کا تعمیری کردار	پروفیسر قدوس جاوید	۳۰۹
۳۴	چہل اسرار: تعارف وتجزیہ	پروفیسر غلام رسول ملک	۳۱۹
۳۵	رسالۂ خواطریہ: ایک مطالعہ	پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی	۳۲۴
۳۶	مکتوباتِ شاہ ہمدانؒ کے کچھ نمایاں پہلو	ڈاکٹر تنویر حیات	۳۲۹
۳۷	ذخیرۃ الملوک: تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر مفتی ابراہیم مصباحی	۳۳۷
۳۸	اورادفتحیہ: مختصر تعارف	ڈاکٹر ذوالفقار صدیقی	۳۴۳
۳۹	رسالہ حفظان صحت: ایک مطالعہ	فیاض احمد یتو	۳۵۲
۴۰	اورادفتحیہ: وظیفۂ توحید	میر امتیاز آفریں	۳۵۸
	پیغامات		۳۶۶
۴۱	شاہ ہمدانؒ کے احسانات وکمالات...	شیخ ابوبکر احمد ملیباری	۳۶۷
۴۲	شاہ ہمدانؒ کے طرزِ تبلیغ سے سبق لیں	ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری	۳۶۹
۴۳	شاہِ ہمدانؒ: یکتائے روزگار شخصیت	سید ابوالحسن غوثی	۳۷۱
۴۴	تعلیماتِ شاہِ ہمدانؒ وقت کی اہم ضرورت	مبین اشرف نعیمی	۳۷۴
۴۵	شاہِ ہمدانؒ: ایک ہمہ جہت شخصیت	ڈاکٹر مفتی ندیم بن صدیق اسلمی	۳۷۶
۴۶	شاہِ ہمدانؒ: ایک عظیم مبلغ اسلام	ڈاکٹر عبدالحلیم سعدی	۳۷۸
۴۷	محبانِ شاہِ ہمدانؒ کے لیے بیش بہا تحفہ	سید جمال الدین اشرفی	۳۸۰

حرفِ آغاز

اللہ عزوجل کا فرمانِ عالی شان ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴿۵۶﴾ (الزاریات)

یعنی ہم نے جنوں اور اِنسانوں کو صرف اپنی عبادت (ومعرفت) کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

اِس آیت مبارکہ پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اپنی عبادت و بندگی کے لیے پیدا فرمایا اور اِس بندگی کو عالمِ انسانیت کو سکھانے اور سمجھانے کے لیے اللہ نے وقتاً فوقتاً مختلف اَدوار میں مختلف پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور اِس سلسلۂ نبوّت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا جو کامل ترین نسخۂ ہدایت یعنی قرآن حکیم لوگوں کی ہدایت کے لیے لائے اور اُنھوں نے اپنے اُسوۂ حسنہ کو سارے عالم کے لیے بطورِ مشعلِ ہدایت سامنے رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں صرف ایک خدائے لاشریک کی عبادت کا درس دیا وہیں فرمایا: الخلقُ عیالُ الله فاحب الخلق إلی الله من احسن إلی عیاله۔ یعنی ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اَللہ کو اَپنے بندوں میں سب سے محبوب وہ ہے جو اُس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اُس کو فائدہ پہنچائے۔ اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے اِس لیے صرف حقوق اللہ پر زور نہیں دیتا بلکہ حقوق العباد کو بھی برابر اَہمیت دیتا ہے۔ یہی مشن تھا جس کو لے کر رَسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکیوں کا حکم دیا اور بُرائیوں سے روک کر اِس اُمت کو ایک وحدت بنایا اور مضبوطی سے قرآن وسنّت کو تھامنے کا پیغام دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام نے اِس اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مشن کو آگے بڑھایا اور اُن کے بعد تابعین، تبع تابعین اور اَولیا و صالحین نے اِس مقدس گلشن کی آبیاری کی۔ اسی مقدس سلسلے کی کڑی کے طور پر ہماری وادیٔ کشمیر میں سیدالسادات حضرت شاہ ہمدان

میر سید علی ہمدانیؒ دعوتی ورُوحانی مشن لے کر آئے اور ایک عظیم مذہبی، معاشی، روحانی، معاشرتی اور اخلاقی اِنقلاب برپا کیا جس کے سبب ہزاروں لاکھوں افراد دَائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اَمن وسلامتی کے اِس آفاقی سلسلے کے ساتھ جُڑ گئے۔ لیکن جوں جوں ہم اس سنہرے دور سے دُور ہوتے گئے ہمارے قلب وجگر میں روشن اِیمانی شمع کی لَو مدھم ہوتی گئی۔ ایک طرف لوگ اَصل تعلیمات کو بھلا بیٹھے اور دوسری طرف بعض لوگوں نے اصلاح کے نام پر نِت نئے فتنوں کو جنم دیا اور مسلمانوں کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور اَولیائے کرام کے ساتھ کمزور کرنے کی کوششیں کیں اور غلط نظریوں اور تاویلات کی آڑ میں سلف صالحین کی شخصیتوں پر بھی کیچڑ اُچھالنے سے بھی دریغ نہیں کیا یہاں تک کہ حبِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حبِ صالحین، اَور اُن کے ساتھ جذباتی وابستگی (Emotional Attachment) کو شخصیت پرستی کہا گیا۔ نیز اس چشمۂ صافی کو شرک والحاد اور بدعات کا پلندہ کہا گیا اور چاروں طرف سے اُسے منظم جماعتوں اور سازشوں کے ذریعے ہدفِ تنقید بنایا گیا۔

آج حالت یہ ہے کہ نوجوان نسل سلف صالحین کے اُجلے راستوں سے کوسوں دور ہو گئی ہے، بلکہ وہ تو آج صرف اُن کے ناموں سے واقف ہے، اور اُن کے علمی وعملی اور رُوحانی کمالات سے بالکل ناواقف ہے۔ اس صورت حال میں ضرورت اِس بات کی ہے کہ اپنے اسلاف کے احسانات کو یاد کیا جائے اور اُن کا صحیح تعارف حاصل کر کے اُن کے نقوشِ قدم کو بھی مشعلِ راہ بنایا جائے۔ پس اِسی سمت میں قدم اُٹھاتے ہوئے ''رضائے مصطفیٰ فاونڈیشن'' کے اہتمام سے محسن کشمیر حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر ۲۴/ مارچ ۲۰۱۹ء میں ریاستی سطح کا ایک شاندار سیمینار ''بڈگام'' میں منعقد ہوا جس میں جید عالمِ دین مولانا شوکت حسین کینگ کی صدارت میں ریاست کے کئی نامور علما ودانشوران نے حصہ لے کر اَپنے تحقیقی مقالے پیش کیے اور حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے علمی وعملی کارناموں کو اُجاگر کیا۔ یہ سیمینار حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ پر ہی کیوں منعقد ہوا، اِس کی کئی وجوہ ہیں: اُن میں سے ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ایک انسان کے لیے دنیا کی سب سے عظیم ترین نعمت ایمان کی نعمت ہے اور ہماری قوم یعنی ساکنانِ خطۂ کشمیر کو یہ نعمت حضرت شاہ ہمدان امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے وسیلے سے نصیب ہوئی۔ لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کا تذکرہ کریں اور اُس محسن کو بھول جائیں جس نے یہاں کے مکینوں کو اپنی مخلصانہ دعوت کے ذریعے اسلام کی دولت سے نوازا۔ آپ کی عنایات اِس درجہ روشن ہیں کہ ہم تو کیا ہماری آنے والی نسلیں بھی آپ کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتیں۔ آپ اور آپ کے صالح رفقا نے یہاں کی فرسودہ تہذیبی اور معاشرتی زندگی کو ایک نئے رخ پر ڈال دیا۔ دین مبین کے

ساتھ ساتھ آپ نے نئے نئے علوم وفنون اور ثقافتی اقدار سے اِس قوم کو رُوشناس کرایا۔ ہماری اجتماعی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جس پر آپ نے اپنے اثرات نہ چھوڑے ہوں۔ علامہ اقبال نے بجا طور پر آپ کو ''معمار تقدیر اُمم'' جیسے گراں قدر نام سے یاد کیا ہے۔ ہمارے ایک روحانی بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے احسانات کے صلے میں تمام مسلمانانِ کشمیر کی کھال اُتار دی جائے اور پھر اُس کھال سے ایک جوتا بنایا جائے اور حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں پہننے کے لیے پیش کیا جائے، تب بھی ہم وہ احسانات ادا نہیں سکتے جن کے بار تلے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر منعقدہ اِس سیمینار میں شرکا کی طرف سے درج ذیل تجاویز متفقہ طور پر پیش کی گئیں، مثلاً:

۱۔ ہمیں ان اقدار کی سربلندی کے لیے ایک منظم مہم شروع کرنی چاہیے جن کی بقا کے لیے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اپنی ساری عمر لگا دی۔

۲۔ اکابر کے نظریۂ احسان وتصوف کو غیر اِسلامی عوامل سے پاک کر کے ہمیں اپنے خالق اور اُس کی مخلوق کے ساتھ رشتہ اُستوار کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

۳۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ میں جو فکری و عملی جامعیت پائی جاتی ہے ہمیں بھی اپنے تنگ ذہنوں کو کشادہ کرنا ہوگا، تا کہ رَواداری اور اَمن پسندی کی فضا ہموار ہو سکے۔

۴۔ ہمیں شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے اُسلوبِ دعوت وتبلیغ کو سمجھ کر اُسے عمل میں لانے کی کوشش کرنی ہوگی اور اَیسے ادارے قائم کرنے ہوں گے جن میں اُن کی تعلیمات کی روشنی میں دینی ودنیوی علوم کے ساتھ ساتھ اَفراد کی اخلاقی تربیت پر بالخصوص توجہ دی جائے۔

۵۔ کشمیر میں شاہ ہمدان رحمہ اللہ سے منسوب تمام خانقاہوں کو اَز سرِ نو رُوحانی تربیت گاہوں میں تبدیل کرنے کی کاوشیں کی جائیں تا کہ وہ مقصد پورا ہو جس کے لیے اُنھیں تعمیر کیا گیا تھا۔

٦۔ تصوف کو رَسم پرستی اور فکری جمود سے نکال کر شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے فراہم کردہ منہج اور اُصول کے مطابق فروغ دد یا جائے۔

۷۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی اکثر کتب اَبھی بھی شائع نہیں ہوئی ہیں۔ کئی مخطوطات مختلف لائبریریوں میں پڑے ہیں جن پر تحقیقی کام ہونا باقی ہے۔ اُن کی کچھ کتابوں کو چھوڑ کر اَکثر کتابوں کے عصری زبانوں میں ترجمے نہیں ہوئے ہیں اور یوں ہماری نوجوان نسلیں اُن سے اِستفادہ کرنے سے قاصر ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اُن کے جملہ رسائل کو مجموعے کی شکل میں مرتب کیا جائے اور اُردو - انگریزی زبانوں میں اُن کے ترجمے شائع کیے جائیں تا کہ اِس گراں قدر وِرثے سے ہر کوئی مستفید ہو سکے۔ سیمینار میں بالخصوص اِس بات کی کمی محسوس کی گئی کہ

ہمارے پاس کلیاتِ شاہ ہمدان یا مجموعہ رسائلِ شاہ ہمدان اپنی زبان یا تراجم کے ساتھ یکجا موجود نہیں ہیں۔ نئی نسلوں کو شاہ ہمدان رحمہ اللہ کا نام پتا ہے کام نہیں۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے نام پر کچھ اِدارے، کچھ دکانیں یا سڑکیں تو ہیں لیکن اُن کے کام کی تعبیر و تفہیم کے حوالے سے ایک بھی بڑا اِدارہ ہمیں نظر نہیں آ رہا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ کم سے کم ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر جدید اُسلوب میں تحقیقی کام کیا جائے تا کہ دَورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق **فکرِ شاہ ہمدان** کو ہر طبقے تک آسانی سے پہنچایا جا سکے۔

اختتام پر کئی رُفقا نے اس بات کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی کہ سیمینار کو زیادہ کامیاب اور مؤثر بنانے کے لیے مقالات کو کتابی شکل دے کر شائع کیا جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اِس علمی و فکری کام سے مستفید ہو سکیں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر فاونڈیشن کے کارکنان نے اور بھی کئی علما و محققین سے رابطہ کیا اور اُن سے کچھ گراں قدر مقالے حاصل کیے اور اَلحمدللہ یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا اور ہماری اِس محنت کا ثمرہ اَب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب ہماری طرف سے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک چھوٹا سا نذرانہ ہے، اُمید ہے کہ قبولِ بارگاہ ہوگا۔

میں فاونڈیشن کی طرف سے اُن تمام اہلِ علم و فضل حضرات کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ہماری پکار پر لبیک کہتے ہوئے اپنے گراں قدر مقالات و مضامین اس کتاب کے لیے ارسال فرمائے۔ ذاتی طور پر میں فاونڈیشن کے جملہ کارکنان و رُفقا کا بھی اَز حد مشکور ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی دکھائی۔ بالخصوص پیر منظور صاحب (چیئر مین رضائے مصطفیٰ فاونڈیشن) کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اُن کی کاوشوں کے بغیر اِس کتاب کا معرضِ وجود میں آنا تقریباً ناممکن تھا۔ ساتھ ہی میں اُن تمام احباب کا بھی بے حد مشکور ہوں جنھوں نے اِس کتاب کو شائع کرنے میں مالی امداد پیش کی۔ اللہ یہ علمی کوشش قبول فرمائے اور جملہ معاونین کو اَجرِ عظیم عطا فرمائے۔

(آمین) (وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین)

محتاجِ دعا

میر اِمتیاز آفریں

سینئر لیکچرار گورنمنٹ ہائر سکینڈری انسٹی ٹیوٹ، واگر، بڈگام

مؤسس: رضائے مصطفیٰ فاوٗنڈیشن (رجسٹرڈ)

کانیر، چاڈورہ، بڈگام، کشمیر، پن کوڈ: ۱۹۱۱۱۳

ای میل: imtiyazaafreen@gmail.com

موبائل: 9858064648

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ / ۲۷ اپریل ۲۰۲۱ء (منگل)

نوشاد عالم چشتی علیگ (۱)

مقدمہ

اُمت مسلمہ کومخاطب کرتے ہوئے دین اسلام کے آخری پیغمبر، نبی ورسول حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق صحائفِ آسمانی کی آخری کتاب قران مجید میں ارشاد باری ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (سورۂ احزاب، ۲۱/۳۳) یعنی بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی معیارِ عمل ہے۔ (ترجمانی نوشاد عالم چشتی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی خاتم النبیین، خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ''صاحب شریعت'' بھی ہے اور ''صاحب روحانیت'' بھی۔ سماجی نظام کو درست رکھنے کے لیے جہاں آپ کا صاحب شریعت اور قانون دان ہونا لازم تھا، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِنسانی نفس کے تزکیہ وتذکیر کے لیے'' کامل صاحب روحانیت'' ہونا بھی ضروری تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے ان مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کے لیے مشیت الٰہی سے دین اسلام میں مختلف جماعتیں وجود میں آئیں۔ شریعت اسلامی کی تعبیر وتشریح کے لیے اہل فقہ یا فقیہان اسلام، عقائد وکلام کی تشریح وتوضیح کے لیے متکلمین اسلام اور دین اسلام کے رُوحانی پہلو کو اُجاگر کرنے کے لیے صوفیائے اسلام کا طبقہ وجود میں آیا۔ ان تمام طبقوں نے اپنے اپنے اعتبار سے شجر اسلام کی آبیاری کی اور فروغ اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تبلیغ اسلام میں صوفیا کا کردار بھی اِنتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

منصب نبوت کے فرائض کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

---

(۱) کاشانۂ وارث، علی گڑھ، یوپی (انڈیا)

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ۚ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

یعنی بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا جو اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتا اور اُنھیں پاک کرتا ہے۔ اور اُنھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(عرفان القرآن از ڈاکٹر طاہر القادری)

اس آیت میں بعثت نبوت یا کار نبوت کے متعلق جن اہم امور کی وضاحت کی گئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ۔ آیات الٰہی کی تلاوت کرتا ہے۔

۲۔ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ۔ ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔

۳۔ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ۔ ان کو کتاب مبین یعنی قرآن کریم اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت میں بیان کردہ کار نبوت کے فرائض سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد یا بعثت کا اصل مقصد اپنی امت کے لیے:

۱۔ قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کرنا ہے تا کہ وہ درست انداز میں قرآن پڑھ سکیں۔

۲۔ ان کا تزکیہ نفس کرنا ہے تا کہ رذیل خصائل سے ان کا دل و دماغ پاک ہو جائے۔

۳۔ ان کو کتاب یعنی قرآن کی تعلیم سے آراستہ کرنا ہے۔

۴۔ ان کو تعلیم حکمت سے مزین کرنا ہے۔

کیوں کہ آپ کی آمد سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

سورۂ جمعہ میں بھی کار نبوت سے متعلق ایسا ہی ارشاد ہوا ہے:

ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ۔ (الجمعہ:۲)

ترجمہ: وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا اُمیوں میں ایک رسول اُنھیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے اُنھیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے اُنھیں کتاب اور حکمت، اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ ازہری)

مذکورہ آیت میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری برگزیدہ رسول کو جس

قوم میں مبعوث فرمایا وہ کھلی گمراہی میں تھے مگر اس کے باوجود اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں اس لیے بھیجا کہ وہ:

۱۔ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

۲۔ان گمراہ لوگوں کا تزکیہ نفس کرے اور روحانی اعتبار سے اُنھیں پاک وصاف کرے۔

۳۔ان کو کتاب اللہ یعنی قرآن کے اسرار ورُموز سے واقف کرائے۔

۴۔ان گمراہ لوگوں کو حکمت کی تعلیم سے آراستہ اور وابستہ کر کے انھیں دانا و بینا بنائے۔

تزکیۂ نفس کی ایک کیفیت اپنی ذات کا عرفان وادراک بھی ہے جسے حدیث جبریلؑ میں ''احسان'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔حدیث جبریل میں مندرجہ ذیل چار سوالات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے گئے ہیں:

۱۔اسلام کیا ہے؟

۲۔ایمان کیا ہے؟

۳۔احسان کیا ہے؟

۴۔قیامت کب آئے گی؟

اللہ کے رسول نے ''احسان'' کے متعلق جو جواب دیا وہی اہل تصوف اور صاحبانِ عرفان وسلوک کے نزدیک تصوف کی اساس و بنیاد ہے۔مخالفین تصوف، گرجا، کلیسا اور دیگر اَدیان ومذاہب کے معبد خانوں، ریاضت گاہوں اور آستانوں میں، تصوف کا مرجع ومبدا تلاش کرتے ہیں جو اُن کی تصوف دشمنی کی واضح دلیل ہے۔یاد رَہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں اس لیے آپ سے پہلے کے تمام انبیا اور اُن کی اُمت میں رائج عقائد وتعلیمات اور دینی وسماجی رسومات کی بہت سی باتیں دین اسلام کے شریعت محمدی میں بھی مل جائیں گی، تو اُس کا مطلب یہ نہیں کہ شریعت محمدی کے اصول وضوابط دینِ یہود یا مذہبِ نصاریٰ سے ماخوذ ہیں۔دین اسلام کے خلاف جو کام مستشرقین کرتے ہیں اور دین اسلام پر جس طرح کے بے جا الزامات لگاتے ہیں ٹھیک وہی کام دشمنانِ تصوف، صوفیائے اسلام کے خلاف کرتے آ رہے ہیں۔ ناقدین تصوف کو چاہیے کہ وہ ''اسلامی تصوف'' کا مبداء ومرجع اعلان نبوت سے قبل غارحرا میں کیے گئے مراقبہ اور تزکیہ میں تلاش کریں اور اعلان نبوت کے بعد اَصحاب صفہ کے چبوترے پہ تشریف فرما صحابہ کے مجردانہ زندگی کے شب ورُوز کے عمل میں تصوف کے نقوش دیکھنے کی کوشش کریں۔

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ جہاں اسلامی معاشرے

کے مختلف ادوار میں مخلص و اکابر، فقیہ، متکلمین، مفسر، محدث اور عظیم الشان روایت کے حامل صوفیائے کرام کا وجود پایا جاتا ہے، وہیں علمائے سوء، خام کار دنیا پرست علما وصوفیا، راویان حدیث ومفسرین اور نام نہاد فقہا وعلما بھی پائے جاتے ہیں۔جس طرح کچھ نفس پرست مفسرین، محدثین اور فقہا وعلما کی وجہ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا سرچشمہ گدلا نہیں ہوسکتا ویسے ہی دنیا پرست صوفیت کے لبادے میں ملبوس عیار ومکار صوفیوں کی وجہ سے ''اسلامی تصوف'' کا سرچشمہ بھی گدلا نہیں ہوسکتا۔مخلص طالبان حق بھی پائے جاتے ہیں اور نفس پرست وطالبِ دنیا نام نہاد صوفیا بھی۔ اہل علم کو منصفانہ انداز سے اہل حق اور اہل باطل کے درمیان واضح امتیاز کرتے ہوئے حق گوئی سے کام لینا چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی جانشین اہل تصوف نے تبلیغ اسلام کے لیے دنیا کے گوشے گوشے میں سفر کیا، برصغیر میں بھی صوفیائے کرام کی آمد ہوئی اور خطۂ کشمیر میں بھی مختلف عہد میں بزرگان دین، صاحبان تصوف کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔اس خطہ میں بھی مختلف سلاسل کے بزرگوں کا وجود پایا جاتا ہے جن کی مخلصانہ تبلیغی کاوشوں سے یہ علاقہ بھی اسلامی تعلیمات، عقائد واخلاق سے روشناس ہوا۔اَور یہاں کے لوگ بھی ان صوفیائے اسلام کی دعوت حق سے متاثر ہوکر ذوق وشوق سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔خطۂ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت اُنھیں بزرگان دین کی تبلیغی مساعی کا مرہون منت ہے۔

کتاب کشمیر کے اولیا کے مصنف مولانا صدر الحسن قاسمی نے اپنی کتاب میں ۱۴۱ر اولیائے کشمیر کا ذکر کیا ہے۔اس کتاب میں چوتھے نمبر پہ مصنف نے حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کے عنوان سے حضرت شاہ ہمدانؒ کا ذکر کیا ہے۔حضرت امیر کبیرؒ کی حیات وخدمات کے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر کی کتاب سید میر علی ہمدانیؒ اور ڈاکٹر شمس الدین احمد کی کتاب شاہ ہمدانؒ: حیات اور کارنامے کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔حضرت شاہ ہمدان کی حیات، خدمات اور تبلیغی خدمات کے حوالے سے پیش نظر مجموعۂ مضامین ومقالات بھی کافی سودمند ہوگا۔

''کشمیر میں اسلامی انقلاب اور حضرت شاہ ہمدانؒ'' کے نام سے ترتیب شدہ پیش نظر کتاب دراَصل مضامین ومقالات کا وہ مجموعہ ہے جو ۲۴ر مارچ ۲۰۱۹ء کو بڈگام کشمیر میں ادارہ ''رضائے مصطفیٰ فاونڈیشن'' کے زیر اہتمام ''حضرت شاہ ہمدانؒ: حیات وخدمات'' کے عنوان سے منعقد ہوا تھا جس میں مختلف اہل علم ودانش نے مختلف عنوانات پر ''حضرت شاہ ہمدانؒ'' کے حوالے سے مقالے پیش کیے تھے۔جس کی تفصیل مرتب نے ''حرف آغاز'' کے عنوان سے بیان کی

ہے۔مرتب نے اپنے اس ''حرف آغاز'' میں اپنے قاری کو متعدد اہم نکات کی جانب متوجہ کیا ہے۔ پیدائش انسان کا مقصد،مخلوق خدا کی اہمیت وحیثیت اور خطۂ کشمیر میں امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے آنے کا کیا مقصد تھا،اس طرف مرتب نے حسب ضرورت روشنی ڈالی ہے۔مسلم سماج کے انحطاط کا ذکر کرتے ہوئے مرتب میر امتیاز آفریں صاحب نے ایک اہم نکتہ کی جانب قارئین کو متوجہ کیا ہے۔مرتب کتاب لکھتے ہیں:

''لیکن جوں جوں ہم اس سنہرے دور سے دور ہوتے گئے ایک طرف لوگ اصل تعلیمات کو بھلا بیٹھے اور دوسری طرف اصلاح کے نام پر نت نئے فتنوں نے سر اُٹھایا اور اُنھوں نے مسلمانوں کا رشتہ رسول اللہ ﷺ،صحابہ کرامؓ اور اولیائے کرامؒ کے ساتھ کمزور کرنے کی کوشش کی اور غلط نظریوں اور تاویلات کی آڑ میں سلف صالحین کی شخصیتوں پر بھی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی گئی ،حب رسول ﷺ اور حبِ صالحین کو اور انکے ساتھ جذباتی وابستگی (Emotional Attachment) کو شخصیت پرستی کہا گیا۔اس چشمۂ صافی کو شرک،الحاد اور بدعات کا پلندہ کہا گیا اور چاروں طرف سے اسے منظم جماعتوں اور سازشوں کے ذریعے ہدفِ تنقید بنایا گیا۔''

شخصیت پرستی اور احترام انسانیت یا احترام شخصیت میں جو بنیادی فرق ہے اس کو ملحوظ خاطر رکھنا سماج کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔کوئی سماج جب جب اس فریضہ سے روگردانی کرے گا معاشرے سے امن وامان ،رواداری، بھائی چارہ،ایثار وہمدردی ،کا خاتمہ ہو جائے گا اور خود غرضی،مفاد پرستی کا ماحول پروان چڑھے گا۔

چار صفحات پر مشتمل'حرف آغاز'ایک فکر انگیز تحریر ہے۔اس کتاب میں''پیغامات'' کے علاوہ چار زمروں کے تحت کل ۳۸ تحریریں موجود ہیں۔''تاثرات'' کے ضمن میں پانچ تحریریں، ''اوراق حیات'' کے تحت دو مضامین،''افکار و خیالات'' کے تحت ۲۳ مضامین ومقالات، ''ادبیات'' کے تحت آٹھ مضامین اور آخر میں کچھ معروف علماومشائخ اور اسکالرز کے پیغامات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

''تاثرات'' کے ضمن میں پہلا تاثر پروفیسر علیم اشرف جائسی صاحب کا ہے جس میں اُنھوں نے اولاً ناقدین وحاملین تصوف کو دعوت فکر پیش کی ہے کہ وہ افراط وتفریط سے بچ کر راہ اعتدال کو اختیار کریں اور اس کے بعد فاضلانہ انداز میں حضرت شاہ ہمدانؒ کے حوالے سے انتہائی گرانقدر تاثرات رقم فرمائے ہیں۔

اپنے تاثرات میں پروفیسر غلام رسول ملک صاحب نے چار اہم امور پر توجہ دلائی ہے

اور یہ چاروں امور لائق توجہ ہیں۔اس کے بعد پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین صاحب نے صوفیا اورعوام کے تعلقات کی روشنی میں اپنا مافی الضمیر پیش کیا ہے۔مولانا مبارک حسین مصباحی نے اپنے تاثرات میں حضرت شاہ ہمدانؒ کی حیات وتعلیمات اور خدمات کی مختلف جہتوں پر خوب روشنی ڈالی ہے اور اَراکین ''رضائے مصطفیٰ فاونڈیشن'' کی کارکردگیوں کا احسن انداز میں ذکر کیا ہے۔ڈاکٹر ذیشان مصباحی صاحب نے اپنے تاثر میں حضرت شاہ ہمدانؒ اوران جیسے تمام بزرگان دین کو ہر خطۂ عالم کے مسلمانوں کے لیے دینی،علمی،فکری،ثقافتی اور تاریخی اثاثہ قرار دیا ہے۔

اس مجموعۂ مقالات کا دوسرا زمرہ ''اوراق حیات'' ہے۔اس میں سوانح حیات کے عنوان سے نذیر نقشبندی صاحب کا مضمون ہے جس کی تلخیص وحواشی کا فریضہ میر امتیاز آفریں نے انجام دیا ہے۔اس سلسلے کا دوسرا مضمون ''شاہ ہمدان: حیات وخدمات'' کے عنوان سے مفتی عبدالحمید نعیمی صاحب کا ہے۔اگر یہ دونوں مضامین جدید طرز تحقیق کے اصول وضوابط کے تحت لکھے جاتے تو قاری اور اِسکالر کے لیے مزید کارآمد ہوتے، پھربھی ان صاحبان کی قلمی کاوش لائق ستائش ہے۔

اس مجموعۂ مقالات کا تیسرا زمرہ ''افکاروخیالات'' کا ہے۔اس ضمن میں پہلی دوتحریریں میر اِمتیاز آفریں صاحب کی ہیں۔''کشمیر میں اسلامی انقلاب اورحضرت شاہ ہمدانؒ'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں اُنھوں نے انتہائی جامعیت کے ساتھ شاہ ہمدانؒ کے کشمیر میں برپا کیے ہوئے ہمہ جہت و ہمہ گیر انقلاب کے شرعی، سیاسی،روحانی، اخلاقی،معاشی، ثقافتی اور دعوتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔یہ مقالہ کتاب کے عنوان سے مماثلت رکھنے کی وجہ سے انتہائی اہم ہے اور پوری کتاب کے لیے ایک جامع تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔

''شاہ ہمدانؒ:عصر حاضر کے تناظر میں'' اس عنوان سے آفریں صاحب نے حضرت شاہ ہمدانؒ کے متعلق آٹھ نکات پر مشتمل پرمغز اور فکری گفتگو کی ہے۔اس سلسلے کا دوسرا مقالہ معروف اسکالر پروفیسر اختر الواسع صاحب کا ہے اور یہ ''روحانی انقلاب کے نقیب: سید میر علی ہمدانیؒ'' کے عنوان سے ہے۔پروفیسر صاحب نے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے روحانی انقلاب پر چشم کشا انداز میں گفتگو کی ہے۔پروفیسر غلام رسول ملک نے ''اقبال اور شاہ ہمدان'' کے عنوان سے مقالہ لکھا ہے اور علامہ اقبال کی شاہ ہمدان سے جو تعلق اور عقیدت تھی،اُسے اشعار اقبال کے ذریعے اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔پروفیسر محمد حیات عامر صاحب کے مقالے کا عنوان ہے ''شاہ ہمدان کا تصور عبادت'' پورا مقالہ فلسفیانہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ابتدائی ۳۴رنکات اور پھراُن کی تصریحات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔پروفیسر عامر حسینی صاحب کا مقالہ علمی،فکری اور تحقیقی نوعیت کا ہے اور اس کا اسلوب داعیانہ ہے۔اگرچہ پورا مقالہ بحث کے اعتبار سے فلسفیانہ

اور فکری ہے۔

پیش نظر مجموعہ میں ڈاکٹر عبدالقدوس خان صاب کے دو علمی وفکری مقالے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ پہلے مقالے میں اُنھوں نے شاہ ہمدانؒ کے اصلاحی کام کا ایک جائزہ پیش کیا ہے اور دوسرے مقالے میں حضرت سیدؒ کے مسلک ومشرب کے بارے میں تحقیقی بحث کی ہے اور آپ کی وسیع المشربی اور اعتدال پسندی کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے جس کی آج کے فرقہ وارانہ ماحول میں اشد ضرورت ہے۔

جناب غلام حسن حسنو کے مقالے کا عنوان ہے ''شاہ ہمدان کا سفر کشمیر و بلتستان'' اور اُنھوں نے جناب سیدؒ کے اسفار کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور سفر کے دوران آپ کے تبلیغی مساعی کا بھی ذکر کیا ہے۔ مولانا خورشید احمد قانون گو کے مقالے کا عنوان ہے ''شاہ ہمدانؒ بحیثیت سیاح عالم'' اور اُنھوں نے شاہ ہمدانؒ کی سیر و سیاحت کو ایک نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد معروف شاہ کے مقالے کا عنوان ہے ''شاہ ہمدانؒ کی بازیافت''، اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب کا یہ جملہ ''شاہ ہمدانؒ کا کشمیر مذہبی فرقہ پرستی میں اِس طرح اُلجھ گیا ہے کہ شاہ ہمدانؒ کو اپنی تمام تر وسیع المشربی کے ساتھ قبول کرنے والے ڈھونڈنے پڑیں گے۔'' انتہائی معنی خیز اور کشمیری معاشرے کا عصری آئینہ دار ہے۔

غلام رسول دہلوی صاحب کے مقالے کا عنوان ہے ''شاہ ہمدانؒ اور ان کی مذہبی فکر'' غلام رسول صاحب کا کہنا ہے کہ ''شاہ ہمدانؒ کی نظر میں اسلام کی غلط تعبیر اور اس کی آڑ میں لوگوں کے ساتھ غلط سلوک کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔'' یعقوب محمد براہوی صاحب کے مقالے کا عنوان ہے ''شاہ ہمدانؒ سے منسوب آثار، تحریفات اور اُن کے اثرات'' اور اُن کا یہ جملہ قابلِ توجہ ہے ''حضرت شاہ ہمدانؒ سے منسوب جعل سازی کتب ورسائل کی صورت میں ہو یا خاندانِ ہمدانی کا لبادہ اوڑھ کر ہر زمانے میں آپ کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی بہت کوششیں ہوئی ہیں۔''

میر امتیاز آفریں کے مقالے کا عنوان ہے ''شاہ ہمدانؒ اور مذہبی رواداری''، اس مقالے میں حضرت شاہ ہمدانؒ کی ذات پر لگائے گئے تشدد اور عدم رواداری کے الزامات کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ الزامات آپ کی شخصیت وسیرت کے مخالفین انگریز اور ہندو تعصب پرست مورخین نے عائد کیے ہیں، آفریں صاحب نے ان الزامات کا علمی وتاریخی حوالوں سے احسن انداز میں رد بلیغ کیا ہے اور اُن کو مسکت جواب دیا ہے جو اپنے آپ میں ایک بڑی بات ہے۔

''افکار وخیالات'' کے زمرے میں میر امتیاز آفریں کے سات مقالات شامل ہیں، تین کا

تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے، باقی چار مقالوں کے عنوان درج ذیل ہیں: ''شاہ ہمدانؒ اور نصاب تعلیم''، ''عقل وشعور کی اہمیت وافادیت: رسالہ عقلیہ کی روشنی میں''، ''خانقاہ معلیٰ: کشمیر کا ثقافتی ورُوحانی مرکز ومحور''، ''دبستان فتوت اور حضرت شاہ ہمدانؒ''۔

شاہ ہمدانؒ اور نصاب تعلیم کے بارے میں آفریں صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مکمل تعلیم وہی ہے جو سالک کو ایک طرف خالق کی بندگی سکھائے اور دوسری طرف خدمت خلق (Social Service) پر اُبھارے۔

''عقل وشعور کی اہمیت وافادیت: رسالہ عقلیہ کی روشنی میں'' آفریں صاحب کا علمی مقالہ ہے جس میں رسالہ عقلیہ کے مندرجات اور ابواب کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

''خانقاہ معلیٰ: کشمیر کا ثقافتی وروحانی مرکز ومحور''، اس مقالے میں آفریں صاحب نے پہلے تو خانقاہ کی اصطلاحی تعریف بتائی ہے اور اُس کے بعد خانقاہ کی افادیت سے روشناس کرایا ہے۔ اس ضمن میں حضرت شاہ ہمدانؒ کے قائم کردہ خانقاہ کو کشمیر کا بدلائل ثقافتی وروحانی مرکز ومحور قرار دیا ہے۔

''دبستان فتوت اور حضرت شاہ ہمدانؒ''، یہ مقالہ بھی میر امتیاز آفریں کے زورقلم کا شاندار نتیجہ ہے۔ اس مقالے میں لفظ ''فتوت'' کے معنی بتائے گئے ہیں اور پھر شاہ ہمدانؒ کی تحریرات اور طرزعمل کی روشنی میں فلسفۂ فتوت پر گفتگو کی گئی ہے۔

''شاہ ہمدانؒ کے سیاسی افکار'' کے عنوان سے شاہدہ اختر اویسی نے اپنا مضمون لکھا ہے جو شاہ ہمدان کے سیاسی نظریات کو سمجھنے کے لیے دعوت دیتا ہے۔ شاہدہ صاحبہ نے اپنا یہ مقالہ شاہ ہمدانؒ کی تحریر کردہ کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' کی روشنی میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر محمد تنویر حیات صاحب نے اپنا مقالہ ''تعلیمات شاہ ہمدانؒ: موجودہ عالمی منظرنامہ کی روشنی میں'' کے عنوان سے لکھا ہے آپ کا یہ جملہ شاہ ہمدانؒ کے افکار کے حوالے سے خاص طور پر لائق توجہ ہے۔

''سلامتی تشدد سے نہیں، صرف اور صرف محبت اور شفقت سے ہی ممکن ہے، یہی اسلام کا فلسفہ ہے اور یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔''

حنیفہ بلال کے مقالے کا عنوان ہے ''میر سید علی ہمدانی: قرون وسطیٰ میں مجدد معیشت''، اس مقالے میں اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ شاہ ہمدانؒ کی آمد سے کشمیر کی معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ شاہ ہمدانؒ نے وادی میں کن کن ہنر اور پیشے کو فروغ دینے میں کلیدی

کردار ادا کیا، اس مقالے کے ذریعے اس کا بخوبی پتا چلتا ہے۔جنیفہ بلال کا یہ مقالہ معلوماتی بھی ہے اور تحقیقی بھی۔

محمد شفیع بٹ کے مقالے کا عنوان ہے ''اسلامی تہذیب کے فروغ میں شاہ ہمدانؒ کا کردار''، یہ مقالہ کشمیر کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔کشمیر میں دیگر اولیا اور سلاطین کی تبلیغی خدمات کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام میں حضرت شاہ ہمدانؒ کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ڈاکٹر سر تاج احمد صوفی کے مقالے ''اہل کشمیر کی اوراد فتحیہ کے ساتھ وابستگی'' میں اوراد فتحیہ کے فوائد، جمع و ترتیب کا پس منظر اور اس وظیفے کی مقبولیت کے متعلق معلوماتی گفتگو کی گئی ہے، اور یہ معلومات بھی دی ہیں کہ اس اوراد کو دربار رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ''فتحیہ'' نام عنایت ہوا۔اس مژدۂ جانفزا سے شاہ ہمدانؒ کی بارگاہ رسالت میں رسائی اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔الحمد للہ! جب ۲۰۱۰ء میں میرے کرم فرما برادرم سید محمد بلال کرمانی کی دعوت پر ''اُسوۂ حسنہ کانفرنس'' کے زیر اہتمام مرکز علوم اسلامیہ، رحمت آباد سری نگر میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوا تھا تو قائد اہلسنت حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی مرحوم (بانی شاہ ہمدانؒ ٹرسٹ، مرکز علوم اسلامیہ) نے مجھے بھی تحریری طور پر ''اوراد فتحیہ'' کے ورد کی اجازت دی تھی۔علامہ اندرابی صاحب کے توسط سے مجھے اس اوراد کی باقاعدہ طور پر اجازت حاصل ہے، یہ حضرت شاہ ہمدانؒ کا مجھ پر خاص کرم ہے۔

خاکی محمد فاروق نے ''کشمیر میں شاہ ہمدانؒ کا دعوتی کام'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں آپؒ کے دعوتی کام، تبلیغی حکمت عملی و طریقۂ کار پر گفتگو کی ہے۔محمد یٰسین کامبے نے ''کشمیر اور شاہ ہمدانؒ'' کے عنوان سے اپنا مقالہ سپرد قلم کیا ہے، اور اپنے مقالے میں یہ بتایا ہے کہ شاہ ہمدانؒ نے اپنی تعلیمات سے خطۂ کشمیر کے کفر و شرک میں پھنسے ہوئے بندگان خدا کو کیسے باہر نکالا اور اُنھیں فرزندان توحید میں شامل کیا۔

ادبیات کے زمرے میں کل سات مقالے شامل اشاعت ہیں۔اس زمرے کا پہلا مقالہ ''شاہ ہمدانؒ کی غزل کا تعمیری کردار'' ہے جو پروفیسر قدوس جاوید صاحب کی قلمی کاوش ہے۔پروفیسر صاحب نے غزل کے حوالے سے معلوماتی گفتگو کرتے ہوئے شاہ ہمدانؒ کی غزلوں کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔پروفیسر صاحب کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

''شاہ ہمدانؒ صوفیانہ اور دینی مزاج رکھنے کے باوجود تغزل کی فضا سے معمور ہیں۔''

پروفیسر غلام رسول ملک صاحب نے ''چہل اسرار: تعارف و تجزیہ'' کے عنوان سے اپنا مقالہ قلم بند کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ شاہ ہمدانؒ کی شاعری کی اصل لے خودی کی نہیں بلکہ نیستی اور خود فراموشی کی ہے۔

پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی صاحب کی تحریر ''رسالہ خواطریہ: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے اس مجموعہ میں شامل ہے۔ اس میں شیطانی وساوس کے تدارک کا طریقۂ کار شاہ ہمدانؒ کی تحریر کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد تنویر حیات کے مقالے کا عنوان ہے، ''مکتوبات شاہ ہمدانؒ کے کچھ نمایاں پہلو' جس میں شاہ ہمدان کے گرانقدر مکتوبات کے علمی و روحانی پہلو پر مختلف انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم مصباحی نے ''ذخیرۃ الملوک: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ'' کے عنوان سے اپنا مقالہ تحریر کیا ہے اور شاہ ہمدانؒ کی اس لازوال تصنیف پر خوب روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ ''ذخیرۃ الملوک'' تصوف کی اہم ترین کتاب ہے۔ جس میں روحانیت کے اصول وضوابط پیش کیے گئے ہیں۔ ''اورادفتحیہ: ایک مختصر تعارف'' عنوان سے ڈاکٹر ذوالفقار صدیقی صاحب نے بھی ''اورادفتحیہ'' کی علمی و روحانی اہمیت پر گفتگو کی ہے اور اس کی نشر و اشاعت کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ فیاض احمد یتو صاحب نے ''رسالہ حفظان صحت: ایک مطالعہ'' کے عنوان سے ایک فکری نوعیت کا مقالہ تحریر کیا ہے اور شاہ ہمدانؒ کے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ اپنے مقالے ''اورادِفتحیہ: وظیفۂ توحید' میں میر امتیاز آفریں نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اورادفتحیہ توحید باری تعالیٰ کے انوار سے بھرپور ایک روح پرور وظیفہ ہے جسے پڑھ کر سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ذریعے ہم اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لے سکیں۔ یہ مقالہ اس زمرے کا آخری مقالہ یا مضمون ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر قلم کار نے اپنی استعداد اور بساط کے مطابق اپنے موضوع سے ''انصاف'' کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ کتنے کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین خود فرمائیں گے۔ تحقیق، تدوین، ترتیب، تجزیہ نگاری اور مضمون نویسی کے اپنے اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ جن اہل قلم نے ان اصول وضوابط کو اپنی تحریر میں برتا ہے قارئین بے ساختہ اُنھیں داد وتحسین سے نوازیں گے۔ نئے قلم کاروں سے میری گزارش ہے کہ وہ مضمون نگاری یا مقالہ نویسی سے قبل اصول تحقیق کے فن پر کوئی اچھی کتاب پڑھ لیں۔ ماڈرن ریسرچ میتھاڈولوجی (Modern Research Methodolgy) کے اصول وضوابط سے واقف ہونا ہر قلم کار کے لیے بے حد ضروری ہے۔

میں اس مقدمے میں تفصیل سے اسلامی تصوف، اس کی مختلف جہات، اس پر لگائے گئے الزامات، مخالفین تصوف کا پروپیگنڈہ، تصوف یونان وتصوف غارحرا، جاہل صوفیا اور قبر فروش مجاوروں کا تعلیماتِ تصوف سے انحراف اور تاریخ کشمیر میں شاہ ہمدانؒ کا بے مثال کردار جیسے عناوین پہ تحقیقی انداز سے لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر طبیعت کی اچانک ناسازی کی وجہ سے ان

موضوعات کو ترک کرنا پڑا جس پر وقت اور صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان شاء اللہ آئندہ لکھنے کی کوشش کروں گا۔

بہرحال! اس کتاب کے مؤلف اور رَضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن کے سبھی اراکین قابل مبارک باد ہیں کہ ان کی کاوشوں سے یہ مجموعہ شائع ہو کر منظر عام پر آرہا ہے۔امید ہے کہ اہل علم اس سے استفادہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے۔(آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

خاکپائے چشت
نوشاد عالم چشتی علیگ
13 ذوالحجہ 1442ھ/ 24 جولائی 2021
naushadchishti@gmail.com
+919412562751

تأثرات

پروفیسر سید علیم اشرف جائسی (۱)

شاہ ہمدانؒ کے سلوک وتعامل کی بازیافت

مبسملا وحامدا ومصلیا ومسلما

اِنما الأعمال بالنیات۔ یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ یہ اسلامی اصول کی ایک مرکزی ومحوری اصل ہے، جو قطعی الثبوت حدیث سے ماخوذ ہے، اور اس حدیث کی شان وعظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث الشریف امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو تمام احادیث پر مقدم رکھا ہے، اور اللہ کی کتاب کے بعد سب سے افضل کتاب کا آغاز اسی حدیث پاک سے ہوا ہے۔

لیکن اس سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ عمل اور نیت میں کوئی ہمہ جہتی تلازم ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے لیے ایسے لازم وملزوم ہیں کہ اگر نیت درست تو عمل درست، اگر نیت صالح تو عمل صالح اور اگر نیت اچھی تو لازمی طور پر عمل بھی اچھا ہو، یا پھر اس کا برعکس ہو۔ اور نہ نیت اور عمل کے آثار ونتائج کے مابین کسی قسم کا تلازم وتوافق ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالیشان کا تعلق صرف عمل کی جزا سے ہے۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے یعنی ہر عمل کی جزا اُس کو کرنے والے کی نیت کے ساتھ مربوط ہے، پس اگر نیت اچھی ہوگی تو عمل کی جزا بھی اچھی ہوگی عام ازیں کہ وہ عمل اپنی ذات یا اپنے نتیجوں کے اعتبار سے اچھا ہو یا نہ ہو، اور اگر نیت بُری ہوگی تو عمل کی جزا بھی اچھی نہ ہوگی اس سے قطع نظر کہ وہ عمل اپنی ذات یا اپنے نتیجوں کے اعتبار سے برا ہو یا نہ ہو۔

چوں کہ بہت سے افراد کے ذہنوں میں ان دونوں کے درمیان تلازم ہے لہٰذا ایسے حضرات کا سارا زور نیتوں کی صلاح واصلاح پر مرکوز رہتا ہے، اور وہ نفس عمل اور اس کے اثرات و

---

(۱) صدر شعبۂ عربی، وڈین بہبودیٔ طلبہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

نتائج پر غور کرنے کی زحمت ہی نہیں کرتے۔اسی لئے فقہائے کرام نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ انسانی حقوق میں نیتوں کا کوئی اعتبار نہیں چناچہ کوئی کام کتنی بھی اچھی نیت سے کیا جائے لیکن اگر اس کام سے کسی کے حقوق تلف ہوتے ہیں تو اس کا تاوان دینا پڑے گا اور اس کی اچھی نیت کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا، خواہ وہ عملی طور پر ثابت بھی ہو جائے۔لہٰذا اچھی نیتوں سے بھی برے یا غلط اعمال اچھے نہیں ہو جاتے ہیں، اور اگر نیت بھی بُری ہو تو یہ اعمال اور بھی بُرے اور غلط ہو جاتے ہیں۔

اُنھیں اچھی یا بُری نیتوں سے کیے گئے غلط کاموں میں سے ایک غلط کام اولیا وصالحین سے اُمت کے رشتوں کو توڑنا بھی ہے، جو صحیح اسلام کے نام سے انیسویں وبیسویں صدی میں تشکیل پانے والی بعض جماعتوں نے کیا ہے۔بلا شبہ بعض اولیا وصالحین کے مقامات اور مزاروں کے گرد وپیش ہونے والے کئی اعمال ورسوم کو کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جا سکتا ہے، اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی تائید کوئی جاہل وعنید ہی کر سکتا ہے، ایسے غیر شرعی اعمال ورسوم کی اصلاح ازبس ضروری ہے، تھی اور ہمیشہ رہے گی۔لیکن اصلاح کے نام پر اُمت محمدیہ۔علی صاحبہا الصلاۃ والسلام۔اور اس کے صالحین اور نیکوکار بزرگوں کے درمیان صدیوں سے قائم واستوار رشتوں کو منقطع کرنا، ان کے فیوض وبرکات سے لوگوں کو محروم کرنا اور ان کے مزارات ومقامات سے امت کو دور کرنا ایسا عمل ہے جو ذات کے اعتبار سے بھی غلط ہے اور اپنے اثرات کے اعتبار سے بھی غلط ہے۔ماضی میں یہ مقامات فکر وعمل کے جنریٹر ہاؤس تھے، امت یہاں سے علمی، عملی اور فکری قوت وتوانائی حاصل کیا کرتی تھی، یہ تبلیغ ودعوت کا مرکز تھے، ارشاد وہدایت کا منبع تھے، تزکیہ وتربیت کا منارہ تھے، روحانیت وطمانیت کا گہوارہ تھے، اور اُمت کی اجتماعیت اور وحدت کا محور بھی تھے اور مظہر بھی تھے۔چندے خش وخاشاک کے سبب اس عظیم وضخیم وفخیم عمارت کو ڈھا دینا اپنے آپ میں ایک تاریخی المیہ ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ صالحین امت سے امت کے قائم رشتوں کو مضبوط کیا جائے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کو اَز سرِ نو قائم کیا جائے، نہ صالحین کی صالحیت وعظمت کے زیر اثر اُن کے مقامات ومزارات پر ہونے والے یا پائے جانے والے غیر شرعی اعمال وافعال واشغال کو قبول کیا جائے، اور نہ ان غیر شرعی امور کے سبب ان صالحین سے اپنے ربط وتعلق کو کمزور یا منقطع کیا جائے اور امت کو ان سے دور کیا جائے۔کیوں کہ نہ کعبے میں رہنے سے بتوں کی نجاست کم ہوتی ہے اور نہ بتوں کے رہنے سے کعبے کی طہارت کم ہوتی ہے۔تو اگر بتوں کی شناعت کے باوصف ان کی موجودگی سے بھی خانۂ کعبہ کے تقدس میں کوئی کمی نہیں آتی ہے نہ اس کے مالک عز وجل کی عظمت وجلالت میں کچھ نقص واقع ہوتا ہے تو بلا تشبیہ یہاں تو صرف چند غیر شرعی اور ناجائز اُمور کا معاملہ

ہے، ان کے سبب ان مقامات کی قدر و قیمت اور ان کے ساکنین کی عظمت و رفعت میں کیوں کر کمی آسکتی ہے۔ البتہ! جس طرح صالحین اُمت سے اپنی محبت وعقیدت اور اپنے ربط وتعلق کو برقرار رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ان مقامات کو ہر قسم کے بدعات وخرافات اور تمام غیر شرعی رسوم و عادات اور ہر طرح کے توہمات وخزعبلات سے پاک وصاف رکھیں، تاکہ ان مقامات کی نفعیت و افادیت اور اُن کے فیوض و برکات بے روک ٹوک جاری وساری رہیں۔

اُنھیں صالحین امت اور عظمائے ملت میں ایک ذات ستودہ صفات حضرت امیر کبیر مظہر اوصاف ربانی سید علی ہمدانی قدس سرہٗ النورانی کی بھی ہے جنھوں نے اپنی مساعی جمیلہ اور موعظت حسنہ سے خطہ بے نظیر کشمیر کی تصویر وتقدیر دونوں بدل دی۔ اور جنھیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اور اُن کے ساتھ اہالیان کشمیر کے صدیوں سے قائم عقیدت وولا کے رشتوں کی تجدید کرنے لے لیے عزیز مکرم وصدیق محترم میر امتیاز آفریں صاحب حفظہ اللہ ورعاہ نے مقالات کا یہ مجموعہ مرتب کیا ہے جو شاہ ہمدان علیہ الرحمۃ والرضوان پر ہونے والے ایک علمی مذاکرے میں پیش کئے گئے تھے۔ اس مجموعے میں حضرت کی سوانح وحالات ان کی تعلیمات وفتوحات اور ان کے فیوض و برکات کا ہمہ جہتی مطالعہ کیا گیا ہے اور اُس کے ذریعے اہالیان کشمیر پر خصوصاً اور اسلامیان ہند پر عموماً حضرت والا کے بعض حقوق کی ادائیگی کی کوشش کی گئی ہے جو لائق ستائش وقابل تبریک ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت شاہ ہمدانؒ سمیت تمام اولیائے اکرام کے حالات زندگی کو منصۂ شہود پر لانا، ان کی تعلیمات وارشادات کو عام کرنا، اُن کے منہج دعوت اور طریقہ تربیت کو اَپنانا، اور ان کے سلوک وتعامل کی بازیافت کرنا بے حد ضروری امر ہے، لیکن متوازی طور پر موجودہ اور مروجہ ''درگاہیت'' کو حقیقی خانقاہی نظام میں بدلنا بھی بے حد ضروری ہے۔ کیوں کہ تصوف وخانقاہیت کو جتنا خطرہ شدت پسندوں اور اعدائے تصوف سے ہے اتنا ہی خطرہ شریعت بیزار مدعیان تصوف سے بھی ہے بلکہ مؤخر الذکر خطرہ کچھ زیادہ ہی بڑا ہے، احسان کا دعوی اور اسلام کو نظر انداز کرنے والے اس گروہ نے ایک طرف تو خلق خدا کو حقیقی تصوف اور اس کے فیوض وبرکات سے دور کر رکھا ہے، اور دوسری طرف ان کی بے عملی اور جہالت نے امت کے ایک بڑے اور خاص کر تعلیم یافتہ طبقے کو شدت پسند جماعتوں سے قریب کر دیا ہے۔ حق کے غلط نمائندوں نے ہر دور میں خلق کو حق سے دور کیا ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے مغل اعظم اکبر کی گمرہی کی تعلیل وتوجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ اپنے عہد کے علما کا بڑا معتقد تھا اور اُنھیں رازی

وغزالی رحمہما اللہ سے افضل سمجھتا تھا لیکن ان کے سوئے احوال واعمال کو دیکھ کر نہ صرف سلف صالحین بلکہ عینِ دین سے بھی برگشتہ ہوگیا: ''علمائے عہد خویش را بہتر از غزالی و رازی تصور نمودہ بودند، رکاکتہائے ایشاں را دیدہ، قیاس غائب برشاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند'' درحقیقت یہ اکبر کی شومئ قسمت اور ناعاقبت اندیشی تھی کہ اس نے اپنے عہد کے ان علمائے سو کو غزالی و رازی یا ان سے بہتر سمجھنے کی غلطی سے رجوع کرنے کے بجائے غائب کو حاضر پر قیاس کرنے کی دوسری غلطی کر دی ، جو پہلی سے بھی بڑی اور خطرناک تھی۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ خطاکاروں کے سبب نیکوکاروں سے برگشتہ ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح بزرگوں کے آستانوں پر ہونے والی خرافات وبدعات لوگوں کو ان بزرگوں کی ذات اور ان کے فیوض و برکات سے دور کر دیتی ہیں لہٰذا ان کی تعلیمات کو عام کرنے کے ساتھ مروجہ 'درگاہیت' کا سدباب کرنا بھی ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جنھوں نے ان موروثی اور ادعائی صوفیوں کو تصوف کا حقیقی نمائندہ سمجھ رکھا ہے اور اُنھیں سلف صالحین پر قیاس کیا وہ بھی خسارے میں ہیں، اور جنھوں نے سلف صالحین اور اولیائے کاملین کو اُن پر قیاس کرلیا ہے وہ بھی خسارے میں ہیں۔ ان مادہ پرست و نام نہاد صوفیوں اور اُن کے جاہل و بے عمل پیروکاروں نے ہی تصوف کے خلاف جھوٹی تہمتوں اور الزامات کے لیے ماحول سازگار کیا ہے۔ ان تہمتوں میں سرفہرست یہ ہے کہ تصوف میں اتباع شریعت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، یا صوفیا کے یہاں سلوک میں کوئی ایسی منزل ہے جہاں پہنچ کر احکام شریعت ساقط ہوجاتے ہیں یا شریعت وطریقت میں کوئی مغایرت یا منافرت ہے وغیرہ۔ ان تمام تہمتوں کے بطلان کے لیے علی ثانی حضرت علی ہمدانیؒ کی سیرت وسوانح ہی کافی ہے کیونکہ آپ کی ذات اتباع شریعت میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ آپ کے لئے علی ثانی کے معروف لقب کی ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ آپ احکام خداوندی کی بجا آوری اور شریعت مصطفویؐ کی پیروی میں باب مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشابہ تھے۔

یہ کتاب انقلاب کشمیر کے بانی مبانی میر سید علی ہمدانیؒ سے اہل کشمیر کے ولا ومحبت کی تاریخ بھی ہے اور اس کی تجدید بھی ہے۔ اس میں تاثراتی گفتگو بھی ہے، تجزیاتی بحثیں بھی ہیں، وصف وتحلیل پر مشتمل تحریریں بھی ہیں، خالص علمی وفکری مقالات بھی ہیں جن میں ایک جہان معانی آباد ہے اور حضرت والا کی ذات وصفات، تعلیمات وخدمات تصنیفات وتالیفات اور اعمال واشغال کا تذکرہ بھی ہے۔ میر امتیاز آفرین صاحب نے نہ صرف ان مضامین ومقالات کی ترتیب وتدوین کا کام کیا ہے بلکہ شاہ ہمدان علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات اور ان کے اثرات وبرکات کے جو گوشے متروک ومہجور رہ گئے تھے اپنے طبع زاد مضامین کے ذریعے ان

کی تکمیل بھی کی ہے۔اوراس طرح یہ مجموعۂ مقالات آپ کے حوالے سے ایک خوبصورت مرقع اورمستند دستاویز بن گیا ہے۔

میں صمیم قلب سے عزیزم میرا متیاز آفریں صاحب اوراُن کے تمام رفقائے کارکومبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ یہ گنجینۂ معانی اُن سب کے لیے باعث توفیقات اور موجب حسنات ہو۔اوراُس گلشن افکاراَور جونۂ عطار سے خلق خدا کے مشام جاں معطر ہوں۔واللہ ھادی ولہ ودادی و علیہ اعتمادی فی مبدئی و معادی، وصلی اللہ تعالی علی سیدنا و حبیبنا محمد و علی آلہ ومن سار علی دربہ أجمعین۔

●●●

پروفیسر غلام رسول ملک (۱)

فکرِ شاہِ ہمدانؒ کی عصری معنویت

بِسۡمِ اللہِ وَحۡدَہٗ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ کی حیاتِ پاک اور اِسلام کے لیے اُن کی بیش بہا خدمات، علی الخصوص خطہ کشمیر میں دینِ حق کی اشاعت اور اِستحکام میں ان کی گراں قدر مساعی تاریخ کا ایک ایسا زرّین باب ہے جس کا جتنا بھی ذکر کیا جائے اتنا کم ہے۔ آج کے دورِ پُر آشوب میں جب کہ اسلام کی مغلوبیت و مظلومیت اپنی انتہاؤں کو چھورَ ہی ہے یہ ذکرِ مسعود ہمارے سوئے ہوئے ضمیروں کو جھنجھوڑنے کے لیے اور ہماری ٹوٹی ہوئی اُمیدوں کو جگانے کے لیے بہت ہی اہم اور اِنقلاب آفرین رول انجام دے سکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے زیرِ نظر مجموعہ مضامین ایک بروقت تالیف ہے جس سے اِن شاء اللہ مخلص طالبانِ حق اپنی اپنی بساط کے مطابق مستفیض ہوں گے۔

یوں تو حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کے کثیر الجہات کارناموں کے ہر شعبے میں ہمارے لیے ہدایت اور فیض و برکت کا سامان ہے مگر آج ہم جس ملّی بحران سے دو چار ہیں اُس سے عہدہ برآ ہونے کے لحاظ سے چار اُمور خاص طور پر توجّہ طلب ہیں:

● اَولاً آج ہم جہاں بھی ہیں مغلوب و مظلوم ہیں اور اس گھٹاٹوپ اندھیرے سے نکلنے کے لیے کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی۔ مظلومیت و مغلوبیت کی صبر آزما آزمائش سے شاہ ہمدان اور اُن کے پاکباز ساتھی بھی گزرے تھے مگر اُنھوں نے مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے اس ناخوشگوار صورت حال کو بھی جو بظاہر ایک نوع کی زیر باری (LIABILITY) تھی، سرمایہ (ASSET) میں تبدیل کر دیا اور وطن مالوف کو خیر باد کہہ کے کفر و شرک میں ڈوبے ایک دور دَراز خطہ ارض یعنی کشمیر

---

(۱) سابق صدر شعبۂ انگریزی، کشمیر یونیورسٹی

کو دینِ حق کی روشنی سے منور کیا۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

● ثانیاً اس وقت ہمیں مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات نے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے حالاں کہ جب تک دین کے بنیادی عقائد (توحید، آخرت اور ختمِ نبوت) کے بارے میں اتفاق رائے موجود ہو نزاع اور اِختلاف کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ جب وارِدِ کشمیر ہوئے تو یہاں اسلام کا تعارف محدود پیمانے پر ہو چکا تھا لیکن جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ مسلکِ حنفی کے مطابق اپنے دینی فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ خود شافعی المسلک تھے مگر فقہی اور مسلکی اختلاف کی طرف آپ نے سرے سے کوئی توجہ ہی نہیں کی اِس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اصولِ دین بہرحال یکساں ہیں۔ مسالک میں جو تنوع پایا جاتا ہے اُس کا تعلق فروعات سے ہے اور فروعات کو بناءِ نزاع بنانا حماقت ہی نہیں خودکشی ہے۔ افسوس کہ آج دشمنانِ اسلام ہمارے مسلکی اور فقہی اختلافات سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر ہماری قوتوں کو برباد کر رَہے ہیں۔

● ثالثاً ہمارے تمام اسلافِ صالحین اور مجددینِ عظام کی طرح حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ دینِ حق کے محاذ پر اَندر سے جو بھی حملہ ہوا ہے اُس کا اولین ہدف حدیث وسنتِ رسول (ﷺ) رہا ہے۔ اللہ کے تمام رسول جو دین لے کے مبعوث ہوئے تھے اور جس کی تکمیل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہوئی اُس کا لب لباب یہ ہے کہ پوری کائنات کا مرکز ذاتِ باری تعالیٰ جل شانہ ہے:

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴿۸۳﴾ (آل عمران)

یہی توحید ہے اور نظامِ کائنات کی ہم آہنگی اسی کے دم سے قائم ہے۔ انسان کی اختیاری زندگی کے تمام گوشوں میں بھی اسی توحید کا عکس نظر آنا چاہیے۔ اس توحید کو عملی زندگی میں اُتارنے کا بہترین نمونہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴿۲۱﴾ (احزاب)

یہ نمونہ اللہ کی آخری کتاب قُرآن کی واحد مستند تفسیر ہے۔ باقی تمام تفاسیر جس قدر اُس کے مطابق ہوں اسی درجے میں قابلِ قبول ہیں۔ قرآن کے دشمن جب اس کی بنیادوں کو معاذ اللہ ڈھا دینا چاہتے ہیں تو حدیث وسنت کو اُس سے الگ کرنے کی سازشیں رَچاتے ہیں۔ تاریخ میں جب بھی قرآن اور اِسلام پر اَندر سے حملہ ہوا ہے تو اُسی محاذ سے ہوا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کی زندگی اور اُن کی تصنیفات کے اندر ہمارے لیے ایک بہت بڑا سبق یہ ہے کہ ہم بہرحال

حدیث وسنت کے ساتھ سختی سے چمٹے رہیں۔ یہی رویہ ہماری قرآن کے ساتھ وابستگی کا ضامن بھی ہے اور یہی ہماری اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی کے لیے واحد رَاہِ نجات ہے:

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

● رابعاً حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے کشمیر میں اشاعت و استحکامِ اسلام کے لیے جو طریقۂ کار اختیار کیا وہ ہمارے لیے بے حد سبق آموز ہے۔ وہ شاہمیری سلاطین کے عہدِ حکومت میں وارِدِ کشمیر ہوئے اور ایک مخلص ودردمند داعی کی طرح دعوت واِصلاح کا کام شروع کیا۔ اپنے لیے کسی سیاسی منصب کی کبھی ادنیٰ سی خواہش بھی نہیں کی۔ سلاطین اور اُن کے درباریوں میں اُنھیں جو بے پناہ عقیدت حاصل تھی اُس سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اس کے برعکس اُن کی تمام تر توجہ اِس اَمر پر مرکوز رَہی کہ سلاطین اور اُن کے درباری اور متعلقین اسلام کے رنگ میں مکمل طور پر رنگ جائیں اور اُن کی روزمرہ کی زندگی شرک کے اثرات سے پوری طرح پاک ہوجائے اس مقصد کے حصول کے لیے اُنھوں نے اُن کے نفوس کا تزکیہ کیا، اُن کی سوچ میں انقلاب پیدا کیا، اُن کے کردار کو سنوارا اور اُن کے اندر اِسلام سے سچی محبت کا جذبہ پیدا کیا۔

بیسویں صدی کی کئی اسلامی تحریکوں نے اسلام کی محبت سے سرشار ہوکر اِسلامی انقلاب کے لیے جو مختصر رَاستے (Short Cuts) اختیار کرنے کی کوششیں کیں وہ بے شک قابل قدر ہیں اور اَللہ تعالیٰ کے یہاں اِن شاءاللہ اَجرِ جزیل کی مستحق ہوں گی۔ بایں ہمہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس طریق کار سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے بلکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ سیاسی طالع آزماؤں نے مخلص خادمین دین کو اَپنا رقیب سمجھ کر رَاستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہے اور اِس غرض کے لیے اُوچھے ہتھکنڈے اِستعمال کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مجموعۂ مضامین کو اپنی رحمت کے طفیل قارئین کے لیے باعث برکت وہدایت بنائے اور اِس کے مؤلفین ومرتبین کو جزائے خیر سے نوازے۔ (آمین)

●●●

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین (۱)

شاہِ ہمدانؒ اور خطۂ کشمیر

ہندستان کے کئی علاقے اپنی مخصوص خصوصیات کے سبب جانے جاتے ہیں۔ان خصوصیات میں وہاں کی تہذیبی، ثقافتی زندگی کے ساتھ ساتھ وہاں کی مذہبی زندگی اور عقیدت ومحبت بھی ایک خاص شناخت ہے۔رہی بات کشمیر کی تو خدا نے اس سرزمین کو قدرتی حسن سے مالامال کیا۔دنیا کے نقشے پر آج بھی اس سرزمین کو اسی قدرتی حسن کے سبب جانا اور پہچانا جاتا ہے۔لیکن اس سرزمین پر بسنے والے افراد کو اگر کسی نے کوئی شناخت عطا کی ہے تو وہ صوفیائے کرام کی ذات بابرکات ہے۔ کشمیر کو ہندستان میں صوفی دھرتی کے طور پر بھی خصوصی طور پر دیکھا جاتا ہے۔اس خطۂ اراضی پر خدا کا خاص فضل وکرم رہا ہے۔ یہاں بہ رضائے الٰہی اتنے صوفیائے کرام کا ورودِ مسعود ہوا کہ اُنھوں نے اِس جنت ارضی کو محبت وعقیدت کی سرزمین بنا دی۔ دین اسلام کی روشنی سے اِس سرزمین کو منور کیا۔تاریخ عالم شاہد ہے کہ اِس سرزمین کی جانب تمام اہل ہوس اور اَہل دنیا نے حکومت وسطوت کی غرض سے کشمیر کی حسین وادیوں کو نگاہ غلط انداز سے دیکھا۔ظاہر ہے جب حکومت اور اِقتدار کی بات آتی ہے تو وہاں اَمن ومحبت کوگزر نہیں ہوتا بلکہ ظلم وجبر اور اِستبداد کے ذریعے ہی کسی بھی خطے اور اُس خطے کے عوام کو اَپنا تابع بنایا جاسکتا ہے سو کشمیر میں بھی یہی ہوا۔یہاں کے عوام مفلوک الحال اور صاحبان اقتدار کے جبر واِستبداد سے پریشان رہے۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا اور اس خطے کو ظلمت وگمرہی سے بچایا۔

اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے دنیا کے ہر خطے میں انبیا ورُسل کو بھیجا اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہوا، کیوں کہ اسلام دین کامل کے

(۱) جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

طور پر اَللہ نے ہمیں عطا کیا۔لیکن نبوت کے سلسلے کے ختم ہونے سے رُشد و ہدایت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔علما اور صوفیا نے اِس سلسلے کو آگے بڑھایا۔اگر برصغیر کی بات کریں تو کوئی ایسا خطہ نہیں جو صوفیا اور علما کی خدمات سے محروم رہا ہو۔

کشمیر میں تو اَصفیا کی ایک طویل اور مستحکم تاریخ ہے۔لیکن یہ فیض ہے شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ اُنھوں نے بشارت سے سرفراز ہو کر کشمیر کا رُخ کیا اور اس سرزمین کو اِسلام کی روشنی سے منور کیا۔اسلام چوں کہ مکمل نظام زندگی ہے اس لیے صوفیا نے صرف عوام کو عبادت و ریاضت کی طرف مائل نہیں کیا بلکہ زندگی گزارنے کے لیے اسلامی طرز پر زندگی کے سلیقے بھی بتائے۔شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے کشمیر کی سرزمین پر اِقتصادی ترقی کو بھی ایک نئی راہ دکھائی اور لوگوں کو اَکلِ حلال کے طریقے بھی بتائے۔یہ اُنھیں کا فیض ہے کہ اس زمانے میں جو اِقتصادی صنعت وحرفت پروان چڑھی وہ آج بھی کشمیر کی صنعت اور اِقتصاد کے لیے رُوحِ کشمیر سمجھا جاتا ہے۔ دراَصل اَولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے اسلام کی اتباع کرتے ہوئے عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ کبھی بھی معاشرے سے اپنا رشتہ منقطع نہیں کیا بلکہ معاشرے میں رہ کر لوگوں کے دکھ درد کی چارہ جوئی بھی کی اور اُنھیں اسلام میں داخل بھی کیا۔جو لوگ مسلمان تھے اُنھیں عمل اور صالح اخلاق سے مزین بھی کیا۔اسی لیے اسلامی تصوف دنیا کے تمام مکتبۂ تصوف سے اعلیٰ اور اَفضل ہے۔اسی تصوف نے برصغیر اور خلیج عرب میں دین کی روشنی پھیلائی اور دنیا میں اَمن وسکون کا ایسا ماحول پیدا کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

ہندستان میں اسلام کی آمد کے حوالے سے تاریخ ہند و پاک کے مصنف نے لکھا ہے کہ ''اسلام مذہب کی حیثیت سے پہلے جنوبی ہند پہنچا۔مسلمان تاجر و مبلغین ساتویں صدی عیسوی میں (یاد رَہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳۲ء میں ہوئی تھی یعنی آپ کی وفات کے بعد جلد ہی مسلمان) مالیبار اور جنوبی سواحل کے دیگر علاقوں میں آنے جانے لگے۔مسلمان چوں کہ بہترین اخلاق و کردار کے مالک اور کاروباری لین دین میں دیانتدار واقع ہوئے تھے۔لہٰذا مالیبار کے راجاؤں، تاجروں اور عام لوگوں نے اُن کے ساتھ رَواداری کا سلوک روا رکھا۔چناں چہ مسلمانوں نے برصغیر پاک وہند کے مغربی ساحلوں پر قطعی اَراضی حاصل کر کے مسجدیں تعمیر کیں۔ (یاد رَہے کہ اس وقت خانقاہوں کی تعمیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا) اور اَپنے دین کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ہر مسلمان اپنے اخلاق اور عمل کے اعتبار سے اپنے دین کا مبلغ تھا نتیجہ عوام اُن کے اخلاق و اعمال سے متأثر ہوتے چلے گئے۔تجارت اور تبلیغ کا یہ سلسلہ ایک صدی تک جاری رہا یہاں تک کہ مالیبار میں اِسلام کو خاطر خواہ فروغ حاصل ہوا اَور وہاں کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا۔

جنوبی ہند میں فروغ اسلام کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُس زمانے میں جنوبی ہند مذہبی کشمکش کا شکار تھا۔ ہندو دھرم کے پیروکار بدھ مت اور جین مت کے شدید مخالف اور اُن کی بیخ کنی میں مصروف تھے۔ ان حالات میں جب مبلغین اسلام نے توحید باری تعالیٰ کی دعوت دی اور ذات-پات اور چھوت-چھات کو لایعنی اور خلاف انسانیت قرار دیا، تو وہ عوام جو ہزاروں سال سے تفرقات اور اِمتیازات کا شکار ہو رہے تھے بے اختیار اِسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ چوں کہ حکومت اور معاشرے کی طرف سے تبدیلی مذہب پر کوئی پابندی نہیں تھی، لہٰذا ہزاروں غیر مسلم مسلمان ہو گئے۔ (تاریخ پاک و ہند، ص: ۳۹۰)

اِس اقتباس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے زیر اَثر لوگ اسلام کی طرف کشاں کشاں آنے لگے۔ دراَصل علمائے کرام نے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے تصنیف و تالیف کا راستہ اختیار کیا اور صوفیائے کرام نے اسلامی اصولوں کو عملی طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ جو صوفیائے کرام برصغیر ہند و پاک میں تشریف لائے اور جن کی وساطت سے ہندستان میں اشاعت اسلام کی اشاعت ہوئی، ان میں دو ہستیاں ہی زیادہ مشہور ہیں جو پہلے پہل تشریف لائیں۔ پہلے حضرت علی ہجویری (۱۰۰۹-۱۰۷۲ء) ہیں، یہ غیر منقسم ہندستان (موجودہ لاہور) میں ۱۰۶۹ء میں تشریف لائے اور دوسرے بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (۱۱۲۴-۱۲۳۵ء) ہیں۔ اسی طرح کشمیر میں شاہ ہمدانؒ، شمالی ہندستان میں حضرت اَشرف سمنانیؒ اور بہار میں مخدوم جہاںؒ اور اسی طرح پورے خطے میں صوفیائے کرام کی تاریخ ملتی ہے جنھوں نے اسلام کو پھیلایا۔ ان کا طریقہ محبت کا تھا۔ ہندستان میں ذات پات اور تعصّبات کا دور دورہ تھا اُن صوفیا کی تعلیمات میں محبت و اُلفت اور مساوات کا درس تھا اِسی لیے جوق در جوق لوگ ان کے قریب آئے اور اِسلام سے مشرف ہوئے۔

کشمیر کے حوالے سے اگر شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی خدمات کا ذکر کریں تو اُسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے کیوں کہ اُن کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ محض تصانیف و تالیفات اور دعوتی و دینی اَسفار اِس قدر ہیں کہ اگر فرداً فرداً سب کا جائزہ لیا جائے تو اُس کے لیے ایک طویل عمر درکار ہوگی۔ اس پر مستزاد یہ کہ معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں بھی آپ کا اہم کردار رہا ہے، یہ ایک الگ کارنامہ ہے۔ اِس سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اَیسی صفات سے نوازا تھا جو صرف اُس کے مخصوص بندوں کے ہی حصے میں آتا ہے۔

غرض کہ کشمیر میں اِسلام کی جو رَوشنی موجود ہے وہ آپ کی بدولت ہی ہے۔ لیکن اب معاملہ یہ ہے کہ ہم شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کو صرف عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور آپ کی تعلیمات

اورطرزِ زندگی کویکسر فراموش کر چکے ہیں۔شاید اِس سرزمین میں انتشار وبداَمنی کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہو۔ چناں چہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم آپ کی زندگی کو سمجھیں اورآپ نے اِسلام کی اشاعت اورفروغ کے لیے جوخدمات انجام دیں اُن کومشعل راہ بنائیں۔

مجھے خوشی ہے کہ ’’رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن‘‘ نے شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے احوال وآثار پر سیمنار کاانعقاد کرایااوراُن مقالوں کواَب کتابی صورت میں پیش کیاجارہاہے۔

مجھے اُمید ہے کہ اس طرح کی کاوشوں سے نئی نسل کواپنی تاریخ سے آگہی بھی ہوگی اور شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کی خدمات سے واقفیت بھی ہوگی۔ جب واقفیت ہوگی تو اَللہ ہدایت بھی دے گا اور دنیا میں اَمن وسکون کے لیے اسلامی تعلیمات کوصوفیا کے طرز پرفروغ دینے کی کوششیں بھی ہوں گی۔

●●●

مولانا مبارک حسین مصباحی (۱)

فیضانِ شاہِ ہمدانؒ اور کشمیر

وادیِ کشمیر بلاشبہ اَرضِ ہند پر جنت کا ایک خوشگوار نمونہ ہے، یہاں قدم قدم پر حسن و جمال کے پیکر دلوں کو متأثر کرتے ہیں۔ جنت نشاں کشمیر کے حسین خطوں سے دل و جاں کو معطّر کرنے والے گل بوٹے اُگتے ہیں، پہاڑیوں کی چوٹیوں سے بہتے جھرنے آنکھوں کو سرور بخشتے ہیں، آب وہوا فرحت و اِنبساط سے بے خود کرتے ہیں، ہم کئی بار جموں و کشمیر کی وادیوں میں حاضر ہو چکے ہیں۔ ہم نے دورانِ سفر ''اَورادِ فتحیہ'' اور ''ذخیرۃ الملوک'' کے تذکرے سنے۔ وادیِ کشمیر کے عظیم داعی سیدالسادات امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کا بار بار ذکرِ خیر سنا۔ آپ کے حوالے سے عشق انگیز بیانات بھی سنے اور خوش بختی سے صوفیانہ کتابوں میں تذکار پڑھنے کا بھی شرف حاصل کیا۔ وادیِ کشمیر بلاشبہ صوفیائے کرام کی سرزمین ہے۔ ''واقعاتِ کشمیر''، ''تحائف الابرار''، ''تاریخ اولیائے کشمیر'' اور ''تاریخ بزرگانِ کشمیر'' بھی بڑی حد تک روحانی تاج داروں کی یادیں تازہ کر دیتی ہیں۔

اس وقت ہمارے رُوبرو ''کشمیر میں اِسلامی انقلاب اور حضرت شاہِ ہمدانؒ'' ہے۔ یہ گراں قدر مقالات اور مضامین کا معلومات اَفزا مرقعِ جمیل ہے۔ اس کے مرتب ہیں علم واَدب کے نیرِ تاباں محترم میر اِمتیاز آفریں دام ظلہ العالی۔ آپ کی شخصیت پر بعد میں روشنی ڈالیں گے، سرِ دست ہم سید السّادات حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر وفکر کی روشنی سے نوکِ قلم تابندہ کرتے ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت بروز دوشنبہ بوقت فجر ۱۲؍رجب المرجب ۷۱۴ھ/ ۱۲؍اکتوبر ۱۳۱۴ھ کو اِیران کے معروف شہر ہمدان میں ہوئی۔ ہمدان، تہران سے ۲۰۰؍کلومیٹر جنوب میں

---

(۱) استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)، ایڈیٹر: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید شاہ شہاب الدین قدس سرہٗ ہمدان کے روحِ رواں اور حکمراں تھے۔ آپ کا خاندان ۲۰۰ ؍برس سے ہمدان میں مقیم اور وہاں کا حکمراں رہا ہے۔ اہل خانہ حکمرانی کے باوجود صوفیائے کرام سے گہرے روابط رکھتے تھے، آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ نے اپنے ماموں جان حضرت سید علاؤ الدین علیہ الرحمہ سے تجوید کے ساتھ قرآن عظیم حفظ کیا اور علوم وفنون میں امتیازی مقام حاصل فرمایا۔ تزکیۂ نفس اور رُوحانی تربیت کے لیے حضرت شیخ تقی الدین علی دوسی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضری دی اور اس روحانی بحرِ شیریں سے اکتساب فیض فرمایا۔ اُن کے وصال کے بعد عظیم روحانی شخصیت حضرت شیخ شرف الدین محمود مزدقانی کی مقدس خانقاہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور چھ برس تک جاروب کشی فرمائی، عرفان وتصوف کے اس موج زن سمندر سے ظاہری علوم اور باطنی معارف سے جی بھر کر شاد کام ہوئے۔ اَب مرشد گرامی کا ارشاد ہوا اَور آپ مختلف ممالک کے روحانی سفر پر رَوانہ ہو گئے۔

آپ سلسلۂ عالیہ کبرویہ میں اعلیٰ امتیازی مقام رکھتے تھے۔ آپ کا ۲۰؍ یا ۲۱؍ برس یعنی ۷۳۳-۷۵۳ھ تک یہ سفر جاری رہا، اِس مبارک روحانی سفر میں آپ نے چودہ سو (۱۴۰۰) اَہلِ معرفت اور اَہلِ کمال سے نیاز مندانہ اِکتساب فرمایا، اپنے وطن لوٹے تو اَہلِ محبت کے اصرار پر آپ نے نکاح کی سنت ادا فرمائی۔

سات سو (۷۰۰) با کمال مریدین، خلفا اور مختلف شعبوں کے ماہرین کے ساتھ آپ وادیِ کشمیر میں ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء میں تشریف لائے۔ سری نگر میں دریائے جہلم کے کنارے خانقاہ معلّٰی ہے، جہاں آپ پانچوں نمازیں با جماعت ادا کرتے، رشد وہدایت اور درس وتدریس کا اہتمام کرتے، یہی آپ کا کتب خانہ اور دار القلم بھی تھا اس جگہ خانقاہ تعمیر ہوئی جو ''خانقاہ معلّٰی'' اور ''خانقاہ شاہِ ہمدان'' کے نام سے منسوب ہوئی، یہ خانقاہ چوبی فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے، آج تک موجود ہے۔ اس تاریخی جگہ کا ابو الفضل نے ''آئین اکبری'' میں اور مغل شہنشاہ جہاں گیر نے ''تزک جہاں گیری'' میں تذکرہ کیا ہے۔ خانقاہ کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت میر محمد ہمدانی علیہ الرحمہ نے ۷۹۸ھ میں ایک شان دار مسجد تعمیر کرائی جو آج تک اپنی انفرادی شان کے ساتھ موجود ہے۔

کشمیر میں آپ ۳؍ بار تشریف لائے، پہلی بار اَپنے رفقا وخلفا کو جا بجا متعین فرما کر ۱۳۷۶ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ ۷۸۱ھ/ ۱۳۷۹ء میں دوبارہ وارِد کشمیر ہوئے اور ۷۸۵ھ/ ۱۳۸۷ء میں آپ کشمیر میں تیسری بار تشریف لائے۔ اس عرصے میں تبلیغ اسلام اور اِشاعت دین کے ساتھ ساتھ کشمیر کی تہذیب وتمدن، ثقافت اور طرزِ معاشرت میں بھی ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ کسب کلاہ دوزی جو آپ نے حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے

اختیار کیا تھا، آج اہلِ کشمیر کا خاص ذریعۂ معاش ہے۔ آپ کی زیرِ قیادت جو حضرات آئے تھے اُن میں علما، اہلِ فن، ماہرِ طب وحکمت اور ماہرِ زراعت شامل تھے، آپ نے اُنھیں مستقل طور پر کشمیر میں رہنے دیا تھا جن سے اہلِ کشمیر نے بہت کچھ حاصل کیا، یہ سب اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ اب کشمیری عوام کا ذریعۂ روزگار شال بافی، پشمینہ بافی، سوتی وریشمی سوزن کار، خطاطی، چوبی کاری، قالین سازی، نمدہ سازی، ظروف سازی، گل کاری اور عمارتی تزئین وآرائش ہے۔

میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے رفقاء کے ذریعہ ان دور دراز اور دُشوار گزار علاقوں میں درسگاہیں، شفا خانے اور گھر گھر ہنرمندی کے مراکز قائم فرمائے تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ کشمیری عوام کو علم وفن کی دولت سے مالا مال فرمادیا، صنعت وحرفت میں کمالِ عروج کی وجہ سے اس سارے خطے کو اِیران صغیر کردیا۔

''تحائف الابرار'' میں آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۷۰ درج ہے، مغلیہ دور میں آپ کی چند کتابیں داخلِ درس تھیں۔ ملک اور بیرون ملک کی لائبریریوں میں آپ کی کتابوں کے مخطوطے موجود ہیں۔ زیرنظر کتاب میں چند کتابوں پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے اور مستقل مضامین میں بھی، چند کتابوں کا تعارف وتجزیہ پیش کیا گیا ہے، جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ''چہل اسرار: مختصر تعارف وتجزیہ'' اَز پروفیسر غلام رسول ملک
۲۔ ''شاہِ ہمدان کی غزل کا تعمیری کردار'' اَز پروفیسر قدوس جاوید
۳۔ ''رسالہ خواطریہ۔ ایک مطالعہ'' اَز پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی
۴۔ ''ذخیرۃ الملوک۔ ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ'' اَز ڈاکٹر مفتی محمد ابراہیم مصباحی
۵۔ ''اورادِ فتحیہ۔ ایک مختصر تعارف'' اَز ڈاکٹر ذوالفقار صدیقی
۶۔ ''عقل وشعور کی ماہیت وافادیت: شاہ ہمدان کے رسالہ عقلیہ کی روشنی میں'' اَز میر امتیاز آفرینؔ
۷۔ ''مکتوباتِ شاہ ہمدان کے کچھ نمایاں پہلو'' اَز ڈاکٹر تنویر حیات
۸۔ ''رسالہ حفظان صحت: ایک مطالعہ'' اَز فیاض احمد یتو

کشمیر کے اکثر گھرانوں اور مساجد میں روزانہ ''اورادِ فتحیہ'' بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے۔ ''اورادِ فتحیہ'' روحانی تسکین اور وجدانی کیف وسرور کا مجرب نسخہ ہے جسے بے شمار کشمیری مسلمان بیک زبان مسجدوں میں اور تنہائیوں میں پڑھ کر جذب وسلوک کی منازل کا بھرپور مشاہدہ کرتے ہیں۔

یہ اَوراد اَور دعا حضرت خواجہ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ لازوال تصنیف ہے جو مختلف

وظائف کا مجموعۂ بے مثال ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید اور اَحادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین نکھری چاندنی میں حمد باری تعالیٰ کو اَیسے مؤثر، منور اَور دل نشین انداز میں مرتب کیا گیا ہے کہ جس کو ہر دبستان کے صوفیائے کرام اور علمائے ذی احترام نے حرز جان بنایا اور اَپنے ورد میں شامل کیا۔ حضرت خواجہ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ عشقِ الٰہی میں ڈوبے اور رنگِ الٰہی سے رنگے پیر طریقت تھے۔ ''اورادِ فتحیہ'' اور ''دعاے رقاب'' اس روشن حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ اب تک اس کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۷۶۲ء) اپنی کتاب ''انتباہ فی سلاسل اولیا'' میں ''اورادِ فتحیہ'' کے بارے میں یوں گوہر فشاں ہیں:

''اب اگر فضائل اور خواص اِس اَوراد کے بیان کیے جائیں تو بہت طویل ہو جائے۔ اس لیے کہ آں حضرت (میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی ساری عمر میں معمورۂ عالم کی تین مرتبہ سیر کی ہے اور چودہ سو (۱۴۰۰) ولیٔ کامل سے ملے ہیں اور ہر ولی سے رخصت کے وقت دعا اور رُقعہ کی التماس کی ہے اور اُن رقعوں کو اَپنے جامہ پر مرقع کیا ہے اور اُن دعاؤں اور اَذکار کو جو بے اختیار اُن کی زبان پر جاری ہوتے تھے جمع کیا ہے۔ یہ اَوراد ہو گیا ہے۔ اُنہی (حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ ''جب میں بارہویں دفعہ کعبہ شریف کی زیارت کو چلا اور رَاستے میں مسجد اقصیٰ پہنچا تھا تو وہاں پر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس درویش کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ میں اُٹھا، آگے بڑھا اور سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستین مبارک سے ایک جز و نکالا اور اِس درویش سے فرمایا کہ ''خذ ھٰذہ الفتحیۃ''، یعنی اِس فتحیہ کو لے۔ جب میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے اُسے لیا اور اُس پر نظر ڈالی تو یہی اَوراد تھے۔ اِس اشارہ سے اُن کا نام ''فتحیہ'' رکھا گیا۔''

جب آپ گل پوش وادیِ کشمیر سے واپس ہونے لگے تو سلطان قطب الدین نے گزارش کی کہ آپ تو جا رہے ہیں اپنے کسی نائب کو چھوڑ جایئے۔ آپ نے عظیم داعی حضرت مولانا محمد قادری قدس سرہٗ کو کشمیر میں چھوڑ دیا اور باقی رفقا کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ علاقہ پکھلی کے شاہی مہمان خانے میں جب آپ کی طبیعت بگڑی تو آپ نے اپنے رفقا کو بلایا اور یہ وصیت فرمائی، فارسی زبان میں کی ہوئی وصیت کا ہم اُردو ترجمہ پیش کرتے ہیں:

قناعت اختیار کرو، خصوصاً کھانے پینے اور لباس کے معاملے میں، رضاے الٰہی پر قانع رہنا چاہیے، ہاں! علم کے معاملے میں قناعت نہیں کرنی چاہیے، عالم سے ہمیشہ تعلق اُستوار رَکھنا

چاہیے، نفس وہوا کا اتباع نہ کیا جائے، آپ نے ذکر کی تاکید فرمائی، مساجد کی تعمیر کی ترغیب دی، اذکار، اَوراد، روزہ، نماز، تسبیح وتہلیل، زکاۃ، علم وحیا اور صبر وشکر کے ساتھ خدا کی رضا اور خوشنودی کا متلاشی رہنا چاہیے۔ اپنے آپ کو، خویش واَقارب کو اَور دوسروں کو ظلم، زنا، جھوٹ، دغا، چغلی، اور غیبت سے پوری طرح بچنا چاہیے۔

آپ کا وظیفہ درود شریف کے بعد ایک ہزار بار بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہوا کرتا تھا۔ وصال سے قبل آپ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ورد فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور کتنا حسین حسنِ اتفاق ہے کہ اَز رُوئے حروفِ ابجد اُنھیں آخری کلمات سے آپ کا سالِ وفات نکلتا ہے یعنی ۷۸۶ھ۔ وصال کے بعد اہلِ کشمیر، اہلِ طایفان اور پکھلی والوں کے درمیان تدفین کے تعلق سے شدید اِختلاف ہوگیا۔ ہر طبقہ اپنے علاقے میں مزارِ اقدس بنانا چاہتا تھا۔ غسل و جنازہ کے بعد آپ کے خواص میں سے حضرت شیخ قوام الدین بدخشی علیہ الرحمہ نے فرمایا جو لوگ حضور کے تابوت کو اُٹھالیں اپنے علاقے میں لے جائیں اور قبر کی آغوش میں سلا دیں اور مزار شریف بنالیں۔ عشق ووارفتگی میں ڈوب کر ہر ایک نے اپنی طاقت صرف کی مگر دلوں کی بے تاب آرزوؤں کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ کر سکے۔ ہوا وہی جو اَللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ تنِ تنہا حضرت شیخ قوام الدین بدخشی نے تابوت کو اُٹھا لیا اور اَپنے احباب کے ساتھ ختلان (تاجکستان) لے گئے۔

تاریخ نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ یہ قافلہ پانچ ماہ اُنیس دن کے بعد ختلان پہنچا، راستے میں بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن رہا، اتنے طویل عرصے میں نعش مبارک پر کوئی اَثر نہیں پڑا، بلکہ اس سے مشک کی خوشبو پھوٹتی رہی، اس روحانیت کے تاج دار کی تدفین بمقام کولاب بعمر ۷۷ ربرس ہوئی، اور اسی مقدس مقام پر آپ کا مزار شریف زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

پیشِ نظر کتاب خاکِ ہند کے علما اور دانش وروں کے مقالات اور مضامین کا مرقع ہے۔ دراَصل مؤلف اور آپ کے رفقا نے سید السادات میر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کی ہمہ گیر علمی، روحانی اور داعیانہ شخصیت پر ایک سیمینار کا انعقاد فرمایا اور پھر اُن مضامین ومقالات کو جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔ اس سلسلے میں علمائے کرام اور عصری علوم کے ماہرین نے اپنی گراں قدر تحریریں پیش فرمائیں۔ ان میں خاص طور پر جنت نشاں وادیِ کشمیر میں آپ کی داعیانہ اور مصلحانہ خدمات کو اُجاگر فرمایا گیا ہے۔ آپ کی بعض تصانیف اور تحقیقات پر تجزیے پیش کیے گئے ہیں۔ مختلف زاویوں سے ہنرمندیوں کو فروغ دینے میں آپ نے جو کلیدی کردار اَدا کیا ہے، مختلف جہتوں سے اُنھیں اجاگر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ بعد میں بھی چند علمائے کرام

اور محققین کے مضامین حاصل کیے گئے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرتب کو اِس دینی اور تاریخی کام کے نیک مقصد میں کامیاب فرمائے ۔ (آمین)

میر اِمتیاز آ فریں وادیِ کشمیر کے ایک پُرنور نقشِ جمیل ہیں ۔ آپ ماشاءاللہ تعالیٰ اسلامی اسکالر، ادیب، کالم نگار، مصنف، شاعر اور معتبر اُستاذ ہیں ۔ آپ نے انگریزی ادب اور اسلامیات میں ماسٹرز کیا ہے ۔ محکمۂ تعلیم میں بحیثیت سینئر لیکچرار خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ آپ کی تحریریں اور منظومات اخبارات اور رَسائل کی زینت بنتی رہتی ہیں ، اب تک آپ کی تین کتابیں شائع ہوچکی ہیں ، ''کتاب الزّکوٰۃ'' ، ''نقشِ وفا'' اور ''رہنمائے حج وعمرہ'' ۔

چند کتابیں اس وقت بھی اشاعت کے مراحل میں ہیں ۔ قریب دس برس پہلے آپ نے فلاحی تنظیم ''رضائے مصطفٰی فاؤنڈیشن'' کی بنا ڈالی جو علوم اسلامیہ کے فروغ میں سرگرمِ عمل ہے ۔ پیشِ نظر کتاب آپ کی محنتوں کا نتیجہ ہے ۔ ہم بطور خاص ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جناب پیر منظور اَحمد دام ظلہ العالی کی بارگاہ میں کہ آپ اِس تنظیم میں چیئرمین کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں ۔

ہم اللہ عز وجل کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں ، مولا تعالیٰ پیش نظر کتاب کو اَپنے خصوصی فضل وکرم سے قبولِ عام عطا فرمائے ۔ سید السادات ، حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانیؒ کے فیضان سے جموں وکشمیر کے مسلمانوں کو منوّر فرمائے اور سب کو حق وصداقت کے راستے پر چلنے کی توفیق اَرزانی عطا فرمائے اور محترم مؤلف کو خوب خوب جزاؤں سے سرفراز فرمائے ۔

(آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم)

●●●

ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی (۱)

امیر علی ہمدانیؒ اور کشمیری انقلاب

(۱۴۴۲ھ)

عالم اِسلام خصوصاً ہندوستان کی ہر ریاست، ہر شہر اَور ہر قصبہ کسی نہ کسی مرد دُرویش، نائب رسول اور داعی حق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کشمیر جنت نظیر کو یہ اِعزازِ نسبت حضرت امیر علی ہمدانی (۷۱۴ھ/ ۱۳۱۴ء- ۷۸۶ھ/ ۱۳۸۷ء) علیہ الرحمہ کی ذات بابرکات سے حاصل ہے۔ کاتب تقدیر نے آپ کو جامع الصفات بنایا تھا۔ داعی و مرشد تو خیر وہ تھے ہی، اس کے ساتھ بلند پایہ عالم و فاضل، مصنف و شاعر، حکیم و دانا اور مدبر و منصوبہ ساز بھی تھے۔ شریعت و طریقت، ذکر و فکر، حکمت و طب، سیاست و امارت، معاشرت و معیشت اور دعوت و اصلاح کے جملہ اوصاف قدرت نے اُن کی شخصیت میں ودیعت کر رکھے تھے۔ خانوادۂ سلطنت و اِمارت سے تعلق کے باوجود فقر و دُرویشی، کمال حضوری کے باوصف شوق سیاحت، علمی جاہ و جلال کے باوجود قلندرانہ زندگی کا انتخاب، شافعی المسلک ہوتے ہوئے حنفیت کی طرف عدول، آپ کی شخصیت کے وہ جواہر گراں مایہ ہیں جو نہ صرف آپ کی ذات بابرکات کے نشان امتیاز ہیں، بلکہ ہر داعی و مصلح کے لیے دعوت نظارہ اور پیغام عمل بھی ہیں۔

مسلم اُمّت کی نئی نسل، جو خیر سے تاریخ کے اُس پڑاؤ پر ہے جہاں اُسے جہاں بینی و جہاں بانی کی سابقہ روایات کے جدید حالات کے مطابق تشکیل نو کرنی ہے، اس کے لیے ہمارے اسلاف کے یہ زرّیں نقوش Challenging حیثیت رکھتے ہیں کہ اُن کے حوالے سے اس کا نقطۂ نظر کیا ہو۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ماضی کے یہ تمام نقوش اصنام دیرینہ ہیں، جن کے

---

(۱) اُستاذ جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

اِنہدام کے بعد ہی تشکیل نو کا مہتم بالشان فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔اسلاف کے حوالے سے اس قدر جارحانہ رَویے کے حاملین کی نیت جو کچھ بھی ہو،لیکن اُن کے اِس طرزِ عمل سے دین وملت کی تشکیل وتجدیدتو نہ ہوگی،البتہ!ایک نئے دین کی تعمیر ضرور ہوگی۔فکر اسلامی کی تشکیل نو اَور تعمیر اُمت کی نئی منصوبہ بندی صرف اورصرف قدیم صالح اورجدید نافع کے اجتماع سے ہی ممکن ہے۔ایسی صورت میں اگر ماضی کے وہ نقوش بھی قابل انہدام ٹھہریں جنھوں نے ہمارے حال کو اِسلام تک پہنچایا،تو پھر اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلم اُمّہ کے پاس قدیم صالح کے نام پر کچھ ہے ہی نہیں۔ایسی متشدد فکراَور جارح نقطۂ نظر یقینی طور پر اپنی مسلسل روایت کی نفی اور تجدید کے نام پر ایک نئی روایت کے قیام کی طرف لے جاتا ہے، جواَپنے آپ میں کچھ بھی ہوسکتا ہے،اُسے اسلامی روایت کا تسلسل نہیں کہا جاسکتا۔

میرعلی ہمدانی رحمہ اللہ اور اُن جیسے داعیان حق ہر خطۂ عالم کے مسلمانوں کے لیے ایک دینی،علمی،فکری،ثقافتی اور تاریخی اثاثہ ہیں۔حکمت اسلامی کے یہ وہ زندہ آبشار ہیں جن سے مختلف اَطراف عالم، اسلامی آب حیات سے سرشار ہوئے۔آج جب کہ ہم ضعف واِضمحلال اور پستی واِدبار کے حالات سے دوچار ہیں،ایسے میں پلٹ کر اُن داعیان حق کے نقوش حیات کی بازیافت کرنا ہمارا علمی واخلاقی فریضہ ہے۔یہ بازیافت ہمیں بتائے گی کہ آخر جس خطے میں ان بزرگوں کی حکمتوں نے شمع اسلام کو روشن وتابندہ کیا، دوبارہ اسی خطے میں کس طرح سے اس چراغ سحری کو رنگ ورُوغن فراہم کیا جائے۔

سید میرعلی ہمدانی رحمہ اللہ کی زندگی ہمیں حال کی اِصلاح کے لیے بہت کچھ کہتی ہے۔اُن کی تعلیمات میں فروغ علم،تزکیۂ باطن،اصلاح اقتصاد اَور تدبیر سیاست ومعیشت کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔اُن کی زندگی ہمیں محبت،سماحت،مروت،عدم تشدد اَور یقین محکم اور سعی پیہم کی دعوت دیتی ہے۔اُن کے فکر وعمل کی بازیافت ہمیں مصالحت، مفاہمت اور حکمت وبصیرت کا درس دیتی ہے۔ضرورت اِس بات کی ہے کہ اُمّت مسلمہ اور خصوصاً کشمیر کی نئی نسل سید میرعلی ہمدانی رحمہ اللہ جیسے داعیان حق کو قریب سے جانے اور مغرب ومشرق کے دانش کدوں میں اپنی پریشاں نظری کی دوا تلاش کرنے والے نوجوان اپنے گھر میں چھپے حکمت ودانش کے ان موتیوں سے فیض یاب ہوں۔

مجھے بے پناہ خوشی ہے کہ ہماری نئی نسل بیدار ہورہی ہے۔حکمت و دانش کے جدید سرچشموں سے بھی خود کو سیراب کررہی ہے اور اس سیاق میں اپنے ماضی کے تابندہ نقوش کو بھی مشعل راہ بنارہی ہے۔اِس سلسلے میں میرا امتیاز آفریں اور اُن کے احباب میری طرف سے بطور خاص

ہدیۂ تبریک و تہنیت کے مستحق ہیں، جو اُنھوں نے آبروئے کشمیر داعیِ حق امیر کبیر حضرت میر علی ہمدانی رحمہ اللہ کی شخصیت و افکار پر سیمینار منعقد کیا اور اَب سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات کو کتابی شکل میں مرتب کر کے بالعموم نوجوانانِ اُمّت اور بالخصوص نوجوانانِ کشمیر کی دینی و علمی اور فکری و اخلاقی تربیت کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔

پیشِ نظر مجموعۂ مقالات ''کشمیر میں اسلامی انقلاب اور حضرت شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ'' میں اہلِ علم و دانش کے دو دَرجن سے زائد مقالات شامل ہیں۔ یہ مقالات حضرت شاہِ ہمدان کی فکر و شخصیت کے جملہ اہم گوشوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ مقالہ نگاروں میں پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی، پروفیسر غلام رسول ملک، پروفیسر قدوس جاوید، پروفیسر حیات عامر حسینی، مولانا خورشید احمد قانونگو اَور ڈاکٹر محمد معروف شاہ جیسے اساطینِ علم و دانش کے نام شامل ہیں۔ ان کے علاوہ شروع میں جناب نذیر نقش بندی اور مفتی عبدالحمید نعیمی کے قلم سے دو سوانحی مضامین بھی شامل ہیں۔ اُن سے پہلے بعض اہلِ علم کے تاثرات ہیں اور سب سے شروع میں میر امتیاز آفریں کے قلم سے ''حرفِ آغاز'' ہے، جس میں اُنھوں نے اِس علمی سفر کے جاں گسل مراحل و مقاصد کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔

الحختصر! اس مجموعۂ مقالات کو حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے فکر و فن پر ایک گراں قدر اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ اِسے ''امیر علی ہمدانی اور کشمیری انقلاب'' (۱۴۴۲ھ) کے تاریخی نام سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ مولیٰ کریم اِس کے مرتبین اور ناشرین کو سعادت دارین سے نوازے اور نسلِ نو کے لیے سامانِ سعادت و ہدایت بنائے۔

(آمین! بجاہ النبی الامین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین)

●●●

اَوراقِ حیات

شاہ ہمدانؒ: بہ یک نظر
(1387-1314)

1314ء:(21/اکتوبر)/12رجب714ھ: پیدائش: ہمدان، ایران
1324ء: سید علاوالدین سمنانیؒ کی تربیت میں حفظ کلام اللہ اور علوم عالیہ عربیہ سے فراغت
1325ء: شیخ تقی الدین علی دوسیؒ کی تربیت میں
1333ء: شیخ مزدقانیؒ کی آغوش تربیت میں
1353ء: ریاضت و مجاہدات اور سیر و سیاحت کی تکمیل
1372ء: فرزند میر محمد ہمدانیؒ کی ولادت
1372-1379ء: ختلان آمد، سکونت، مریدین کی تربیت، بیشتر کتابیں تصنیف فرمائیں
1372ء:(11 ستمبر)/12ربیع الاول774ھ: پہلی بار کشمیر میں تشریف آوری
1380ء: دوسری بار کشمیر میں ورود
1384/1383ء: تیسری اور آخری بار کشمیر میں آمد
1387ء:(19جنوری)/6ذوالحجہ786ھ انتقال
1387ء:(4جولائی)/25جمادی الاول: تدفین: کولاب تاجکستان

نوٹ: شاہ ہمدانؒ کے متعلق عیسوی و ہجری تاریخوں کے سلسلے میں مؤرخین کے درمیان کافی زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں اور یہاں پر مختلف کتب سے اُنھیں صرف اِس لیے اَخذ کر کے مرتب کیا گیا ہے تا کہ قارئین کے ذہنوں میں ایک تاریخی خاکہ اُبھر سکے۔(میر امتیاز آفریں)

●●●

نذیر نقشبندی([1])

شاہِ ہمدانؒ: سوانح حیات

تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے میں صوفیائے کرام نے بڑا اہم اور قابلِ ذکر کردار ادا کیا ہے۔ اِسلام کی روح توحید ہے اور ان فرزندانِ توحید نے ہر جگہ پیغامِ توحید و رِسالت کا حق ایسی ایسی سرفروشیوں اور جاں نثاریوں سے ادا کیا ہے کہ جن سے ہماری اِسلامی تاریخ کے باب روشن اور درخشاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علم و عمل اور زُہد و عشق کے صالح پیکر تھے۔ یہ ظاہری و باطنی اَسرار و رُموز کے مردِ میدان تھے۔ اِستغنا اور توکّل ایسا کہ شاہی آسائشیں اور دُنیوی نعمتیں اُن کی ٹھوکروں کی زد میں تھیں اور زمانے کی رفعتیں اُن کی نگاہوں میں ہیچ تھیں۔ تزکیۂ نفس اور مجاہدۂ باطن کے اِن غازیوں نے اپنے اندر کے جہان کو فتح کر کے باہر کی دنیا کو بھی مسخّر کرلیا تھا۔ وہ اپنے عقیدت مندوں اور روشن ضمیروں کے دِلوں میں یُوں آباد تھے (اور آباد ہیں) کہ بادشاہانِ عالم اِن سے خوف کھاتے تھے لیکن یہ خود خدا سے خوف کھاتے تھے اور اِسی میں اِن کی عظمت و بزرگی اور بُلندی کا راز تھا۔ یہ حکمرانوں سے بے نیاز رہے اور حکمران اِن کے نیاز مند رہے۔ اِنھوں نے رُشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے درس و تدریس کے سِلسلے کو پروان چڑھایا، آگے بڑھایا اور اپنی زِندگیاں اِس عظیم مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاہوں کی تعمیر کردہ سر بفلک عمارتیں آج مِٹ چکی ہیں مگر اِن اَولیائے کرام اور صوفیائے عِظام کی یادوں کے چراغ آج بھی روشن ہیں۔ یہ وہ باوقار ہستیاں ہیں جنھوں نے دونوں جہانوں کی دولت سمیٹ کر اپنی جھولیوں میں بھر لی ہے، وہ اس عالم میں بھی محبوب و معروف ہیں اور اگلے جہان کی جاوِداں مسرّتیں بھی اُن کا مقدّر رہیں۔

([1]) تلخیص و حواشی: میر امتیاز آفریںؔ

ہندوستان میں اِسلام کے ابتدائی دور پر نظر ڈالی جائے تو صاف پتا چلتا ہے کہ یہی نُفوسِ قُدسیہ رُشد و ہدایت اور تبلیغ و اِشاعت کی غرض سے کُفرستانِ ہند میں تشریف لائے اور مُلک کے گوشے گوشے میں اپنے خُلفا کو پھیلا کر شجرِ اِسلام کی آبیاری کی۔ حضرت سیّد اَبُوالحَسن علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ غزنی سے تشریف لائے اور لاہور کو اَپنا مُستَقَر بنایا۔ آپ کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز مُعینُ الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور اَجمیر کی سنگلاخ زمین کو اَپنا مُستَقَر بنا کر تمام ہندوستان میں اپنے خُلفا کو پھیلا دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رَحمۃ اللہ علیہ کے بعد ''اَورادِ فتحیہ'' کے مُرتّب علی ثانی خواجہ سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ وارِدِ ہند ہوئے اور کشمیر کی برف پوش، گُل پوش، چناروں اور رَواں پانیوں کی جنّت نِشان وادی میں سری نگر کو اَپنا مُستَقَر بنا کر اَپنے سات سو (۷۰۰) رُفقا و خُلفا کے ذریعے کشمیر، لدّاخ، بلتستان (تبّت خُورد) سکردُو، گِلگت، صوبہ سرحد، افغانستان اور اَفغانستان سے پَرے اُزبکستان اور تاجکستان کے دُور دَراز علاقوں تک توحیدِ اِسلام کی لطیف خُوشبو پھیلا دی۔ اُن کی یہ دعوتِ حق اِس لحاظ سے نِہایت اِمتیازی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ یہاں تنہا تشریف نہیں لائے بلکہ اپنے ہمراہ دَاعیانِ حق کی ایک بہت بڑی تعداد ساتھ لے کر آئے جنھوں نے اُن کی قیادت میں زِندگی کے ایک ایک شعبے میں مُکمل اِسلامی اِنقلاب کے لیے کام کیا اور فیض کے چشمے جاری کیے۔

ہمہ جہت شخصیت: حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ جہت شخصیّت کے مالک تھے، وہ بیک وقت سلسلۂ مُعظّمہ نقشبندیہ و سلسلۂ مُکرّمہ قادریہ (۱) کے جلیل القدر سالِکِ طریقت، بالِغ نظر قائد، بے مثال سوشل ریفارمر، مُؤثّر مُبلّغِ اِسلام، مُقتدر مُفکّرِ اِسلام، مُستند مُفسِّر و مُحدِّث، نُکتہ سنج قانون دان و فقیہ، مُخلِص مُشیر سلاطین و اُمرا، ماہرِ معاشیات، ماہرِ عمرانیات، صاحبِ نظر مُصنِّف و ادیب اور جذبات و اِحساسات کو نغمہ و مستی کے سانچے میں ڈھالنے والے مُنفرد شاعر تھے۔

خاندان: حضرت میر سیّد علی ہمدانی علیہ الرحمہ کے والدِ مُکرّم کا اسمِ گرامی سیّد شہاب الدّین ہے۔ یہ خانوادہ تقریباً دوسو (۲۰۰) سال سے ہمدان میں مُقیم اور اِس خطۂ بے نظیر کا حکمران تھا۔ سلاطین سلجوقی اِس خاندان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ حضرت سیّد شہاب الدّین رحمۃ اللہ علیہ اُمورِ سلطنت میں مَصرُوف ہونے کے باوجود خاصانِ بارگاہِ الٰہی میں سے تھے۔

وِلادت با سعادت اور سِلسلۂ نسب: اِسی عظیم تاریخی شہر میں بروزِ پیر بوقت فجر ۱۲/ رجبُ المُرجب ۷۱۴ ہجری اور ۲۱/اَکتوبر ۱۳۱۴ عیسوی کو عالَم اِسلام کے عظیم مُحسن سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی وِلادتِ باسعادت ہوئی۔ والد مکرم سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسبِ پاک اَٹھارہویں (۱۸ویں) پُشت میں شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے

جا مِلتا ہے جو نواسہ وجگر گوشۂ رَسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں اور والدہ مُکرّمہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سِلسلۂ نسبِ پاک حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ کی سترہویں (۱۷ویں) پُشت میں جا مِلتا ہے۔ اِس لحاظ سے آپ حُسینی بھی ہیں اور حَسنی بھی۔

تعلیم وتربیت: اِبتدا میں سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماموں حضرت سیّد علاؤ الدّین رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ سایہ تربیت پائی۔ سب سے پہلے آپ نے قُرآنِ مجید فُرقانِ حمید آدابِ تجوید وقِراٗت کے ساتھ حِفظ فرمایا۔ اِس کے بعد حدیث، فِقہ اور دیگر عُلومِ اِسلامی میں دَسترس حاصِل کی۔ پھر تزکیۂ نفس کے لیے حضرت تقی الدّین دوسی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب دوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اُنھیں رُوحانی کمال کی اعلیٰ منازِل طے کرائیں۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شرفُ الدّین محمُود مزدقانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا اور اُن کے ساتھ عُلومِ ظاہری وباطِنی کی پاکیزہ مجلس میں چھ سال گُزارے۔

سیر وسیاحت: پھر مُرشد کی طرف سے سیر وسیاحت کا حُکم مِلا کیوں کہ سیر وسیاحت بھی تو تکمیلِ تربیت کا ایک اہم حِصّہ ٹھہرا۔ چناں چہ مُرشِد کی ہدایت پر مزید عُلومِ ظاہری وباطِنی کی تکمیل کے لیے تمام بلادِ اِسلامیہ میں سفر کی کٹھن منزلیں طے کر کے عُلمائے کِرام اور صُوفیائے عِظام سے فُیُوض وبرکات حاصل کیے۔ سیر وسیاحت کا مَفہوم وہ نہیں ہے جِسے آج کل کے تن آساں اِنسان دُنیوی گُھومنا پھرنا سمجھتے ہیں۔ چشمِ تصوّر سے دیکھیں کہ موجُودہ سائنسی دور کی سہولتوں کے بغیر ماضی میں سفر کرنا کِتنا مُشکل کام تھا۔ نہ سڑکیں، نہ پُل، جنگلی جانوروں اور رَاہزنوں کے ہاتھوں راستے پُرخطر، سواری کے لیے خچّر، گھوڑے اور اُونٹ، دریائی سفر کے لیے غیر محفوظ کشتیاں اور غُربت ساتھ ہو تو تمام سفر پیدل، سَرما اور گرما کی موسمی تکالیف الگ اور طبّی سہولتیں نہ ہونے کے برابر۔ ریگستانوں، کوہساروں اور جنگلوں کے بیچوں بیچ ایسے سفر بھلا کسی آزمائش سے کم ہوں گے۔

گُلاب ہر چمن میں کِھلتا ہے اور ہر صُبح کِھلتا ہے لیکن ہر شخص اِس ورقِ معرفتِ کِردگار کو کہاں پڑھتا ہے۔ آفتاب ہر روز سرِ شام دامنِ مغرب میں ڈُبکی لگا کر غائب ہو جاتا ہے لیکن حضرت اِبراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح اِنِّیْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کا نعرۂ توحید کون لگاتا ہے؟ بالکل اِسی طرح سفر وسیاحت سے ہر شخص یکساں اِستفادہ نہیں کر سکتا۔ تجارت کی غرض سے سفر وسیاحت کرنے والے کو مال وزَر مِلتا ہے اور جہانِ شریعت وطریقت کے متوالوں کو اِنھی راستوں پر اَسرارِ اِلٰہی کے مخفی لعل وگُہر کے خزانے مِلتے ہیں۔

سیر وسیاحت دراَصل رضا کی وادی کا سفر ہے اور رَضا کی وادی میں چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا بھی چُبھے تو گُلاب کی پتیوں پر چلنے کا اِحساس ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سیاحت کے دوران

آپ نے چودہ سو (۱۴۰۰) اولیاء اللہ سے اِستفادۂ مَعنوی و رُوحانی کیا۔ اِس دوران ایسا بھی ہُوا کہ ایک ہی مجلس میں آپ نے کئی کئی اولیاء اللہ سے مُلاقات کا شرف حاصِل کیا۔ راہِ حق میں رضا کی وادی کا یہ سفر تقریباً اِکیس (۲۱) سال جاری رہا۔ جس میں ایشیائے کوچک، مشرقِ وُسطیٰ، روم (موجُودہ تُرکی) افغانستان، ہندوستان اور سِری لنکا شامِل ہیں۔ جب آپ مُلک روم پہنچے تو وہاں کے معاشرے سے کٹ کر کِسی مسجِد میں گوشہ نشین نہیں ہُوئے، بلکہ ایک بالِغ نظر قائد اَور سوشَل ریفارمر کی حیثیت سے حالات کا بغور جائزہ لے کر آپ نے اُس لڑائی کو دور کروایا جو وہاں پر عیسائیوں اور مُسلمانوں میں ہو رہی تھی۔ عیسائیوں پر آپ کی سیرت و کردار کا ایسا اچھا اَثر ہُوا کہ اُن کی ایک بہت بڑی تعداد نے اِسلام قبُول کر لیا۔ سیر و سیاحت کا یہ سفر ۷۳۳ھ سے ۷۵۳ھ تک جاری رہا۔ ۷۵۳ھ میں وطن ہمدان لوٹے۔

وطن واپسی: اہلِ وطن کے اِصرار پر شادی کی اور طالِبان و عارِفان کی تعلیم و تربیت میں ہمہ تَن مصروف ہو گئے۔ یُوں اُن کی راتیں اللہ تعالیٰ کے حُضُور بندگی میں گزر جاتیں اور دِن اللہ کریم کے بندوں کی خِدمت اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف تھے۔

ختلان میں آمد (موجُودہ تاجکستان): نہ جانے کیا بات ہے کہ ہَوس پرست اور جاہ طلب اُمرا کے دِلوں میں خلوت نشین اور بوریہ نشین ہمیشہ کانٹا بن کر چُبھتے رہے ہیں۔ اَمیر تیمُور بھی اکثر آپ کے دَر پے آزار رہتا تھا۔ اِس کی کئی ایک وُجُوہ بیان کی گئی ہیں:

● اَوّل تو یہ کہ آپ کے والدِ ماجِد چُوں کہ ہمدان کے حُکمران تھے۔ اور اَز خود دُنیوی سلطنت سے دَستبَردار ہو کر مَعنوی سلطنت کی طرف مُتوجّہ ہو گئے تھے اِس لیے حضرت سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بادشاہ کے دِل میں ناحق کانٹا چُبھتا رہتا تھا کہ کہیں وہ خویش واَقارِب اور مُعتقدین کی کثیر جماعت کے ساتھ اپنی موروُثی سلطنت کا دعویٰ نہ کر دیں۔

● دوم وہ چاہتا تھا کہ ایران میں وہ اُس کا ساتھ دیں لیکن اہلِ سادات اُس کی غیر اسلامی حرکتوں کی وجہ سے اُس کی حکمتِ عملیوں کی حِمایت پر آمادہ نہ تھے۔ اِن حالات میں آپ نے ہمدان سے نِکل کر ختلان (موجُودہ تاجکستان) کا رُخ کیا۔ وہاں خانقاہ کے لیے زمین خریدی اور رُشد و ہِدایت اور درس و تدریس کا سِلسِلہ شروع کر دِیا۔ یہاں پر دیگر اَکابر و اَشراف کے علاوہ امیر تیمور کے وزیر آرام شاہ کا بیٹا خواجہ اِسحٰق بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شامِل ہو گیا۔ مُفسِدین اور خُوشامد پسند درباریوں نے امیر تیمور کو بہکایا کہ ایسی مقبولیت سلطنت کے حُصُول کا پیش خیمہ ہے۔

بُخارا میں طلبی اور مُکالمات: چناں چہ ناعاقبت اندیش مُشیروں کے کہنے پر اَمیر تیمور نے آپ کو بُخارا کے دربار میں طلب کیا اور کہا کہ ''کیا یہ سچ ہے کہ تُم حُصُولِ اِقتدار کی خاطِر اُمرائے دَربار

سے ساز باز کرتے ہواَور لوگوں کو وَرغلانے کی خاطر میری باتوں کا بتنگڑ بناتے ہو۔ میں تُم سب کو ملیامیٹ کردُوں گا۔'' اِس مردِحق نے بادشاہ کو برملاٹوک دِیااور فرمایا:

''ایک ہَوس پَرست اور جَاہ وحشم طلَب سَفّاک سےتَوقّع بھی یہی ہے مگر تُمہارا اَندیشہ غلط ہے۔ ایک دفعہ خلوت نشینی کے دوران عُروج حاصِل ہُوا تو مُجھے تمام دنیا پیش کی گئی لیکن میں نے اُسے قبُول نہیں کِیا۔ ایک رات دورانِ سفر میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک لنگڑا ریچھ ایک حرام مُردہ کو کھینچ کرلے جارہا ہے۔ میرے لیے یہ بادشاہت مُردہ ہے۔ (تیمور ایک پاؤں سے لنگڑا تھا) اور یہ سچ ہے کہ یہ دُنیا مُردار ہے اور میں اِس کا طلبگار نہیں۔ ہم اپنا مُنھ آخرت کی طرف موڑ چُکے ہیں اور دُنیا کے طالِب نہیں۔''

امیر تیمور اِنتہائی طیش کے عالم میں بولا: آپ اپنے خاندان کے سب اَفراد کو لے کر میری قلمرو سے جلد نِکل جائیں۔ (۲) اب اِس تمام عرصے میں شب وروز کے مُجاہدوں سے آپ ایک جامع شخصیت بن گئے اور تحصیلِ علم، تربیتِ رُوحانی اور سیرِ عالم نے آپ کی سیرت میں علم وبصیرت، اِستقامت وعزیمت، صبر وشکر اور فقر وغِنٰی کا ایک حَسین اِمتزاج پیدا کردِیا اور آپ کی شخصیت ہر پہلو سے جامع صِفات بن گئی، تو معلوم ہُوا کہ اَللہ تعالیٰ نے اِس بابرکت ہَستی کو جِس عظیم مشن کے لیے تیار کیا تھا اَب اُس کے لیے روانگی کا وقت آپہُنچا۔

امیر تیمور کا حکم سُن کر حضرت سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اُسی وقت ایک مسجد میں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''یہ خُدا کا گھر ہے۔ میں بادشاہ کے مُلک سے باہر آ گیا ہُوں۔'' اِس کے ساتھ ہی آپ نے سامانِ سفر درست کرنے کا حکم دِیا اور رُفقا، عُلما اور اہلِ سادات سے سات سو (۷۰۰) ہمراہی لے کر ظہر کے وقت ۱۳۷۳ء میں اُنھوں نے کشمیر کا رُخ کِیا۔ (۳)

کشمیر میں آمد: تاریخِ فرشتہ میں لِکھا ہے کہ جب حضرت سری نگر کے قریب پُہنچے تو سُلطان شہابُ الدّین والیٔ کشمیر نے آپ کا اِستقبال کِیا اور بڑے اِعزاز واکرام کے ساتھ آپ کو شہر میں لایا۔ آپ نے محلہ علاؤالدّین پُورہ میں رختِ سفر کھول کر قیام فرمایا۔ اُس وقت سُلطان شہابُ الدّین، والیٔ دہلی فیروز تُغلق کے ساتھ جنگ میں اُلجھنے کا اِرادہ کیے ہوئے تھا۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اِن دو مُسلمان بادشاہوں میں مُصالحت کروادی اور یوں اِس جنگ کی آگ سَرد پڑ گئی۔ مخلُوقِ خُدا کثیر تعداد میں مُشرّف بہ اِسلام اور مُنوّر بہ نُورِ ایمان ہوئی۔

ایک مؤرخ کے مُطابق: صِرف وادیٔ کشمیر میں آپ کے دستِ حق پرست پر سینتیس ہزار (۳۷۰۰۰) ہندو مُشرّف بہ اِسلام ہوئے۔ چناں چہ آپ کے ساتھ امیر تیمُور کا تشدّد مُوجِبِ بیداریٔ بختِ جہان بن گیا۔ خُصُوصاً کشمیر، لدّاخ، بلتِستان، سکردُو اور گلگت اِس وجہ سے آپ

کے رہینِ منّت ہیں۔ جنابِ اَکمل الدّین مُحمّد کامِل بدخشی کا یہ شعر اِسی حقیقت کا آئینہ دار ہے:

گر نہ تیمور شور و شر کردے
کَے امیر ایں طرف سفر کردے

خانقاہِ مُعلّی: جس جگہ سِری نگر میں دریائے جہلم کے کنارے آپ پانچ نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور رُشد و ہدایت اور درس و تدریس کا اہتمام کرتے تھے اُس جگہ خانقاہ تعمیر ہوئی جو خانقاہِ مُعلّی اور خانقاہِ شاہِ ہَمدان کے نام سے مَنسُوب ہُوئی۔ یہ خانقاہ جو چوبی فنِ تعمیر کا نادِر نمونہ ہے آج تک مَوجُود ہے۔ اِس تاریخی جگہ کا ذکر اَبُوالفضل نے ''آئینِ اکبری'' میں اور مُغل شہنشاہ جہاں گیر نے ''تُزکِ جہانگیری'' میں کیا ہے۔

خانقاہ کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت میر مُحمّد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۹۸ھ میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی جو اَب تک پوری آن بان کے ساتھ موجود ہے۔(۴)

کشمیر میں قیام اور کام: آپ کشمیر میں تین (۳) بار تشریف لائے۔ پہلی مرتبہ ۷۷۴ھ بمطابق ۱۳۷۳ء میں یہاں تشریف لائے اور اَپنے رُفقا و خُلفا کو جا بجا مُتعیّن فرما کر ۱۳۷۶ء میں حج کی غرض سے تشریف لے گئے۔ ۷۸۱ھ (بمطابق ۱۳۷۹ء) میں دوبارہ وارِدِ کشمیر ہوئے اور ۷۸۵ھ (بمطابق ۱۳۸۷ء) میں آپ کشمیر میں تیسری بار تشریف لائے۔(۵) اِس تمام عرصے میں تبلیغِ اِسلام اور اِشاعتِ دِین کے ساتھ ساتھ آپ نے کشمیر کی تہذیب، تَمدُّن، ثقافت اور طرزِ مُعاشرت میں بھی ایک عَظیم انقلاب برپا کیا۔ کسب کُلاہ دوزی جو آپ نے حُضُورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اِختیار کیا تھا، آج اہلِ کشمیر کی خاص صنعت ہے۔ آپ نے اپنے بہت سے ہَمراہیوں کو جن میں عُلما، اہلِ فن، ماہرِ طِب و حکمت اور ماہر زراعت شامل تھے، مستقل طور پر کشمیر میں رہنے دِیا تھا۔ جن سے اہلِ کشمیر نے بہت کُچھ حاصِل کِیا۔ یہ سب اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ اَب کشمیری عوام کا ذریعۂ روزگار شال بافی، پشمینہ بافی، سُوتی و ریشمی سوزن کاری، نَقّاشی، خَطّاطی، چوبی کاری، قالین سازی، نَمدہ سازی، گبّہ سازی، ظُروف سازی، گُل کاری، پیپر ماشی اور عمارتی تزئین و آرائش تھا۔

میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رُفقا کے ذریعے اِن دُور دراز اور دُشوار گُزار عِلاقوں میں درس گاہیں، شفاخانے اور گھر گھر ہُنر مندی کے مراکز قائم کرکے تبلیغِ اِسلام کے ساتھ کشمیری عوام کو عِلم و فن کی دولت سے مالا مال کر دِیا اور صنعت و حِرفت میں کمال عُروج کی وجہ سے اِس سارے خِطّے کو ''اِیرانِ صغیر'' کہا جانے لگا۔

''علی ثانی'' کیوں کہلائے؟ چُوں کہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اوصافِ جمیلہ،

اَخلاقِ حمیدہ، اَطوارِ جلیلہ، شُجاعت وسَخاوت، ترکِ دُنیا، اَعلائے کلمۃ الحق، اِتبّاع شریعت اورخرقِ عادات وکرامات میں امیر المومنین شاہِ ولایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مُشابہت ومُماثلت رکھتے تھے، اِس لیےعلی ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے اور وادیٔ کشمیر میں اَپنی غیر معمولی اورگراں قدر دِینی ومِلّی اورسماجی ورِفاہی خِدمات کی وجہ سے ''حوارِیٔ کشمیر'' کہلائے۔

حُسنِ باطِنی وحُسنِ ظاہری: اللہ تعالیٰ نے آپ کوحُسنِ باطِنی کے علاوہ حُسنِ ظاہری سے بھی خُوب نوازا تھا۔ آپ نہایت خوب صورت اور وجیہ تھے۔ نہایت پُرکشش اور جاذبِ نظر شخصیّت کے مالِک تھے۔ آپ کی نِگاہوں میں ایسی حَسین تاثیر تھی کہ جِس پرنظرِ التِفات پڑی، شیداوفریفتہ ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ سفر میں آپ کے ساتھ عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد جمِ غفیر کی صُورت میں رہتی تھی۔

آخری سفر: اشاعتِ دِین اورتبلیغِ اِسلام کی غرض سے آپ براہِ لدّاخ تُرکستان جارہے تھے کہ راستے میں پاکستان اوراَفغانستان کے سرحدی علاقے ''کُنہار'' میں بمقام ''پکھلی'' پہنچے، تو یہاں کے حاکم سُلطان مُحمّد خان نے آپ کا اِستقبال کِیااوراُس کے اصرار پرآپ نے چند رُوز کے لیے یہاں قیام کرنامنظور کرلیا۔یہیں پرآپ شدید بیمار ہوگئے۔

آخری وصیّت نامہ: اِسی بیماری کے دوران رات کومُخلصین اورمُریدین کونصیحت فرمائی:

''قناعت اختیارکرو۔خصوصاً کھانے پینے اورلباس کے معاملے میں رضائے اِلٰہی پرقانع رہناچاہیے۔البتہ! علم کے معاملے میں قناعت نہیں کرنی چاہیے۔عالم سے ہمیشہ تعلق اُستوار رَکھنا چاہیے۔نفس وہَوا کا اِتبّاع نہ کِیا جائے۔آپ نے ذِکر کی تاکید فرمائی۔مساجد کی تعمیر کی ترغیب دی۔ اَذکار، اوراد، روزہ، نماز، تسبیح وتہلیل، زکاۃ، علم وحیا اورصبر وشُکر کے ساتھ خدا کی رضا اور خوشنودی کامُتلاشی رہناچاہیے۔ اپنے آپ کو، خویش واقارب کواَور دوسروں کوظلم، زِنا، جھوٹ، دَغا، چُغلی اورغیبت سے پوری طرح بچناچاہیے۔

آخری الفاظ: آپ کا وظیفہ بعد دُرُود شریف ایک ہَزار مرتبہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تھا۔ چناں چہ بدھ ٦/ذی الحجہ ٧٨٦ھ بمطابق ١٩/جنوری ١٣٨٧ء(٦) کووفات سے قبل یہ آپ کی زبانِ مُبارک سے جاری ہوگیا۔ آپ نے یا اَللّٰہُ، یَا رَفِیْقُ، یَا حَبِیْبُ اوربِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا وِرد کیااوراپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کردی اور کِتنا حَسین حُسنِ اِتفاق ہے کہ اَز رُوئے حُرُوف ابجد اِنہی آخری کلمات سے آپ کا سالِ وفات نکلتا ہےیعنی ٧٨٦ھ۔

آخری آرام گاہ: آپ کے مُریدین اورعقیدت مند آپ کے جسدِ مُبارک کوشیخ قوام الدّین بدخشی کی رہنمائی میں مقام پکھلی سے موجودہ تاجکستان کے صُوبہ ختلان میں لے آئے۔تمام راستے

بادل کا ایک ٹکڑا قافلے پر سایہ فگن رہا۔ یہ قافلہ پانچ ماہ اور اُنیس دِن کے بعد کولاب پہنچا۔ اِتنے طویل عرصے میں نعش مُبارک غیر مُتغیّر تھی، اور اِس سے مُشک کی خوشبو آتی تھی۔ یُوں اِس علم وفضل کے رُوحانی آفتاب کی تدفین بمقام ''کولاب''، بعُمر ۷۷ رسال عمل میں آئی۔

اولادِ اَمجاد(۷): حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک بیٹی اور ایک بیٹے کا تذکرہ ملتا ہے۔ بیٹی، حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز مرید اور خلیفہ خواجہ اِسحٰق ختلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیاہی گئی تھی۔ آپ کے بیٹے کا نام میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہے جو ۷۷۴ ہجری/ ۱۳۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے پہلے دو تحریریں بشمول وصیّت نامہ بطور خاص آپ کے لیے لکھی تھیں۔ آپ نے خواجہ اِسحٰق ختلانی اور نورالدین جعفر بدخشی کی رہنمائی میں منازِل سلوک طے کیں اور ۱۶ ربرس کی عمر میں اجازتِ ارشاد حاصل کی اور رُشدوتربیت کی مسند پر جاگزیں ہوئے۔ آپ ۷۹۶ ہجری/ ۱۳۹۳ء میں سلطان سکندر شاہ میری کے عہد میں تین ہزار ہمراہیوں سمیت کشمیر تشریف لائے اور یہاں ۲۲ ربرس (شمس الدین احمد کے مطابق ۱۲ رسال) قیام کیا اور کشمیر کے رہنے والوں کے لیے حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دوسرے بڑے محسن ثابت ہوئے۔ آپ کا نکاح محترمہ بی بی بارعہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ ہوا (مدفن کرالہ پورہ) جو سلطان کے ایک مشیر اور وزیر سہہ بٹ کی بیٹی تھیں۔

آپ اپنے والد ماجد کے قابل جانشین ثابت ہوئے اور اَپنے رفقائے کار کی معیت میں آپ نے کئی اہم مساجد اور خانقاہوں کی تعمیر کروائی جن میں خانقاہ معلّٰی سری نگر کی تعمیر ۷۹۹ ہجری میں مکمل ہوئی۔ اس خانقاہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے آپ نے ایک لعل بدخشان کے عوض سلطان سکندر سے تین دیہات حاصل کیے، ترال اور سوپور کی خانقاہوں کو تعمیر کروایا۔ جامع مسجد سری نگر بھی آپ کی مساعی اور سلطان سکندر کی وساطت سے ۸۰۱ ہجری میں مکمل ہوئی۔ موجودہ عیدگاہ بھی اس کے مالکوں سے حضرت نے ہی خریدی اور پوری زمین مسلمانوں کے لیے وقف کر دی۔ کشمیر میں بدعات وخرافات کو دور کرنے اور تبلیغ دین کے لیے آپ نے خصوصی توجہ دی۔ مقامی مورخین کے مطابق: میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے کشمیر کے عظیم ولی اور رِیشی شیخ نورالدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ (مدفون چرار شریف) کو خط ارشاد عطا فرمایا تھا اور دونوں بزرگوں کی آپس میں اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کشمیر سے بیت اللہ کی زیارت کرنے روانہ ہوئے اور اَپنے وطن لوٹ گئے۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا اَور اَپنے عظیم والد ماجد کے پہلو میں ''کولاب'' تاجکستان میں ہی مدفون ہوئے۔

اَسمائے گرامی مَشائخ عظام: جن مَشائخ عظام سے آپ کو اِجازتِ اِرشاد وتلقین حاصل

تھی اُن کے اَسماے گرامی یہ ہیں:

حضرتِ شیخ محمود مزدقانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ تقی الدّین علی دوسی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ حافظ محسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ حُسین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ جبریل کردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ خالد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابوبکر طُوسی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ نظامُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مُشرّفُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ اَثیرُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ نجمُ الدّین ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عمادالدّین تکاہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مُحمّد ازکانی اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مُحمّد مُرشدی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبدُ اللہ مِصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ علی مِصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عوض عُلاف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ مُرادگردیزی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عُمر مرکانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عمر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ اُبوحرمہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ بہاؤالدّین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عِزّ الدین ختائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ بُرہانُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شرفُ الدّین سبزی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ساغرجی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ زینُ العابدین مُحمّد مغربی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ اُبوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبدُ الرّحمان مجذوب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ محمد محمود مجذوب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ حُسین بن مُسلم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ اُبوالفرح طرطُوسی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ سعید حبشی رحمۃ اللہ علیہ۔

خُلفائے کبار: حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے خُلفائے کبار کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اُن میں سے صِرف چند کے اَسماے گرامی درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ میر سیّد حُسین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ: یہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی تھے۔

۲۔ سیّد تاجُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ: یہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی اور حضرت سیّد حُسین سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے۔

۳۔ سیّد جمالُ الدّین مُحدِّث رحمۃ اللہ علیہ: یہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے خالُو تھے۔

۴۔ سیّد کمالُ الدّین ثانی رحمۃ اللہ علیہ: یہ بھی حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے خالُو تھے۔

۵۔ خواجہ اِسحٰق ختلانی رحمۃ اللہ علیہ: یہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی اِکلوتی بیٹی کے شوہر اور خلیفۂ مجاز تھے۔

اِنہی حضرت خواجہ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ طریقت کو نیچے کی طرف دیکھیں تو حضرت شیخ اَحمد سرہندی مُجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ مُحمّد مَعصُوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبد الرّحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ولی اللہ مُحدِّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سائیں توکّل شاہ اَنبالوی رحمۃ اللہ علیہ اِسی لڑی میں پروئے گوہر آبدار ہیں۔

۶۔ سیّد کمالُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ سیّد مُحمّد قادری رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ سیّد جلالُ الدّین عطائی رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ سیّد فیروز اَلمشہور سیّد جلال رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ سیّد فخرُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۔ سیّد بہاؤالدّین رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۔ سیّد مُحمّد کبیر بیہقی رحمہ اللہ علیہ

۱۳۔ شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۔ حاجی حافِظ مُحمّد رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ شیخ قوام الدّین بدخشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۔ سیّد مُحمّد کاظم رحمۃ اللہ علیہ: (یہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے کُتب خانے کے نگران تھے۔)

۱۷۔ شیخ مُحمّد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ میر سیّد اَشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۔ حضرت نورُ الدّین جعفر بدخشی رحمۃ اللہ علیہ

''خُلاصۃُ المناقِب'' آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ جس میں آپ نے اَپنے پیرومُرشد حضرت میر سیّد علی ہمدانی علیہ الرحمہ کے حالاتِ زِندگی اور اُن کی تعلیمات وارشادات کو مُفصّل قلم بند کیا ہے۔

۲۰۔ مخدوم عبد الرشید حقانی رحمۃ اللہ علیہ

تصانیف گراں مایہ: آپ نے مُتعدّد کتابیں لکھیں۔ ''تحائف الابرار'' میں اِن کی تعداد ایک سوستّر (۱۷۰) بیان کی گئی ہے۔ کئی کُتب مُغلیہ دور میں شامِل درس رَہیں۔ تقریباً ستّر (۷۰) کُتب موجُود ہیں، بقیہ نایاب ہیں۔ بہت سی کُتب کے قلمی نُسخے برٹش میوزیم لَندن، انڈیا آفس لائبریری، وی آنا، برلن، پیرس، تہران، تاشقند، تاجکستان، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، بہاول پور، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، مَیسور اور بانکی پورہ (بھارت) میں موجود ہیں۔

چند ایک تصانیف یُوں ہیں، مثلاً:

۱۔ ذخیرۃُ المُلوک: حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے حُکمران طبقہ کی اِصلاح کے لیے صِرف دعوت وتبلیغ اور وعظ و اِرشاد پر ہی اِکتفا نہیں کِیا بلکہ اُن کی مُستقل رہنمائی کے لیے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اُمُورِ جہاں بانی سے متعلّق ایک گراں قدر کتاب ''ذخیرۃُ المُلوک'' تحریر کی۔ اُن کی اِس گراں قدر کاوِش سے اَندازہ ہوتا ہے کہ آپ اِسلامی مُعاشرے کے قیام کے لیے حکومت کی اِصلاح کو کِس قدر ضروری خیال کرتے تھے۔ ''ذخیرۃُ المُلوک'' میں اِسلامی تعلیمات کی روشنی میں حکُومت کے آداب، اِنتظامیہ کی ذِمّہ داریاں، مُقنّنہ کی حُدُود اَور عدلیہ کے فرائض پر اِس جامعیت سے روشنی ڈالی ہے کہ آپ کے بیان کردَہ نظامِ حکُومت کے رہنُما اُصُول آج کے جدید دور کے تقاضوں سے بھی اُسی طرح ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں جِس طرح کتاب کی تصنِیف کے وقت تھے۔ یہ اُصُول، اللہ کریم کی آخری کتاب قُرآن کریم اور اَللہ کریم کے آخری رسُول حضرت مُحمّد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ماخُوذ ہیں۔ اِس کا مطالعہ کرتے ہُوئے بخوبی اَندازہ ہوتا ہے کہ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک فلاحی اِسلامی مُعاشرہ اور ایک آئیڈیل اِسلامک سوسائٹی (Ideal Islamic Society) کا مُکمّل نقشہ تھا اور آپ ریاست کو ایک مُکمّل اِسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کرنے کے خواہش مند تھے۔

اِس شہرہ آفاق فارسی تصنیف کے تراجم لاطینی، فرانسیسی، تُرکی اور اُردو زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ یہ دس ابواب پر مُشتمِل ہے۔ یُوں تو ساری کتاب مُعارف وحقائق کا خزینہ ہے مگر بابِ ششم اِنتہائی بصیرت اَفروز ہے۔ مُلّا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر احمدی کے باب اَمر بِالمعروف میں اِس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔ مُلّا حسین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب ''اَخلاقِ مُحسنی'' میں اِس کا ایک حصّہ تبرّ کاً شامل کِیا ہے۔ علّامہ کفوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اَپنی کتاب ''اعلامُ الاخیار'' میں اِس کی توصِیف لِکھی ہے۔ علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اِس کتاب کے بارے میں مُنشی مُحمّد دین فوق کو ایک خط میں لِکھتے ہیں: ''ذخیرۃُ المُلوک کے دیکھنے کا میں بھی مُشتاق ہوں، کوئی شخص کشمیر میں اِس کا ترجمہ اُردو زبان میں کر رہا ہے۔''

۲۔ مَشارِبُ الاَذْ وَاق: یہ شیخ اِبن الفارض مصری مُتَوَفّی: ۶۳۲ھ کے مشہور قصیدہ خُمریّہ مِیمیہ کی عارِفانہ شرح ہے۔

۳۔ رِسالہ وُجودیہ: اِس میں وُجُود کے موضوع پر عارِفانہ بحث کی گئی ہے۔

۴۔ رِسالہ مُنامیہ: اِس میں حقیقت مِثال، خیالِ مُطلق، کیفیتِ مراتب، مَقاماتِ رویا جیسے موضُوعات پر بحث کی گئی ہے۔

۵۔رسالہ بہرام شاہیہ: اِس کا موضوع یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اِنسان کے لیے ایک ختم نہ ہونے والا سفر مُقرّر فرما دِیا ہے۔ سفر نِہایت پُرخطر ہے اور اَکثر اِس سَفر کے خطرات سے بے خبر ہیں۔

۶۔رِسالہ درویشیہ: اِس میں جَوہرِ اِنسانیت پر بحث فرمائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ رُوح کی بیماریوں کے اسباب کی تشخیص اور عِلاج کے لیے انبیا تشریف لائے اور اَولیا، مشائخ طریقت اور عُلمائے دِین اِنہی امراض کی نشان دَہی کرتے ہیں اور رَہنمائی فرماتے ہیں۔

۷۔رِسالہ عقلیہ: اِنسانی عقل کی فضیلت و برتری، اِس کی صفات و درجات اور عقل کے مُطابق مخلوق خُدا کے تنُّوع پر بحث کی گئی ہے۔

۸۔ذِکریہ: یہ رسالہ ذِکر کی اہمیّت، ذکرِ خفی کی فضیلت اور صُوفیائے کبرویہ کے آداب پر لِکھا گیا ہے۔

۹۔داؤدیہ: اِس میں اہلِ عرفان کے مُشاہدات اور اَذکار کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

۱۰۔موچلکہ: یہ موچلکہ کے مقام پر لِکھا گیا۔ اِس میں ظاہر و باطن کا تفاوُت اور مخلوقات کا غور و اِنہماک سے مُشاہِدہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۱۱۔مَقامیہ: اِس کا موضوع حقیقتِ خواب ہے اور ناقِص و کامِل افراد کے خوابوں کا فرق بڑی دِل چسپ مِثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

۱۲۔اِعتِقادیہ: اس کا موضُوع اِیمانیات و اِعتِقادیت ہے۔ ارکانِ اِسلام پر بحث کی گئی ہے اور بعض فِقہی مسائل پر رَوشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۔فَقرِیہ: یہ وصیّت نامہ ہے جو مرض الموت میں آپ رحمہ اللہ نے حاکم خضر شاہ کی خاطِر اِملا کرایا تھا۔

۱۴۔نُوریہ: اِس میں حقیقتِ نُور پر بحث کی گئی ہے۔

۱۵۔وارداتِ امیریہ: یہ رِسالہ آپ کے پُرسوز مکاشفات و مُناجات اور واردات پر مُشتمِل ہے۔

۱۶۔مَقاماتِ صُوفیہ: یہ رِسالہ رُوح و نفس کے موضُوع پر ہے۔

۱۷۔دَہ قاعِدہ: یہ شیخ نجمُ الدّین کُبریٰ کے عربی رِسالہ الاُصُولُ العَشْرَۃ کا دِل آویز فارسی ترجمہ ہے۔

۱۸۔مُصطلَحاتِ صُوفیہ: اِس میں تین سو (۳۰۰) صُوفیانہ اِصطِلاحات کی تشریح و توجِیہ ہے۔

۱۹۔اَسرارُ النُّقطَہ: اِس میں ذات و صِفات کے موضُوع پر عارِفانہ بحث ہے۔

۲۰۔اَلمُوَدَّۃُ فِی القُربیٰ: اِس میں اہلِ بیت کے مناقِب اور فضائل درج ہیں۔

۲۱۔مکتُوباتِ امیریہ: یہ رِسالہ سلاطین، اُمرا اَور مُریدین کے نام بائیس (۲۲) خُطُوط پر مشتمل ہے۔

۲۲۔چہل اسرار: یہ آپ کی چالیس (۴۰) غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اِن وَجد آفریں غزلوں میں مسائلِ تصوُّف کو نہایت پُرتاثیر اَنداز میں سمویا گیا ہے۔

۲۳۔فُتُوّت نامہ: فُتُوّت تصوّف اور توحید کا ایک شعبہ ہے، مقاماتِ سالکین میں سے ایک مقام اور ولایت کا حِصّہ ہے۔ اِس موضوع پر اِس رِسالے میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

۲۴۔مُناجات: یہ حضرت کی اَللہ کے حُضُور سوز وگداز میں ڈوبی مُناجات کا مجموعہ ہے۔

۲۵۔رَوضۃُ الفِردوس: اِس میں مکارمِ اَخلاق کے بارے میں اَزواجِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی روایت کردہ دو ہزار پچاس (۲۰۵۰) احادیث شامِل ہیں۔

۲۶۔خواطریہ: اِس کا موضوع وساوسِ شیطانی اور اَقسامِ قُلُوب ہے۔

۲۷۔اَلاِنسَانُ الکَامِل: اِس میں وحدتُ الوُجود کی تعلیمات اور اِنسانِ کامل کا بیان ہے۔

۲۸۔اَلنَاسِخُ وَالمَنسُوخُ فِی القُرآنِ المَجِید: اِس میں قُرآن مجید کی آیات، عِبادات، مُعاملات اور جہاد کے ناسِخ ومنسُوخ کا ذِکر ہے۔

۲۹۔فِی سَوادِاللَّیل وَلُبس الاَسوَد: اِس میں خرقۂ سیاہ کی دُوسرے رنگوں پر فضیلت کے بارے میں صُوفیائے کرام کے اَقوال درج ہیں۔

۳۰۔مُعاشُ السالِکین: اِس کا موضُوع اَکلِ حلال کا حُصُول ہے۔

۳۱۔اَقرَبُ الطَّرِیق اِذلَم یُوجَدِ الرَّفِیق: اِس میں سیر وسُلُوک اور مقاماتِ رُوحانی پر مفید بحث ہے۔

۳۲۔حَلُّ الفُصُوص: یہ حضرت شیخ مُحی الدّین ابنِ عربی کی ''فُصوص الحکم'' کے مطالب کا خُلاصہ ہے۔ موضوع ذات وصِفات اور حقیقتِ عالَم ہے۔

۳۳۔شرح اَسماءِالحُسنٰی: اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں کی شرح میں آیاتِ قرآن مجید، اَحادیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کے اقوال سے اِستِشہاد کیا گیا ہے۔

۳۴۔اِختیارات مَنطِقُ الطَّیر: یہ حضرت شیخ فریدالدّین عطّار رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی ''منطق الطّیر'' کا اِنتخاب ہے۔

۳۵۔اِنسان نامہ: اِس رِسالہ کا موضُوع علمِ قیافہ ہے۔

۳۶۔آدابِ سُفرہ: اِس رِسالے میں سالِکین کے لیے ایک سو اَٹھارہ (۱۱۸) دَسترخوان کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

۳۷۔مَنازِلُ السّالِکین: جادۂ حق پر گامزن ہونے کے لیے سالکوں کے اَحوال ومَقامات بیان کیے گئے ہیں۔

۳۸۔مِنہاجُ العارفین: اِس رسالے میں ایک سو چوالیس (۱۴۴) پندونصائح درج ہیں۔

۳۹۔فی عُلماءِ الدّین: اِس میں عُلمائے سُوء، اُمرا اَور بادشاہوں کے خوشامدیوں پر طنز ہے۔

۴۰۔فقیریہ: اِس میں قُرآنِ مجید، اَحادیث اور اَکابرِ صُوفیا کے اَقوال کی روشنی میں فقر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۴۱۔طالقانیہ: یہ رِسالہ تاجکستان کے ایک مقام طالقان میں لِکھا گیا۔ اِس کا موضوع حقیقتِ تَصوُّف ہے۔

۴۲۔سوالات: اِس رِسالے میں اُن دس مُتکلّمانہ سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں جو صِفات اور تخلیقِ کائنات کے متعلق ہے۔

۴۳۔صِفَۃُ الفُقَراء: یہ رِسالہ آپ کے ایک فصیح وبلیغ خُطبے پر مَبنی ہے جِس کا موضُوع تصوُّف وعِرفان ہے۔

۴۴۔تفسیرِ حُرُوفِ المعجم: اِس رِسالے میں عربی حُرُوفِ تہجی کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

۴۵۔مُراداتِ دیوانِ حافِظ: اِس رِسالے میں ''دیوانِ حافِظ'' کی اِصطلاحات کی صُوفیانہ شرح ہے۔

۴۶۔طائفہ ہائے مردم: اِس رِسالے میں مخلوقِ خُدا کی مُختلِف طَبائع اور تخلیق کی حِکمتوں پر بحث کی گئی ہے۔

۴۷۔تلقینیہ: اِس رِسالے کا موضُوع شریعت وطریقت کی ہم آہنگی ہے۔

۴۸۔عَقبات: اِس میں سُلطان قطبُ الدّین والئ کشمیر کو اِقامتِ دین کی ترغیب دی گئی اور اُن عقبات (گھاٹیوں) کی نشان دہی کی گئی ہے کہ سلاطین جِن کو نہایت احتیاط سے عبُور کرنے کے بعد ہی خُدا اَور مخلوقِ خُدا کی نظر میں مقبُول ٹھہر سکتے ہیں۔

۴۹۔سیر وسُلُوک: یہ رِسالہ سیر وسُلُوک کے آداب پر مَبنی ہے۔

۵۰۔چہل مقام صُوفیہ: اِس رسالے میں اُن چالیس (۴۰) مقامات کی نشان دہی کی گئی ہے جو سب کے سب صُوفیا کے لیے لازم ہیں۔

۵۱۔مَشیّت: اِس رسالے میں صبر وشُکر اَور قناعت کی تلقِین ہے۔

۵۲۔اَسنادِ حُلیہ حضرت رِسالت مآب صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اِس رِسالے میں حُضُورِ اَقدس صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا حُلیہ مُبارک تحریر کیا گیا ہے۔

۵۳۔ مکارمِ اخلاق: اِس میں مذکور ہے کہ مُجاہدۂ نفس سے اَخلاقی تبدیلی ہوسکتی ہے لیکن یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ کسی صاحبِ کمال پیرِ طریقت کے دامن سے وابستگی اختیار کی جائے۔

۵۴۔ فی خَواصِ اہلِ الباطن: یہ رِسالہ اہلِ باطن کے خواص پر مشتمل ہے۔

۵۵۔ اِسرارِ رُوحی: یہ رِسالہ اُن احادیث پر مُشتمِل ہے جو معراجِ رسُول اللہ کے متعلق ہیں۔

۵۶۔ مرأۃ التائبین: یہ رِسالہ آپ نے اَپنے ایک مُرید بہرام شاہ حاکم بلخ و بدخشاں کی درخواست پر لکھا۔ اِس میں توبہ کی حقیقت، شرائطِ توبہ، بعد اَز توبہ طاعاتِ الٰہی پر ثابت قدمی اور نفسِ لوّامہ کی کیفیت پر بحث کی گئی ہے۔

۵۷۔ کشفُ الحقائق: اِس رِسالے میں علمُ الیقین، عینُ الیقین اور حق الیقین کے اَسرار اور حقائق بیان کیے گئے ہیں۔

۵۸۔ غایتُ المکانِ فی دَرایۃِ الزَّمانِ: اِس میں زمان و مکان پر عارِفانہ اور مُتکلّمانہ بہترین بحث ہے۔

۵۹۔ مُتفرّق رسائل: فراست نامہ، معرفتہ النّفس، فوائدالعرفانیہ، دَستُور العمل، معرفتہ الزاہد، انوارالاذکار، مقالاتِ امیریہ، رُوحُ القُدس، اخلاقیات، اسرار القلبیہ، ادعیۂ فارسی، طبقاتِ باطنیہ، اَبنائے زمان ومکان، فی آدابِ شیخ، مناقبِ السّادات۔

۶۰۔ اَورادِ فتحیہ مَع دُعائے رِقاب: کشمیر کے اکثر گھرانوں اور مساجد میں روزانہ ''اَورادِ فتحیہ'' بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ ''اَورادِ فتحیہ'' رُوحانی تسکین اور وَجدانی کیف وسُرُور کا مجرّب نُسخہ ہے، جسے بے شُمار کشمیری مُسلمان بیک زبان مَسجِدوں میں اور تنہائیوں میں پڑھ کر جذب وسُلوک کی مَنازِل کا بھرپُور مُشاہدہ کرتے ہیں۔

یہ اَوراد اَور دُعا حضرت خواجہ سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ لازوال تصنیف ہے جو مُختلف وظائف کا مجموعۂ بے مِثال ہے۔ قُرآن مجید فرقانِ حمید اور اَحادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین نِکھری چاندنی میں حمدِ باری تعالیٰ کو اَیسے موثّر، مُنوّر اَور دِل نشین انداز میں مرتّب کیا گیا ہے کہ جس کو ہر خاندان کے صُوفیائے کرام اور عُلمائے ذی احترام نے حرزِ جان بنایا اور اَپنے وِرد میں شامِل کیا۔ حضرت خواجہ سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ عشقِ الٰہی میں ڈُوبے اور رَنگِ الٰہی سے رنگے پیرِ طریقت تھے۔ ''اَورادِ فتحیہ'' اور ''دُعائے رِقاب'' اِس روشن حقیقت کی آئینہ دار ہیں۔

اَوراد کی ترتیب نہایت عُمدہ ہے، یعنی خوفِ خُدا، رَضائے حق، توکّل علی اللہ، تزکیۂ نفس، صَفائے قلب، پابندیٔ شریعت، اِتّباعِ سُنّت اور تسلیم ورَضا کی ایسی تمام مَنازِل اِس میں موجُود ہیں جو راہِ سُلوک میں بُنیادی حیثیت کی حامِل ہیں۔ یہاں تلقینِ ذِکرِ الٰہی ہے۔ یہاں فُتُوحاتِ باطنی

کی ضَوفشانی ہے۔ یہاں عِرفان وآ گہی کی کھلی چاندنی ہے۔ یہاں حقیقت ومَعرِفت کی دُنیا کے اَسرار کھُلتے نظر آتے ہیں۔ یہاں نُور و نِکہت کی خُوشبو میں بَسا ایسا درسِ مُحبّت ہے جو عِراقِ دِل نشیں کے ساز کو چھیڑتا ہے اور اُسے جہانِ مَعرِفت کے مخفی خزانوں کا پتا دیتا ہے۔ اَب تک اِس کی مُتعدّد شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ مُحدِّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (مُتوفّی ۱۱۷۶ء) اپنی کتاب ''اِنتِباہ فی سَلاسِل اَولیاءاللہ'' میں ''اَورادِ فتحیہ'' کے بارے میں یُوں گوہر فشاں ہیں:

''اَب اگر فضائل اور خَواص اِس اَوراد کے بیان کیے جائیں تو بہت طویل ہو جائے۔ اِس واسطے کہ آں حضرت (یعنی میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی ساری عُمر میں مَعمُورۂ عالَم کی تین مرتبہ سیر کی ہے اور چودہ سو (۱۴۰۰) ولی کامِل سے مِلے ہیں اور ہر ولی سے رُخصت کے وقت دُعا اور رُقعہ کی اِلتماس کی ہے اور اُن رقعوں کو اَپنے جامہ پر مُرقع کیا ہے اور اُن دُعاؤں اور اَذکار کو جو بے اِختیار اُن کی زبان پر جاری ہوتے تھے، جمع کِیا ہے، یہ اَوراد ہو گیا ہے۔ اِنہی (حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ) سے مَنقُول ہے کہ ''جب میں بارہویں دفعہ کعبہ شریف کی زِیارت کو چلا اور رَستے میں مسجدِ اَقصیٰ پہنچا تو وہاں پر حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اِس درویش کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ میں اُٹھا، آگے بڑھا اور سلام عرض کِیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستین مُبارک سے ایک جُزو نِکالا اور اِس درویش سے فرمایا کہ خُذْ ھٰذِہِ الْفَتْحِیَّۃَ۔ یعنی اِس فتحیہ کو لے۔ جب میں نے حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَستِ مُبارک سے اِسے لِیا اور اِس پر نظر ڈالی تو یہی اَوراد تھے۔ اِس اِشارہ سے اِن کا نام فتحیہ رکھا گیا۔''

دُعائے رِقاب: رقبہ کی جمع رِقاب ہے جِس کے مَعنی گردن کے ہیں۔ عربی زبان میں رقبہ کے اِصطِلاحی مَعنی غُلام کے ہیں۔ اِس دُعا کا نام دُعائے رِقاب اِس مُناسبَت سے رکھا گیا ہے کہ اِنسان اللہ کریم کا غُلام ہے۔ غُلام کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ غُلام کسی چیز کا مالِک نہیں ہوتا۔ غُلام کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جو کُچھ بھی غُلام کے پاس ہوتا ہے وہ مالِک کا عطا کردَہ ہوتا ہے۔ اِس دُعا میں بندہ بطورِ غُلام اپنی حاجتوں کی عرضی اللہ کریم کی بارگاہِ عالیہ میں پیش کرتا ہے جو مالِکِ حقیقی ہے۔ اِنسان بطورِ غُلام اللہ کریم کے دربارِ عالی میں بھیک کی جھولی پھیلائے گا تو پھر وہ خالی ہاتھ کیسے لوٹ سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سیدہ اَشرف ظفر، ڈاکٹر شمس الدین احمد اَور دیگر مستند مورخین کے مطابق حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ کبرویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سیدہ اشرف ظفر لکھتی ہیں:

''سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ صوفیا کے کبرویہ سلسلہ سے منسلک تھے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کے نام رسالہ نوریہ میں بصورت نظم درج ہیں اور سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو رسالوں داؤدیہ اور نقریہ میں قلمبند کیے ہیں، یہ نام خلاصۃ المناقب میں بھی منضبط ہیں اور اُن کی ترتیب یہ ہے: سید علی ہمدانی، شیخ محمود مزدقانی، شیخ علاء الدولہ سمنانی وغیرہ'' (سید میر علی ہمدانی: ۲۸)

۲۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد اُور کچھ دیگر مصنفین نے امیر تیمور کے حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ غیر مناسب سلوک کو تاریخی دلائل کی روشنی میں ایک فرضی داستان قرار دیا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں: ''امیر تیمور خود ذاتی طور پر ایک خدا ترس، صاحب صلوٰۃ اور بزرگانِ دین کا سخت عقیدت مند تھا۔ بلکہ بزرگان دین کی خدمت میں جا کر اُن سے فتح و نصرت کا چاہنے والا۔ وہ خاص کر اَپنے روحانی مرشد حضرت سیّد امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کا سخت معتقد تھا۔

طرائق الحقائق کا مولف معصوم علی شاہ نایب الصدر لکھتا ہے:

''امیر تیمور ہر ملک کے اصحاب حق و یقین کی جماعت کے ساتھ نہایت لطف و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے اور ہمیشہ علما اور عارفوں کی صحبت کی طرف راغب اور آرزومند رہتے تھے، خاص کر اَمیر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اور اَمیر سید کلال بخاری اور شیخ سید زین الدین ابوبکر (علی) تایباری کی صحبت کی۔ اس طرح حضرات سادات اور خاص کر جناب حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے تیمور کی عداوت و دشمنی کے جو اَفسانے ہم سینہ بہ سینہ سن کر اور بعض غیر علمی اور غیر تحقیقی کتابچوں میں پڑھتے آئے ہیں وہ صداقت سے دور ہیں اور اُن کی کوئی دلیل اور سند موجود نہیں۔'' (شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، جلد: ا، ص: ۱۲۰-۱۲۱)

۳۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد اُور دیگر محققین کے مطابق آپ کشمیر امیر تیمور کے عتاب سے بچنے کے لیے آنے پر مجبور نہیں ہوئے بلکہ آپ کو خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کشمیر جانے کا حکم دیا اور فرمایا: ''میرے فرزند! کشمیر کی راہ اختیار کرو، وہاں جانا ہندوستان سے بہتر ہے اس لیے کہ وہاں کے لوگ بے دین ہیں، کفر کے تابع ہیں، بدعتوں کے پرستار ہیں اس لیے تم ان سب کو دین اسلام کی طرف ہدایت دو اور خدائے واحد کی طرف اُنھیں رستہ دکھا دو۔ راہ طریقت میں ان کا مرشد اُور حقیقت کی طرف ان کا راہبر ہو جا۔'' (شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، جلد: ا، ص: ۲۰۱)

۴۔ خانقاہ معلیٰ سری نگر کے عین وسط میں دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر پچھلی کئی صدیوں سے اپنی مخصوص انفرادی عظمت و وقار کے ساتھ قائم ہے۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد لکھتے ہیں کہ دراَصل حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کے دورانِ قیام آپ کا حجرۂ خاص مسلمانان کشمیر کے کے علاوہ کشمیری برہمنوں کا بھی مرجع رہا اور سب اپنی استعداد کے مطابق یہاں سے انوار و برکات

سے منور و مستفیض ہو کر جاتے تھے۔حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کی مراجعت کے بعد اُن کے حجرۂ خاص کی جگہ ایک عمومی عبادت گاہ بن گئی، اُسے ایک عظیم تر خانقاہ کی صورت تب ملی جب حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کے فرزند میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۹۸ ہجری میں کشمیر تشریف لائے اور سلطان سکندر اَور مسلمانانِ کشمیر کی معاونت سے اس خانقاہ کو تعمیر کرنے کا قدم اُٹھایا اور یہ خانقاہ ۷۹۹ ہجری میں مکمل ہوئی۔مشہور ہے کہ اس کی تعمیر میں شیخ العالم نور الدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذاتی طور پر حصہ لیا۔اس کے اخراجات کو مستقل طور پر جاری رکھنے کے لیے میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لعل بدخشان کے عوض تین گاؤں خانقاہ موصوف کی وقف جاگیر کے طور پر حاصل کیے۔(شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، جلد:۲،ص:۹۱۳)

۵۔حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی کشمیر تشریف آوری کی تاریخوں کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، اور اِس بارے میں متضاد بیانات کتبِ تاریخ میں ملتے ہیں۔تفصیلات کے لیے دیکھیں: (''شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے'' از شمس الدین احمد، جلد:۱،ص:۲۱۶)

۶۔شمس الدین احمد کے مطابق حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کا سال وفات ۷۸۶ ہجری/ ۱۳۸۴ عیسوی ہے۔(شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، جلد:۱،ص:۱۷)، اور سیدہ اشرف ظفر کے مطابق سال وفات ۱۳۸۵ء ہے)

۷۔چوں کہ جناب نذیر نقشبندی صاحب نے اپنی اِس مختصر سوانح میں حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، لہٰذا یہ حصہ جس میں آپ رحمہ اللہ کی اولاد کا تذکرہ ہے اِسے ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر اور ڈاکٹر شمس الدین احمد کی کتب سے اَخذ کیا گیا ہے۔

نوٹ: اِس ''مختصر سوانح حیات'' کو نذیر نقشبندی صاحب کی کتاب ترجمۂ اورادِ فتحیہ سے لیا گیا ہے جسے الرّمضان فاؤنڈیشن ٹرسٹ جھنگ نے شائع کیا ہے، لہٰذا مطلوب حوالے مع حقوق سارے اُسی میں محفوظ ہیں۔حواشی مرتب کرنے میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔سید میر علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اَز ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب سری نگر، ۲۰۰۷ء

۲۔شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے اَز ڈاکٹر شمس الدین احمد، حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز بک سیلر، سری نگر، ۲۰۱۰ء

●●●

مفتی عبدالحمید نعیمی (۱)

شاہِ ہمدانؒ: حیات وخدمات

ابتدائیہ: سیاحِ رُبع مسکون، عالم اسلام کے عظیم فرزند، دنیائے تصوف کے فرد کامل، آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر مبلغ اسلام حضرت سیدنا امیر کبیر میر سید علی ابن شہاب الہمدانی قدس سرہ الصمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آبائی وطن ہمدان کو کشف یقظہ میں اپنے جدِ امجد حضرت نبی سرمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر خیر باد کہا اور رُخ بُرج سعادت کشمیر کی جانب فرمایا۔ آپ کے ورُودِ مسعود سے اس وادی کے مطلع جبین پر دین اسلام کا نہ ڈوبنے والا سورج اپنی پُرشباب رعنائیوں کے ساتھ طلوع ہوا اور سرزمین کشمیر کے کوہسار اور نشیب وفراز نے بڑے فخر سے آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا، یہ شرف اس خطۂ جنت نظیر کے لیے ابدالآباد تک تمغۂ افتخار بنا رہے گا۔

آپ کی عظمت کا کیا کہنا، حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی مریدی پر ناز کرتے ہوں، حضرت شیخ حمزہ مخدومی جن کی خانقاہ فیض پناہ کے صحن سے ہی ادب سے سلام پیش کر کے رخصت ہوتے ہوں، حضرت شیخ یعقوب صرفی جن کی گداگری پر فخر کرتے ہوں اور علامہ اقبال جہاں نہ صرف عقیدت کیش ہوں بلکہ نیاز کیش ہوں۔

ذکر اور شانِ ولادت: دین حنیف کے نقیب، سالارِ عجم، سید السادات، منبع الفیوض والبرکات، حضرت سیدنا امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی جب ولادت ہوتی ہے تو تاریخ کا انتخاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض میں بارہ (۱۲) کا ہوتا ہے اور دن کا انتخاب بھی اُسی طرح پیر یعنی سوموار کا ہوتا ہے جب کہ مہینے کا انتخاب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ جا ملتا ہے اور پیر کے مبارک دن ۱۲ / ماہ رجب المرجب ۷۱۳ھ میں آپ کی ولادت باکرامت ہوتی ہے۔(۱) اور لطف کی بات یہ ہے کہ شب ولادت کی شام کو آپ کے والد گرامی حضرت سیدنا خواجہ شہاب الدین

(۱) جامعہ مدینۃ العلوم اورینٹل کالج درگاہ شریف حضرت بل سری نگر

ہمدانی کے گھر حضرت خضر اور حضرت اِلیاس علیہم السلام بہ امر خداوندی جنت سے آپ کے لیے جوڑے لے کر آتے ہیں اور آپ کے والد گرامی کو آپ کی خوش خبری بھی دیتے ہیں اور جوڑے ہدیہ بھی کرتے ہیں۔

صاحب منقبت الجواہر نظام الدین یحیٰ النوری الخراسانی لکھتے ہیں کہ اِس موقعہ پر جناب خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''امشب درآن منزل یسری مولود گردیدہ کہ بسیاعالی مقام بود این جامعہ بعنوان تبرک آنجامی بریم۔''(۲)

یعنی آج کی شب اس گھر میں ایک ایسا فرزند مولود ہونے والا ہے جس کا مقام و مرتبہ بہت ہی بلند ہے، ہم یہ جوڑے بطور تبرک اُن کے لیے لائے ہیں۔

جس نومولود کی رُوح عالم قدوس کی ایسی نورانی قندیل ہو کہ جس کی وجہ سے جسم کی نزاکت اور نظافت اس رتبے کو پہنچی ہو کہ پیدائش پر جنت سے حضرت خضر و اِلیاس (علیہما السلام) کے ذریعے جنتی لباس کے جوڑے بھیجے جائیں، آگے چل کر اُس کی شخصیت اور مقام کا عالم کیا ہوگا۔

علوم ظاہری کی تحصیل: حضرت سنِ رضاعت سے فارغ ہوتے ہی اپنے ماموں جان حضرت سید علاؤالدین سمنانی کی آغوش تربیت میں آ گئے اور چھ سال کی عمر میں جو کہ بچوں کو مکتب میں داخل کرانے کی عمر ہوتی ہے، آپ حافظ کلام اللہ ہو چکے تھے اور دس سال کی عمر میں جب کہ بچوں کو نماز کی تاکید کی جاتی ہے آپ علوم عالیہ عربیہ سے فارغ ہو کر سند فضیلت حاصل کر چکے تھے جب کہ بارہ (۱۲) سال کی عمر میں جو کہ نماز فرض ہونے کی متفقہ عمر ہے، آپ اپنے دور کے ممتاز فقیہ اور عظیم محدث بن چکے تھے۔(۳)

علوم باطنی کی تحصیل اور سفر سلوک: حضرت امیر کو ۱۲ر سال کی عمر یعنی ۷۲۵ ہجری میں اپنے ماموں جان حضرت سید علاؤالدین سمنانی نے اپنے ایک خاص مرید اور مرد حق آگاہ حضرت شیخ ابوالبرکات اخی علی دوستی کے حوالے کر دیا، تاکہ آپ کے باطن کی تعمیر ہو(۴) مگر آپ حضرت موصوف کی خدمات میں صرف تین یا چار دن قیام کرنے کے بعد ہی باطنی ارشاد اور نظام کے تحت شیخ محمود مزدقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۵) عین اسی سال حضرت سید عبدالرحمٰن بلبل صاحب ترکستان سے حکم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق وارد وادئ کشمیر ہو کر یہاں پہلی اذان دیتے ہیں، یعنی سلسلہ کچھ اس طرح بنتا ہے کہ ادھر موذن اذان دیتے ہیں ادھر اُس مشن کے امام کو تیار کیا جا رہا ہے۔(ہذا التوفیق من اللہ تعالیٰ)

جناب امیرؒ، حضرت شیخ مزدقانیؒ کی خدمت میں پہلے ایک سال کی مدت خانقاہ کے جاروب کش (جھاڑو دینے والے) کے جوتے سیدھے کرنے پر مامور ہوئے(۷) اور بعد ازاں

تین ماہ تک اوقات نماز کے علاوہ زنجیروں میں جکڑ کر صرف ایک ہی حالت کی روحانی ریاضت پر مامور ہوئے (۸) اور اُس کے بعد خانقاہ کے بیت الخلاء اور صحن وغیرہ کی صفائی اور پھر خانقاہ میں زیرِ ریاضت درویشوں کے وضو کے لیے پانی لانے پر مامور ہوئے، اِس کے ساتھ بھی تقریباً ایک سال گزارا۔(۹)

مسلسل ریاضت اور تزکیہ نفس: حضرت امیر اس کے بعد مسلسل ۴؍سال شیخ مزدقانی کی صحبت اور تربیت میں چلہ کشی کرتے رہے اور یہ مجموعی طور پر چھ سال سفرِ سلوک کا کورس مکمل کرنے کے بعد دوبارہ شیخ اَخی علی دوستی کے پاس آ گئے (۱۰) اور وہاں مزید دو سال اس میں اسپیشلائزیشن (Specialisation) کر کے علومِ باطنی میں بھی کامل ہو کر فارغ ہوئے۔(۱۱)

سفرِ سیاحت: حضرت امیر بیس (۲۰) سال کی عمر میں ۷۳۳ھ میں حضرت اخی علی دوستی کے وصال اور اُن کی تدفین کے بعد دوبارہ شیخ محمود مزدقانی کی خدمت میں پہنچتے ہیں اور یہاں پر آپ کو شیخ موصوف قرآن مجید کے ایک عالمی سطح کے مضمون ''سیرو فی الارض'' کے تحت مزید بیس سال کے لیے سیاحت کا حکم دیتے ہیں (۱۲) اور فرماتے ہیں کہ ساری روئے زمین پر شرقاً وغرباً جو گوہر تابدار آپ کو نصیب ہونے ہیں اُنھیں اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے روانہ ہو جائیں۔

حضرت امیر اس سیاحتی سفر کے دوران تین مرتبہ ربع مسکون کی زیارت کرتے ہیں (۱۳) اور ساری (اِسلامی) دنیا کی بھی تین بار سیر کرتے ہیں (۱۴) نیز اسی دوران چودہ سو اولیائے کرام سے ملاقات اور اُن سے اخذِ فیض بھی کرتے ہیں (۱۵) اور اِس طرح آپ ظاہر اور باطن کے اس حسین سنگم کے ساتھ اپنا مزید بیس سالہ سیاحتی کورس ''سیرو فی الارض'' کا مضمون بھی بڑے احسن طریقے سے ۷۵۳ھ میں مکمل کر لیتے ہیں (۱۶) اور یہاں پہنچ کر آپ کی عمرِ مبارک کے چالیس (۴۰) سال مکمل ہو جاتے ہیں۔ کیا ہی حسین اور قابلِ رشک سفر ہے حضرت صرفی فرماتے ہیں:

آن ہمدان مولد و ختلان وطن
شیوہ او طیِّ زمین و زمن (۱۷)

حضرت اُمیر کی تزویج اور آغازِ تبلیغ: حضرت امیر جب چالیس (۴۰) سال کی عمر میں یعنی ۷۵۳ھ میں عالمی سفر و سیاحت سے فارغ ہو کر اَپنے وطن واپس آئے اور اَپنے شیخ محمد اَذکانی اسفرائی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ موصوف نے آپ کو ایک فرزند کی بشارت سنائی، حالاں کہ ابھی آپ نے نکاح نہیں کیا تھا اور آپ اپنے شیخ اکبر پیر مزدقانی کی طرح اُن کی اتباع میں نکاح کے بغیر ہی رہنا چاہتے تھے مگر شیخ اذکانی سے فرزند کی بشارت سن کر آپ نے ہمدان میں ۷۵۳ھ میں نکاح فرمایا۔(۱۸) اس کے بعد آپ نے عائلی زندگی کے ساتھ ساتھ تبلیغِ دین اور

شریعت اسلام کا کام بھی شروع کیا اور مسلسل بیس سال ۷۵۳ھ سے لے کر ۷۷۳ھ تک ہمدان، ختلان اور دیگر بہت سارے نواہی علاقوں میں دن رات اعلائے کلمۂ حق اور ترویج دین میں مصروف عمل ہو کر سیکڑوں مراکز قائم کیے اور ہزاروں بندگان خدا کے دلوں میں ایمان و معرفت کی شمع روشن کی اور اَپنے شاگردوں اور طالبوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی کہ ہر طرف دین اسلام کا بول بالا ہونے لگا اور تصوف وسلوک کی دنیا میں ایک نئی جان آ گئی (۱۹) مگر اِس قدر بے لوث اور پُرخلوص خدمات انجام دینے کے باوجود بھی آپ علاقائی اور غیر علاقائی علما اور اُمرا کے شر سے کبھی بھی محفوظ اور مامون نہیں رہ سکے (۲۰)، علما نے آپ کو اَپنے منصب کے لیے جب کہ اُمرا نے اپنی حکومت کے لیے بڑا خطرہ سمجھا۔ علما کا تو لوگوں پر کوئی قبضہ تھا ہی نہیں (اِلا ماشاء اللہ) اور اَگر اُمرا کا قبضہ لوگوں کے سروں پر تھا بھی مگر وہ بھی ناقص ہی تھا لیکن حضرت امیر کا قبضہ لوگوں کے دلوں پر اِس قدر رہا کہ آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے آناً فاناً لوگوں کا سیلاب اُمڈ آتا اور آپ کو مرجع خاص و عام بننے میں ذرا بھی تاخیر نہیں لگتی۔ اسی وجہ سے مذکور ہر دو طبقے آپ سے خائف تھے اور آپ سے خلش، رنجش وحسد میں دن رات جلتے رہتے تھے۔ (۲۱)

۷۷۲ھ میں زیارت حرمین شریف سے واپسی کے بعد آپ اپنے آبائی علاقہ ہمدان کے بجائے ختلان میں سکونت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور یہ پروگرام اس طرح سے بنا کہ آپ اپنے ایک مرید خاص نورالدین جعفر بدخشی کے گھر (دار ہجرت واقع قریہ علی شاہ ختلان) سے انہی کی درخواست پر اُن کے آبائی علاقہ بدخشان (اندراب) جانے کے لیے رخت سفر باندھا (۲۲) اور رَوانگی کے وقت آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اِس سفر سے ہم خطۂ مبارک ختلان واپس آئیں گے تو علمی مشاغل یعنی تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کا کام انجام دیں گے۔ (۲۳)

پھر آپ بدخشان (اندراب) سے تین ماہ کے قیام کے بعد ماہ شوال المکرم ۷۷۳ھ میں اپنے نو منتخب مسکن ختلان تشریف لائے اور چھ سال تک یہیں پر قیام فرمایا، اگرچہ اس دوران اِدھر اُدھر بغرض تبلیغ واصلاح جانا بھی پڑا مگر اَکثر اَوقات یہیں پر علمی مصروفیات میں گزارے۔ (۲۴)

حضرت امیر کی علمی خدمات کا مختصر تذکرہ: حضرت امیر نے چودہ فنون میں درجنوں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ہر چند کہ آپ کی ہر تصنیف اپنے اپنے موضوع اور فن کے لحاظ سے بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ (۲۵) مگر اِسلامی نظام حکومت اور نظامِ عدل پر ''ذخیرۃ الملوک'' ایک عظیم شاہکار ہے۔

مزید برآں یہ کہ آپ نے کئی مشائخ کی دقیق ترین کتب کی تلخیصات اور شروحات بھی

لکھی ہیں: خصوصاً شیخ اکبرمحی الدین ابن عربیؒ کی تصنیف ''فصوص الحکم'' کی تلخیص تحریرفرمائی اور ابوحفص عمرالمصری کی مثنوی قصیدہ خمریہ کی بہت ہی عمدہ فارسی شرح تحریرفرمائی۔(۲۶)

نیز آپ نے جب سفروسیاحت کے ۲۰ رسالہ عرصے کے دوران چودہ سواَولیائے کرام سے ملاقات کی اور اُن سے اخذِفیض کیا تو اُنھوں نے جو آپ کو تبّرکاً، ہدیۃً اور وظیفۃً کلمات اور اَورادواَذکارعطافرمائے اُن کا مجموعہ بنام''اورادفتحیہ''ترتیب پایا ہے۔ہم مسلمانانِ کشمیر کی بخت سکندری کہ آپ نے یہ معرفت اور اسرارالٰہی سے لبریز نسخہ ہمیں بالا جازۃ عطافرمایا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے اُس کو آج تک حرزِجان بنائے رکھا اور اِن شاءاللہ تعالیٰ آیندہ آنے والی نسلیں بھی اسی نسخہ قدر پر گامزن رہیں گی۔کشمیر کے مشہور صوفی شاعر محمود گامی نے کیا خوب کہا ہے:

مرحبا پریتھ اُکس اوراد خوانس
ہر صبایس آسہ تمہِ کوُئی کار
سیتی سیتی جنتس نی تَس پاَنس
شاہِ ہمدانس و نہ نے آس

وادئ کشمیر میں آپ کا قدوم میمنت لزوم: وادئ کشمیر میں دینِ اسلام کا اولین چراغ بہ امرِالٰہی وبحکم رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت شیخ سید عبدالرحمن بلبل صاحب ترکستانیؒ نے ۷۲۵ھ میں روشن کیا، تاہم وہ صرف دورِ اِذان اور تعارف تھا،اس کے بعد حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ اپنے سیاحتی دورے کے دوران واردِ کشمیر ہوئے۔اگرچہ یہ آپ کا تبلیغی دورہ نہیں تھا(۲۷) مگر اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْأَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ والی دعا کے بموجب آپ نے سرزمین کشمیر کی لوحِ محفوظ کو پڑھ لیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ظاہری اور باطنی علوم اور سیاحت حتیٰ کہ نکاح سے فراغت کے بعد ۷۶۰ھ میں حضرت امیر نے اپنے دومعتمد اَشخاص سید تاج الدین اور سید حسین سمنانی کو بطور وفد کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے کشمیر بھیجا اور اُن حضرات نے کچھ مختصر عرصے کے بعد جناب امیر کی خدمت میں یہاں کے حالات کا تفصیلی خاکہ پیش کیا(۲۸) مگر چوں کہ ختلان میں کئی اُمور کی انجام دہی ہنوز باقی تھی اور کئی علاقوں میں معاملات کی مزید اِصلاح کرنی مطلوب تھی، خاص کر آپ کو بعض اُمرا پر حجّت قائم کرنا باقی تھا،جن میں امیر تیمور سرفہرست ہے۔ہیچوقسم کے مختلف اَغراض اور مقاصد کو پورا کرنے کے لیے حضرت امیر نے ختلان میں مزید ۱۳رسال گزارے، اُن میں سے بعض اُمور تو اَنجام پذیر ہوسکے اور بعض مدمقابل فریق کی سرکشی کے شکار ہوگئے حتیٰ کہ امیر تیمور کا فساد اَور علوی سادات پر اُس کے مظالم اپنی انتہا کو پہنچے اور جناب امیر کی دینی خدمات،

تبلیغ واشاعت اور تزکیہ وتربیت کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔تب آپ نے سیّد حسین سمنانی کو دیگر سادات کرام کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ ۷۷۳ھ میں دوبارہ کشمیر بھیجا اور حالات کا بغور جائزہ لینے کی ہدایت دی۔(۲۹) حضرت سید موصوف نے حسب سابق جناب امیر کو یہاں کے حالات کی پوری تفصیلات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وادیٔ کشمیر کا پورا خطہ امیر تیمور کے عمل دخل سے ابھی محفوظ ہے۔(۳۰) کیوں کہ علوی سادات کو سب سے زیادہ امیر تیمور نے ہی ستایا تھا۔اسی تناظر میں حضرت مرزا اکمل الدین بدخشی نے فرمایا ہے:

گرنہ تیمور شور شر کردی

کے امیر ایں طرف گزر کردی (۳۱)

نیز حضرت امیر کو کئی بار باطنی طور پر کشمیر میں اشاعت اسلام کا اشارہ مل چکا تھا مگر آپ ظاہراً اور باطناً زمانی اتفاق کے منتظر تھے اب جب کہ ہر لحاظ سے کشمیر کا میزانِ سفر برابر ہو گیا اور اہالیان کشمیر کی تقدیر کا سورج اپنے مطلع کے بالکل قریب پہنچا تو حضرت والاحشمت نے سلطان شہاب الدین کے فرزند سلطان قطب الدین کے عہد حکومت (۷۷۴ھ) میں مورخہ ۱۲/ماہ ربیع الاول عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقعے پر اس فیروز بخت سرزمین کو قدم بوسی کرنے کا شرف عطا فرمایا۔(۳۲) آپ کے اس بار کشمیر میں قیام فرمانے کی مدت کے بارے میں دو مختلف اقوال ملتے ہیں ایک چالیس دن کا جبکہ دوسرا قول چھ ماہ کا ہے اور دوسرا قول ہی اقرب الی الصّواب معلوم ہوتا ہے۔(۳۳)

آپ نے اس چھ ماہ کے عرصے کے دوران ہر لحاظ سے یہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور اس عمر کا صحیح اندازہ فرمایا کہ یہاں زمینی سطح پر دین کی تبلیغ اور اسلام کی ترویج کا منہج کیا ہوگا اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کم از کم کس قدر اور کس کس شعبے کے ماہرین کی ضرورت ہے۔

سید حسین سمنانیؒ کا چوں کہ کشمیر کا دوسرا دورہ تھا اور وہ بہت حد تک حالات سے واقف اور ماحول سے مانوس ہو گئے تھے اور اپنے اہل وعیال بلکہ بعض خاص متعلقین کو بھی اپنے ہمراہ ہی لائے تھے اور قصبہ کولگام کو اپنا مسکن بھی منتخب کر چکے تھے،اس لیے حضرت امیر علیہ الرحمہ نے سید موصوف کو اپنی نیابت میں مزید کچھ افراد کے ساتھ یہیں پر قیام کرنے کی ہدایت دی اور فرمایا کہ ہمیں وقتاً فوقتاً حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔

حضرت امیر علیہ الرحمہ کشمیر میں اپنی نیابت قائم کر کے ختلان واپس تشریف لے گئے اور وہاں مزید چھ سال ۷۷۴ھ سے لے کر ۷۸۰ھ تک قیام فرمایا(۳۵) اور اس چھ سالہ عرصے میں کبھی خط وکتابت کے ذریعے اور کبھی بعض مناسب افراد کے ذریعے آگاہی بھی پاتے رہے اور

مناسب نصائح، پیغامات وہدایات بھی اپنی نیابت کو بھیجتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ختلان میں تقریباً سات سو سادات کرام پر مشتمل ایک منظم جماعت تیار کرلی اور ان کو کشمیر کے اس (پرخطر و پُرظفر) سفر کے لیے آمادہ بھی کرلیا اور ۷۸۱ھ میں اپنی پوری جماعت کے ساتھ دوسری مرتبہ وارد کشمیر ہوئے اور اُس کشمیری قوم کو اَبدُ الآباد تک ممنون فرمایا، اس مقام پر کسی صاحب نے بہت خوب کہا ہے:

چوں آمد آں شر زمُلکِ ولایت
گرفت کشمیر زاسلام رایت (۳۷)

اس سات سو (۷۰۰) افراد کے قدسی صفات مقدس قافلے میں جہاں محدث، فقیہ، واعظ، درویش، صوفی حضرات شامل تھے وہیں اُس میں بڑے عظیم تاجر اَور مختلف ہنروں کے ماہرین اہل حرفت وصنعت بھی موجود تھے جنھوں نے حضرت امیر علیہ الرحمہ کی قیادت میں ڈھائی سال کی مختصر سی مدت میں ایک ہمہ جہت انقلاب بپا کردیا کہ تبلیغ دین، تزکیۂ نفس اور تربیت اخلاق کے ساتھ ساتھ تعلیمی، معاشی، معاشرتی، تجارتی، اقتصادی، حتیٰ کہ حکومتی اور بیرون ملک سفارتی سطح کی تمام سمتیں درست ہوگئیں اور یوں اہالیان کشمیر کو اِسلام اور اِنسانیت کے باب میں ایک غیر معمولی ترقی اور عروج نصیب ہوا اَور بقولِ دانائے راز علامہ اقبال:

سید السادات سالار عجم
دست اُو معمار تقدیر اُمم
خطہ را آن شاہ دریا آستین
داد علم وصنعت وتہذیب و دین
آفرید آن مرد ایران صغیر
باہنر ہائی غریب و دلپذیر

ڈھائی سال کے بعد آپ ۷۸۳ھ میں (مختصر ساتھیوں کو لے کر) لداخ کے راستے سے ترکستان گئے اور وہیں سے سفر کرتے کرتے شہر اقنو (ایفیسوس) پہنچے (۳۸) اور وہاں اصحاب کہف کی زیارت سے بھی شرف یاب ہوئے۔ (۳۹)

بعد اَزاں حضرت امیر علیہ الرحمہ نے ۷۸۵ھ میں تیسری مرتبہ اس خوش نصیب اور فیروز بخت قوم کو اَپنی زیارت کا موقعہ عنایت فرمایا اور ایک سال کے قیام کے بعد ماہ ذی قعدہ ۷۸۶ھ میں عازم سفر ہوئے، البتہ! پکھلی پہنچ کر آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہوئی اور آپ نے وہاں کے سلطان محمد خضر شاہ کے ہاں شاہی مہمان کے طور پر ذی قعدہ کا پورا مہینہ گزارا۔ (۴۱)

حضرت علیہ الرحمہ کی آخری وصیت اور وصال پر ملال: علاقہ پکھلی کے شاہی مہمان خانہ میں جب حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت بہت ناساز ہوگئی تو آپ نے یکم ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو اَپنے تمام ساتھیوں سے فرمایا کہ آپ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں اور مکمل چار رُوز صوم وصال کی حالت میں گزارے، دن اور رَات میں کچھ کھایا اور نہ ہی کچھ پیا، البتہ! پانچویں ذی الحجہ ۷۸۶ھ بروز بدھ آپ نے کئی بار پانی نوش فرمایا اور اسی رُوز نماز عشا کے بعد اَپنے تمام رفقا کو بلایا اور ایک ایسی وصیت فرمائی جو کہ ایک عالم ربّانی، عالم شریعت، حامل طریقت، راز دانِ معرفت وحقیقت اور وارثِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینہ دار ہے اور وہ مبارک وصیت یہ ہے:

''ہمیشہ با حق باشید و برملازمت اوثابت قدم باشید وحاضر باما باشید ومارا بحل کُنید وتا یک سال اگر در وفاداری ثابت قدیم باشید نزد مشہد ما مجاور باشید اوراد بخوانید۔ ایں نصائح را قبول کُنید تابسعادتِ دنیا و آخرت برسید واگر برغیر آن باشید ستمارا ایں دربعدہ فرمود خیر باد وبروید ونماز بگزارید۔'' (۴۳)

ترجمہ: ہمیشہ حق کے ساتھ رہو اَور اُس پر قائم رہو اَور حق کی ادائیگی میں ثابت قدم رہو، ہمیں یاد بھی رکھنا ہے اور معاف اور درگزر بھی کرنا ہے، اگر یہ وفاداری نبھا سکو تو ہمارے مشہد پر ایک سال تک ہمارے مجاور (پڑوسی) بن کر قیام کرنا، ''اورادفتحیہ'' پڑھتے رہنا۔ ان چند نصیحتوں پر عمل کرلو تاکہ دنیا وآخرت کی سعادت مندی حاصل کرلو گے، اگر اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اپنا لو گے تو اُس کے جواب دہ تم خود ہو گے جاو! اللہ کے حفظ وامان میں اور نماز اَدا کرو۔

حضرت امیر علیہ الرحمہ کی یہ آخری وصیت جہاں ہمیں خدا ترس اور حق پرست بنے رہنے کی دعوت دے رہی ہے وہیں حضرت امیر علیہ الرحمہ کا ساتھ نبھانے اور دائماً ''اورادفتحیہ'' پڑھنے کی تلقین وتاکید وہدایت بھی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق عطا فرمائے۔

اس مبارک وصیت اور نصیحت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نصف شب یعنی آدھی رات تک ''یااللہُ، یاحبیبُ، یا رفیقُ، یاحبیبُ'' کا ورد کرتے رہے تا آں کہ خالق حقیقی سے جا ملنے کا وقت آن پہنچا تو آپ نے بسم اللہ شریف کی تلاوت کرتے کرتے روح کی امانت اس کے حقیقی مالک کے حوالے کردی۔ (۴۴) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

حضرت شاہ ہمدان کریم
آیۂ رحمت ز کلام قدیم
گفت دمِ آخر و تاریخ شُد
بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

حوالہ جات

۱۔تذکرۂ علمائے ہند،ص:۸، ۱۴۸، دائرہ معارف اسلامیہ، جلد:۱،ص:۳۹۲
۲۔سید میر علی ہمدانی اَز ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر،ص: ۱۴
۳۔خلاصۃ المناقب، برگ: ۴/الف
۴۔خلاصۃ المناقب برگ:۱۵
۵۔خلاصۃ المناقب، برگ:الف
۶۔تاریخ حسن، جلد: ۳
۷۔خلاصۃ المناقب، برگ:الف
۸۔سید میر علی ہمدانی،ص: ۳۲
۹۔خلاصۃ المناقب، برگ: ۱۲/ب
۱۰۔خلاصۃ المناقب، بارگ:۹۷/الف،نسخہ خطی، استنبول
۱۱۔سید میر علی ہمدانی،ص: ۲۷
۱۲۔خلاصۃ المناقب، برگ:۸۵
۱۳۔خزینۃ الاصفیا، جلد: ۲،ص: ۲۹۴
۱۴۔نفحات الانس،ص:۵۱۵
۱۵۔تذکرہ الاولیا کشمیر، جلد: ۳
۱۶۔تاریخ کبیر،ص:۱۲
۱۷۔سید میر علی ہمدانی،ص: ۶۴
۱۸۔رسالہ مستورات، برگ: ۷۴۳/ب
۱۹۔خلاصۃ المناقب، برگ: ۱۴
۲۰۔خلاصۃ المناقب، برگ:۹۵/الف
۲۱۔ذخیرۃ الملوک،ص:۸۱
۲۲۔خلاصۃ المناقب، برگ:۹۶
۲۳۔خلاصۃ المناقب، برگ:۱۶
۲۴۔خلاصۃ المناقب، برگ: ۶۷/الف
۲۵۔خلاصۃ المناقب، برگ: ۶۷/ب/ سید میر علی ہمدانی،ص: ۶۳
۲۶۔سید میر علی ہمدانی،ص: ۲۱۷-۲۱۸

۲۷۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۲۱۹
۲۸۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۵۰
۲۹۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۸۲
۳۰۔ خلاصۃ التواریخ، بٹالوی، ص:۱۲۹
۳۱۔ رسالہ مستورات، برگ:۳۷۴/ب
۳۲۔ کشمیر، جلد:۱، ص:۹۶
۳۳۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۸۳ بحوالہ تحائف الابرار، ص:۱۴ روغیرہ
۳۴۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۸۴ بحوالہ تحائف الابرار
۳۵۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۱۲۲
۳۶۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۸۴ بحوالہ خلاصۃ المناقب
۳۷۔ تحائف الابرار، ص:۱۷
۳۸۔ رسالہ مستورات، برگ:۴۳۹/الف
۳۹۔ تحائف الابرار، ص:۱۴
۴۰۔ طبقاتُ الاطبّاء، ص:۲۳
۴۱۔ تحائف الابرار
۴۲۔ کشمیر سلاطین کے عہد میں، ص:۲۳
۴۳۔ سید میر علی ہمدانی، ص:۸۹
۴۴۔ خلاصۃ المناقب، برگ:۹۹/الف
۴۵۔ خلاصۃ المناقب، برگ:۹۹/الف

نوٹ! اس مقالے کو لکھنے کے دوران ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر صاحبہ کی تصنیف ''سید میر علی ہمدانی'' زیر نظر رہی ہے، لہٰذا مطلوبہ حوالے مع حقوق سارے اُسی میں محفوظ ہیں۔ علمی دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ اس کو واضح کر دیا جائے۔ البتہ! مزید تحقیق و تسلی کے لیے اہم حوالوں کی تخریج بھی مقالے کے ساتھ درج کی گئی ہے۔

●●●

افکار و خیالات

کشمیر میں اِسلامی انقلاب اور شاہِ ہمدانؒ

لغت میں لفظ ''انقلاب'' کے معنی ہیں تغیر وتبدل، پُرانے سیاسی یا معاشی نظام کی جگہ نئے نظام کے نفاذ کو انقلاب کہتے ہیں۔(۱)

دورِ جدید میں انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم مانا جاتا ہے، ان میں سے ایک حصہ فرد کی اِنفرادی زندگی سے متعلق ہے جو مذہبی عقائد و رسومات پر مشتمل ہے، جب کہ دوسرا حصہ اجتماعی معاملات کو محیط ہے۔ زندگی کا یہ حصہ تہذیب، تمدن، ریاست اور سیاست سے متعلق ہے۔ آج کی اصطلاح میں انقلاب اجتماعی نظام میں تبدیلی کو کہتے ہیں اور اُس کے دائرے میں سارا Politico-Socio-Economic System آتا ہے۔

اَوراقِ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اِس زمین پر سب سے عظیم ہمہ گیر و ہمہ جہت انقلاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کی سرزمین پر برپا کیا اور اسی انقلاب سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے تقریباً ۷۰۰ رسال بعد شاہ ہمدان امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے کشمیر اور شمالی علاقہ جات، مظفر آباد، پونچھ، راجوری، میر پور، گلگت وغیرہ میں ایک عظیم اور محیر العقول انقلاب برپا کردیا جس سے آج تک ان علاقوں کے باشندگان مستفید ہورہے ہیں۔ یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کشمیر میں حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ محض ایک دینی مبلغ (Religious Preacher) کے طور پر ہی نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر وہمہ جہت اسلامی انقلاب کے نقیب کے طور پر نمایاں ہوئے اور آپ نے یہاں مساوات واُخوت کا وہ بے نظیر نظام متعارف کرایا جس کی نظر میں آقا و غلام، حاکم ومحکوم، امیر وغریب، اُونچی اور نیچی ذات والے سب برابر تھے۔ مجموعی طور پر

---

(۱) مرتب کتاب ہذا

تین سال کے ایک قلیل عرصے میں آپ نے نہ صرف ایک ایسے ملک کو حلقہ بگوش اِسلام بنایا جو ہزاروں سال سے بالکل مختلف روایات وعقائد میں بندھا ہوا تھا بلکہ ساتھ ہی معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام کو بھی پُراَمن طرزِ تبلیغ کے ذریعے تبدیل کروانے میں آپ کامیاب ہوئے۔

یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کشمیر میں اسلامی انقلاب کے خدوخال حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے خود ساختہ نہیں تھے بلکہ اُنھوں نے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے مستعار لیا اور اُس کی ترویج میں اپنی صلاحیتوں کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ دراَصل اسلامی انقلاب کا فلسفہ اللہ تعالیٰ کا ودیعت کردہ ہے جو وحی کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا جس میں اِنفرادی زندگی کے لیے بھی رہنمائی ہے اور اِجتماعی زندگی کے لیے بھی۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اُسی اُسوہ کو سامنے رکھ کر تبلیغ دین کا کام اَنجام دیا اور اِسلامی طرزِ حیات کی طرف لوگوں کو رَاغب کیا۔ اُن کی نظر میں نبوی بنیادوں کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقۂ انقلاب کو وضع کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہر دور کے انسان کے لیے مطابقت رکھتا ہے۔ کشمیر کے حوالے سے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے برپا کیے ہوئے انقلاب کے کئی پہلو ہیں اور شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی خوبی یہ ہے کہ آپ نے کسی نہ کسی درجے میں ان تمام پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز کی اور کشمیر کی تاریخ پر زبردست اَثرات مرتب کیے۔ آپ کے اس عظیم کام سے کشمیر میں اسلام کی بنیادوں کو مضبوطی ملی اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں اس قسم کے شواہد نہیں ملتے کہ آپ کے جانے کے بعد لوگ اپنے آبائی پُرانے عقیدے کی طرف لوٹے ہوں بلکہ بعد میں اسی قوم سے ایسے دینی رہنما اُٹھے جنھوں نے دینِ اِسلام کی اشاعت وتبلیغ میں قربانیاں دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔

اِن تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا مشکل ہے جن پر آپ نے اپنے اَثرات مرتب کیے۔ اَلبتہ! اِس مقام پر ہم کچھ اہم پہلوؤں کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کریں گے۔

ا۔ شرعی وسیاسی پہلو: اِنسانی معاشرے کے لیے صداقت وانصاف پر مبنی ایک نظامِ حیات اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ انسانی زندگی کے لیے ہوا اَور پانی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور اُس کے جملہ عقائد واَحکام انسان کے فطری تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ہی خالق کائنات نے مرحمت فرمائے ہیں۔ ان عقائد واحکام کا ماخذ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، لہٰذا حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے جگہ جگہ تعلیمی وتربیتی مراکز قائم کیے اور علوم اِسلامیہ کی ترویج واِشاعت کے لیے درجنوں کتابیں خود تحریر فرمائیں۔

آپ نے جگہ جگہ خانقاہوں اور مساجد کی تعمیر کروائی اور اُن کے ذریعے اسلامی علوم کو عام

لوگوں تک پہنچایا۔آپ نے اپنے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں کتابیں لائیں اور آگے بھی مسلسل وسطی ایشیا سے کتابیں منگواتے رہے تا کہ لوگ علم وحکمت سے آشنا ہوکر اپنی زندگیوں کو بدلیں۔ اِس سے اہلِ کشمیر کی نئی سیاسی، دینی، معاشی، تمدنی اور تہذیبی قوت محفوظ ہوگئی۔

اسلامی نظام العقائد کی اِساس عقیدہ توحید پر ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر شعبے کو توحید کے رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے۔''اورادفتحیہ'' کو اِجتماعی طور پر رائج کر کے آپ نے توحید کی حقیقت اور اُس کے لوازمات لوگوں کی زبانوں پر جاری کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کو اِجتماعی لاشعور (Collective Unconscious) کا حصہ بنادیا۔عقائد کے ساتھ ساتھ اسلام انسانی معاشرے کے استحکام اور بقا کے لیے قوانین بھی فراہم کرتا ہے تا کہ معاشرے کو لاقانونیت اور بے اعتدالیوں سے بچایا جاسکے۔اسلام ہر فرداَور قوم کی جان، مال اور عزت وآبرو کا ضامن ہے۔ چوں کہ ان عقائد وقوانین کو نافذ کرنے کے لیے حکمرانوں کا خصوصی رول ہوتا ہے اسی لیے شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے وقت کے حکمران طبقے کی اصلاح کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔اگر چہ آپ اپنے آبائی وطن میں خود ایک سیاسی طور سے بارُسوخ خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر آپ نے اس جانب توجہ نہیں دی۔

مشہور ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) اسی لیے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے نہ صرف سلاطین وقت کے نام کئی اصلاحی خطوط لکھے بلکہ ساتھ ہی اپنی شاہکار تصنیف ''ذخیرۃ الملوک'' کو اُسی طبقے کی اصلاح کے لیے خاص طور پر تصنیف فرمایا، اور اِس کام میں اُنھیں کامیابی بھی ملی۔ ان کی کوشش یہی رہی کہ صاحبانِ اقتدار دیندار، صالح اور تقویٰ شعار بن جائیں اور اُن کی کاوشوں سے معاشرہ صالحیت، صداقت، اور شرافت ومساوات کا آئینہ دار بن جائے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک قابل حکمران کی رہنمائی میں جب دینی اَقدار کو پنپنے کا موقع دیا جاتا ہے تو تہذیب وثقافت میں بھی دینی رنگ غالب آتا ہے اور اِس طرح پورا معاشرہ بہت ہی کم وقت میں اسلام بن جاتا ہے۔شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے ایک طرف ''اورادفتحیہ'' جیسے رسائل سے توحید باری تعالیٰ کے رُموز سے لوگوں کو رُوشناس کرایا، تو دوسری طرف آپ نے اِسلامی قوانین کی پاسداری و پابندی کے لیے مسلم حکمرانوں کو بھی اُبھارا اور اِس طرح اُنھیں خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے کشمیری معاشرے کا بغور جائزہ لینے کے بعد بدعات، رسومات بد اور غیر شرعی کاموں کو رُوکنے کی طرف خصوصی توجہ دی اور ایسی بہت سی رسوماتِ بد جو ہندوؤں کی دیکھا دیکھی میں مسلمانوں نے اپنا رکھی تھیں کا خاتمہ کروایا۔کشمیر کا بادشاہ تو مسلمان تھا مگر نظام حکومت سراسر غیر اِسلامی تھا، اسلامی تعزیراتی نظام نافذ نہ تھا، آپ نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور اَثر ورُسوخ سے

اِسلامی نظامِ حکومت نافذ کروایا۔ آپ نے کشمیری معاشرے کی تطہیر اپنی نگرانی میں کروائی، تمام عدالتوں میں اپنے ساتھی جو اُس وقت کے شیخ تھے کو بطور قاضی مقرر کروایا تا کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق ہو سکے۔

۲۔ روحانی واخلاقی پہلو: خانقاہی نظامِ تربیت کے ذریعے شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اپنے مریدین ومتوسلین کو تقویٰ، طہارت اور صالحیت کے زیور سے آراستہ کیا اور جو نہ صرف روحانیت کے بلند مقامات پر فائز ہوئے بلکہ ساتھ ہی اُنھوں نے سماجی اصلاح کے کام میں بھی بھر پور حصہ لیا۔ آپ نے کشمیر میں پہلے سے موجود صوفیا کو غاروں اور بیابانوں سے نکلنے کی ترغیب دے کر ایک نئی تبلیغی و رِفاہی جہت سے روشناس کرایا اور اِس طرح اُنھیں سماجی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ یہ اُن کاوشوں کا ہی ثمر ہے کہ آگے چل کر کشمیر کو شیخ العالم شیخ نورالدین نورانی رحمتہ اللہ علیہ اورسلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم رحمتہ اللہ علیہ جیسی جامع الکمالات شخصیات نصیب آئیں۔

تربیت پذیز سالکین کے ذریعے شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے مروجہ بدعات اور اَخلاقی بُرائیوں کے خلاف مثبت انداز میں کام شروع کیا جس میں اُنھیں بہت کامیابی ملی۔ آپ نے زاہدوں کی عبادت گاہیں اور سرائیں اور خانقاہیں بھی تعلیم وتدریس کے لیے مخصوص کروائیں اور دینی تعلیم کے فروغ کی جانب سب سے زیادہ توجہ دی، مساجد تعمیر کروائیں، آئمہ کرام کو مقرر کروایا، تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھانے کے ساتھ ساتھ اُن کے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔ آپ کے ہمراہ سیکڑوں عارفین کی جو جماعت تھی ان میں خطیب، مفسر، اورفقہا بھی تھے، اس کے علاوہ حافظ اور قاری بھی تھے، خطاط اور ماہرین تعلیم بھی تھے۔ آپ نے ہر فرد کو اُس کی اہلیت کے مطابق ذمہ داری تفویض کی، علما حضرات کو درسگاہوں میں متعین کیا تا کہ ملک میں پڑھے لکھے جوان پیدا کیے جائیں، جس قدر فقہا حضرات تھے اُن کو عدالتوں میں قاضی مقرر کروایا، خطبا کو یہ خدمت سونپی کہ دور دَراز کے لوگوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں، قرا و حفاظ کرام کو قرآنی تعلیم عام کرنے پر زور دیا اور مساجد کی امامت اُن کے سپرد کی لوگوں کو صوم وصلوٰۃ کا پابند بنائیں اور مساجد میں بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ ماہرین تعلیم کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ وہ طلبا کو دینی ودنیوی تعلیم سے آراستہ کریں اور درسگاہیں قائم کریں۔(۲)

شاہ ہمدان کی کشمیر آمد سے پہلے معاشرہ کئی برائیوں کی آماجگاہ بن چکا تھا آپ نے دعوتی کاوشوں سے زنا کاری، قمار بازی، شراب نوشی اور دیگر جرائم چھڑوانے میں اہم رول انجام دیا، اس وقت مسلمانوں میں نیوگ کا مسئلہ رائج تھا، اور قحبہ خانے موجود تھے۔ اس وقت ایسے رہبر کامل کی ضرورت تھی جو بگڑے ہوئے حالات کو سنوارے اور سچائی کی ایسی تعلیم پیش کرے جس کے

سامنے ہر ایک سرِ تسلیم خم کرے۔

آپ نے نہ صرف لوگوں کو اُن جرائم کی طرف جانے سے باز رہنے پر اُبھارا بلکہ ساتھ ہی حکمرانوں کو جرائم روکنے کے لیے سخت قوانین نافذ کرنے پر آمادہ کیا۔ ناانصافی اور جرائم کا قلع قمع ہوتے دیکھ کر غیر مسلمین کی ایک بڑی تعداد متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

۳۔ معاشی وثقافتی پہلو: انسان کسی حال میں اسباب معیشت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ تنگ دستی، بھوک وافلاس میں اُس کی بندگی بھی ناقص رہ جاتی ہے۔ ضروریاتِ زندگی میسر ہوں تو انسان کا ذہن مطمئن ہو جاتا ہے اور دل میں ذکر الٰہی اور عبادات کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ شاہ ہمدان اِس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ معاشرے میں اسلام تب ہی اپنی جڑوں کو مضبوط کر سکتا ہے اور اپنے برگ و بار پھیلا سکتا ہے جب لوگوں کی معاشی و اقتصادی مشکلات کا ازالہ کیا جائے۔ ''دست بہ کار و دل بہ یار'' کے بمصداق آپ نے لوگوں کو دینی شعور کے ساتھ ساتھ رزق حلال کے گر بھی سکھا دیے۔ آپ نے صنعت وحِرفت کی طرف خصوصی توجہ دی اور بے روزگاری و اَفلاس کے خاتمے کے لیے لوگوں کو مختلف فنون کی طرف راغب کیا۔ رُوحانی عظمت کے باوجود آپ عام آدمی کی طرح خود ایک کاسب تھے اور ٹوپیاں سینے کے کسب سے رزق حلال کماتے تھے۔ چوں کہ شاہ ہمدان ایک سچا جذبہ لے کر کشمیر آئے تھے وہ حکومت یا اِقتدار کے خواہش مند نہ تھے بلکہ ایسی زمین چاہتے تھے جہاں اسلام نافذ کر کے خلافت راشدہ اور عہد نبوی کے دور کی یاد تازہ ہو۔ اس عظیم تحریک میں سلطان شہاب الدین نے آپ کا پورا ساتھ دیا۔ اسلامی قانون کے نفاذ کے ساتھ آپ نے کشمیر کے تاجروں اور صنعت کاروں کے اندر جذبہ پیدا کیا کہ وہ گراں فروشی نہ کریں۔ تجارت کو اِسلامی اصولوں کے مطابق چلا کر اُنھوں نے بڑے بڑے تاجروں، جاگیرداروں اور زَمینداروں میں تحریک پیدا کی کہ وہ مساوات پر عمل کرتے ہوئے تمام ارضیات اپنے اپنے کاشتکاروں میں تقسیم کر دیں تاکہ کشمیر میں معاشی ناہمواری نہ ہو۔ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی کشمیر تشریف آوری سے پہلے یہاں کے معاشرے میں کافی معاشی ناہمواریاں تھیں، آپ نے اسلامی نظام عشر وزکوٰۃ نافذ کروایا تاکہ غربا و مساکین کی سرکاری طور پر مدد کی جا سکے اس نظام کے ذریعے غربا اَور فاقہ کشوں کا مسئلہ حل ہو گیا کیوں کہ محتاجوں کو ماہوار اِمداد ملنے لگی اور اِس طرح گداگری کا خاتمہ ہو گیا۔ (۳)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے جو معاشی و اقتصادی انقلاب برپا کیا، اُس کے خصائص بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر شمس الدین احمد لکھتے ہیں:

یہ ایک فکری تربیت تھی اور ایک ذہنی انقلاب تھا جو حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اہل کشمیر میں پیدا کیا۔ اس اہم فکری اور ذہنی انقلاب کی محکم بنیاد پر بعد کے آنے والے دینی معماروں نے

وہ عمارت نصب کی جس میں اُنھوں نے ثبات دوام کے رنگ بھر دیے یہ تعمیر چوں کہ مردان خدا کے ہاتھوں ہوئی اِس لیے زوال سے محفوظ رہی۔حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے ساتھ جو ماموران نشر دین الٰہی تھے۔اُن میں سے ہر ایک فرد خود اُن ہی کی طرح زندگی کے اُمور سے متعلق مختلف فنون میں قدرت رکھتے تھے، وہ معمار تھے،طبیب،تجارت پیشہ تھے،زراعت پیشہ تھے،مہندس تھے،دستکار تھے،اورعلم دین میں مہارت رکھنے کے علاوہ روحانی بلندیوں سے بھی سرفراز تھے۔ وہ شاعر بھی تھے،اوراَدیب بھی تھے،خطاط بھی تھے اور صحاف بھی۔یہ تربیت اُن کو اِس لیے حاصل تھی کہ بیگانے ملک میں اپنی ماموریت یعنی دین اِسلام کی تبلیغ اورنشر و اشاعت میں اور اِسلام کے نظام کو تعمیر کرنے کے دوران اگر کوئی شگاف پیدا ہو اُس کو خود بند کرسکیں اور کوئی کمی واقع ہو تو اُسے پورا کریں اور اُس کی استواری اور مضبوطی کو یقینی بنائیں۔اسی لیے یہ حضرات اَول عالم تھے اور بعد میں پیشہ ور۔علم ہی کی بنیاد پر شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے کلمہ توحید کا نعرہ دے کر اَہل کشمیر کو اَپنے گرد جمع کرلیا۔(۴)

صنعت وحرفت کے ساتھ ساتھ آپ نے یہاں کی ثقافت پر بھی کافی اَثرات مرتب کیے۔ آپ کے ذریعے کشمیر میں فارسی زبان وادب کو ایک نئی طاقت مل گئی۔عربی زبان کی تفہیم وتدریس باقاعدہ طور پر خانقاہوں میں رائج ہوئی جس سے قرآن فہمی کی طرف خاصی پیش رفت ہوئی۔صوفی شاعری کے اعلیٰ نمونے لوگوں کو دستیاب ہونے لگے اور فارسی شعری روایت ادبی حلقوں میں متعارف ہوئی اور اُس کے زبردست اَثرات کشمیری زبان وشاعری پر آج بھی بآسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔

۴۔ **دعوتی پہلو:** کسی اَچھائی اور خوبی بالخصوص دینی اُمور کو دوسرے افراد واَقوام تک پہنچانے اور اُنھیں قبول کرنے کی دعوت دینے کو اِسلام میں لازمی قرار دیا گیا ہے۔دعوت سے مراد لوگوں کو اَللہ کے دین کی طرف بلانا اور آمادہ کرنا ہے۔

دعوت کے مختلف ذرائع وطریقے ہوسکتے ہیں، ہر قولی وعملی کوشش جو لوگوں کو اَللہ کے دین کی طرف مائل کرنے کے لیے کی جائے ''دعوت'' کہلاتی ہے۔اِس لحاظ سے دیکھیں تو حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی ساری زندگی دعوتِ دین کا ایک بہترین نمونہ نظر آتی ہے کیوں کہ آپ نے اپنی ساری زندگی اللہ کے دین کی خدمت میں ہی لگادی۔آپ نے قران کریم کے منہج کے مطابق عمل اور کردار سے دعوت کا کام انجام دیا۔اپنے اخلاق اور رُوحانی کمالات کی بدولت آپ نے بڑے بڑے جوگیوں،جادوگروں اور فاسقوں کو زیر کیا اور اُن کے قلوب کو اِسلام کی طرف مائل کیا۔آپ کے قول وفعل میں کسی قسم کا تضاد نہ تھا اور آپ خود بھی اس دعوت پر عمل پیرا تھے جس کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔چوں کہ انسانیت سے محبت اور اُن کی خیرخواہی دعوت اسلامی کا بنیادی عنصر ہے

اِس لیے آپ حبِ انسانیت کے جذبے سے سرشار تھے۔ جبر و اِکراہ کے استعمال سے آپ نے اجتناب کیا اور پُرامن دعوتی، تعلیمی اور ثقافتی بنیادوں پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر کر کے لوگوں کو اس دار السلام کی طرف بلایا۔لوگ دعوت کے اِس انداز سے اِس قدر متأثر ہوئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے۔آپ نے شدت پسندی، بنیاد پرستی اور عسکری محاذ آرائی کے بجائے رُوحانی واخلاقی اقدار کی بنیاد پر دعوت دین کا کام کیا اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت لوگوں کو دینِ حق کی طرف متوجہ کیا۔آپ نے خشک مذہبیت کے بجائے اِسلام کو جمالیاتی طور پر پُرکشش روحانی نظامِ فکر کے طور پر متعارف کیا اور تدریج کے اصول کو ذہن میں رکھ کر سماج کے سب سے بااَثر اور ذہین طبقے کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

دعوتِ دین میں حکمت کی غیر معمولی اہمیت ہے۔حکمت دعوت کا لازمی جز ہے جس کو دعوتِ دین میں ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہوتا ہے۔مختلف مفکرین نے حکمت کی تعریفیں مختلف زاویوں سے پیش کی ہیں جن میں قول و فعل کی پختگی اور دُرستگی، علم و عقل کے ذریعے اشیا کی حقیقتوں کی شناخت یا اشیا کو اُن کے صحیح موقع و محل پر رکھنا ہے۔مختلف مذاہب کے درمیان اُمورِ مشترکہ دلوں کی قربت کا سبب ہیں جس کو قرآن تالیفِ قلب کا نام دیتا ہے۔حکمتِ عملی کا تقاضا ہے کہ مکمل انکار کے بجائے مفاہمتی رویہ اختیار کیا جائے جیسے کہ قرآن نے تمام مذاہب کے افکار کا انکار نہیں کیا بلکہ ان مشترکہ صداقتوں پر اِشتراک کی دعوت دی جو انسانوں میں باہم موجود ہوتی ہیں مختلف مذاہب کے ساتھ یہ مکالمہ تصادم کو ختم کرنے اور اِشاعت اسلام میں انتہائی مددگار ہوتا ہے۔شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اِس حکمتِ عملی کو دعوتی کام میں ہمیشہ مدنظر رکھا اور اُس کے فوائد بھی اُن کو حاصل ہوئے۔کشمیر کے ایک مشہور عالم دین اور ''اورادِ فتحیہ'' کے شارح مولانا عبدالکبیر لکھتے ہیں:

''حضرت امیر قدس سرہ جس وقت کشمیر میں رونق افروز ہوتے ہیں۔اس وقت کشمیر کے منادر میں پوجا زور زور سے بلند آواز کے ساتھ کی جاتی تھی۔خصوصاً کالی شوری مندر میں پوجا تو گلے پھاڑ پھاڑ کر کی جاتی تھی۔حضرت تو حکیم الامت تھے اور اَسرارِ شریعت کے واقف۔آپ نے اس کا رَدِّ عمل اس طرح کیا کہ آپ نے تمام مساجد میں اَوراد و وظائف جہر سے پڑھنے کی تجویز فرمائی۔اس میں تازہ ترین اور نو وارد مسلمانوں کے لیے تالیفِ قلبی منظور تھی۔اس قسم کی تبلیغ تبلیغ بالمثل کہی جاتی ہے۔''(۵)

تبلیغ کے دوران آپ نے لوگوں کی ذہنی سطح بھی مدنظر رکھی اور آپ نے دعوت کا وہ طریقہ اختیار کیا جس سے سامعین اُن کی طرف کھچتے چلے گئے اور اُن کے شکوک وشبہات آپ کی نگاہِ کرم سے کافور ہو گئے۔

ڈاکٹر شمس الدین احمد کچھ اس طرح آپ اور آپ کے رفقا کی مدح میں رطب اللسان ہیں:

شاہ ہمدان رحمہ اللہ جیسے راسخ فی العلم امیر کارواں، اپنے باکمال مؤمنین دین اسلام اور خدائے اِسلام کو ساتھ لے کر حکمت ونصیحت کے اسلحہ سے لیس اس ظلمت کدے میں داخل ہوئے۔ یہ سارے مبلغین اسلام، خود دینِ اسلام کا صحیح نمونہ تھے، شریعت وسنت نبوی کی بہترین مثال تھے۔ اسلامی تعلیمات اور آداب واوامر کے پابند تھے۔ مخلص، بے لوث اور بے ریا خادم تھے۔ اُن کی گفتگو، اُن کا رہن سہن، اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، اُن کی وطن سے دوری کی قربانی، خویش واَقارب سے فراق، اُن کا سفر اور قیام اور اُن کی زندگی، اُن کی عبادت وریاضت، اور اُن کی موت، صرف اور خالص رب العالمین کے لیے تھی۔(۶)

حوالہ جات

۱۔ فیروز اللغات (اُردو)، ص:۹۱

۲۔ بلتستان اور کشمیر میں بیسویں صدی کے ممتاز بزرگان قادریہ کی دینی وعلمی خدمات، محمد اِسرائیل خان، شعبہ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی، ص:۱۵۹

۳۔ محولہ بالا، ص:۱۵۷-۱۵۸

۴۔ شاہ ہمدان: حیات وکارنامے اَز ڈاکٹر شمس الدین احمد، ص:۲۶۷

۵۔ التحفۃ المرضیۃ علی الاوراد الفتحیہ، مولانا عبدالکبیر، اَشرف بک سینٹر، سری نگر، ص:۳۴

۶۔ شاہ ہمدان: حیات وکارنامے اَز ڈاکٹر شمس الدین احمد، ص:۲۶۱

●●●

میر امتیاز آفریں([1])

شاہِ ہمدانؒ: عصرِ حاضر کے تناظر میں

وقت است کہ بگشائم میخانۂ رومی باز
پیرانِ حرم دیدم در صحنِ کلیسا مست

(علامہ اقبالؒ)

ترجمہ: وقت آ گیا ہے کہ رومی کے میخانے کو دُوبارہ کھولا جائے کہ میں نے حرم کے پیروں کو صحنِ کلیسا میں مست دیکھا ہے۔

ہماری یہ دنیا ہر لحظہ تغیر پذیر ہے اور اِس میں بہت کم ایسی شخصیات دیکھنے کو ملتی ہیں جو اَپنے وقت کے محدود فکری دائرے سے باہر نکل کر ہر دَور کے لیے مطابقت رکھتے ہوں۔ بلاشبہ اگر تاریخ عالم میں ایسی شخصیات کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جائے جو اَچھا خاصا وقت گزارنے کے بعد بھی جدید دور کے ساتھ ہم آہنگی اور مطابقت رکھتے ہوں تو اُن میں حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ ضرور اَپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوں گے۔ اگرچہ آپ چودہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں مگر آج اکیسویں صدی میں بھی آپ کی شخصیت علم و فضل کے آسمان پر مہرِ تاباں کی طرح ہر سوُ اَپنی روشنی بکھیرتی نظر آتی ہے۔ دورِ جدید علم و تحقیق کا دور ہے، فرضی خیالات اور اَساطیری داستانوں کا نہیں۔ شاہ ہمدان علیہ الرحمہ اگرچہ ایک صوفی تھے مگر وہ اَپنے وقت کے مادی علوم و فنون سے پوری طرح آگاہ نظر آتے ہیں۔ وہ دینی اور دنیوی معاملات میں توازن قائم رکھتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق انسان کے مادی (Physical/Material) اور رُوحانی (Spiritual) تقاضوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں سمجھتے بلکہ اُنھیں ایک نامیاتی وحدت (Organic Whole) کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اُن کی شخصیت میں، جسم و رُوح، عقل و عشق اور دُرویشی و سلطانی کا ایک حسین امتزاج

([1]) مرتب کتاب ہذا

نظر آتا ہے۔ ''رسالۂ عقلیہ'' کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اگر چہ وہ انسانی عقل کی عظمت کے قائل ہیں مگر ساتھ ہی وہ انسان کو عقلِ سلیم پیدا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں اور عقلِ سلیم وہی ہے جو شریعتِ محمدی کی تعلیمات کے مطابق سوچے اور عملِ صالح پر اُبھارے۔ اُن کے ایک دوسرے رسالہ ''حفظانِ صحت'' کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ Medical Science کی باریکیوں سے بھی بخوبی واقف ہیں اور حفظانِ صحت کے لیے صحیح خوراک اور وَرزش کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ وہ ایک رُوحانی مرشد کے رُوپ میں کشمیر تشریف لائے مگر ساتھ ہی ایک عظیم فکری وثقافتی انقلاب کے داعی کے طور پر کشمیر کی تاریخ میں اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ اُنھوں نے نہ صرف اسلام کی آفاقی بنیادوں پر کشمیر کے معاشرے کو تعمیر کرنے کا عزم کیا بلکہ ساتھ ہی معاشی، سیاسی، عمرانی اور ثقافتی استحکام کے لیے کاوشیں شروع کر دیں۔ ہمارے سامنے اَن گنت گوشے ہیں جن میں آج بھی اُن کی فکر ہمیں رہنمائی فراہم کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اگر چہ اُن تمام گوشوں کا احاطہ کرنا مشکل ہے، پھر بھی کچھ پیشِ خدمت کیے جاتے ہیں:

ا۔ جامع الکمالات شخصیت: حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں وہ جامعیت پائی جو عام طور پر بڑی شخصیات میں بھی نہیں پائی جاتی۔ آپ ایک تاریخ ساز انسان تھے جو بیک وقت ایک مبلغ بھی تھے، فلسفی بھی، شاعر بھی، مصنف بھی، مصلح بھی، پیرِ کامل بھی، سیاح بھی اور ایک عظیم عالمِ دین بھی۔ ایک طرف آپ شارحِ ابن عربی وغزالی بھی ہیں اور دوسری طرف محدثین وفقہا کے علمی وارث بھی۔ آپ کے ایک اُستاد سید علاؤ الدین سمنانی کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے معتبر محدثین میں شمار کیا ہے۔(ا) آپ کی تصانیف جیسے منہاج العارفین، ذخیرۃ الملوک، رسالہ درویشیہ، رسالہ عقلیہ، مقامات صوفیہ، مصطلحات صوفیہ، روضۃ الفردوس، الناسخ والمنسوخ فی القرآن المجید، شرح اسماء الحسنیٰ، منازل السالکین، فی علماء الدین، مکارم اخلاق، چہل اسرار، اورادفتحیہ، شرح حل الفصوص، مکتوبات وغیرہ میں بیک وقت ابن عربی، امام غزالی، رومی، جامی اور دیگر روایتی محدثین وفقہا کے اَثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آپ کے کلام میں کبھی تو سعدی کی حکیمانہ روش دیکھنے کو ملتی ہے اور کبھی رومی اور جامی کا سوز وگداز، کبھی غزالی وابن عربی کی بلند پروازی تو کبھی رازی وابن سینا کی نکتہ آفرینی۔ آپ کی جملہ کتب کے موضوعاتی تنوع کو دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ آپ ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے، معقول ومنقول اور علم وعرفان کے دریا آپ کی ذات میں موجزن تھے۔ برصغیر پاک وہند کے مشہور صوفی حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحبِ نظر بزرگ نے آپ کی جامع الکمالات شخصیت کو دیکھ کر یونہی نہیں فرمایا تھا: ''وہ (شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ) مثلِ خورشید کے تھے اور میں ذرّہ کی طرح اُن کے ہمراہ تھا۔''(۲)

۲۔نظریۂ حیات: شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی ترجیحات انسان کی جگہ خدا، جسم کی جگہ روح اور دنیا کی جگہ آخرت ہے۔ وہ معبود برحق کی طاعت و بندگی میں زندگی گزارنے کے قائل ہیں۔ اُن کی نظر میں انسان کی سب سے بڑی ترجیح اپنے معبود برحق کی عبادت ومعرفت ہونی چاہیے اور اسی مرکز کے گرد ایک انسان کی جملہ ترجیحات ہونی چاہیے۔ اُن کی نظر میں ایک مومن تب ہی کاملیت حاصل کرسکتا ہے جب وہ علم اور عرفان کے دو دریاؤں کا سنگم بن کر اُبھرے۔ وہ سالک کو عقل، نقل اور وجدان کا بحر بیکراں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ''اورادفتحیہ'' کے آخر میں درج دعائے رقاب میں وہ رب سے دعا مانگتے ہیں جو اُن کے جملہ فلسفۂ حیات کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: اللّٰهم اجعلنا مشغولين بأمرك، آيسين من خلقك، آنسين بك، متوحشين عن غيرك، راضين بقضائك، صابرين علىٰ بلآئك، قانعين لعطائك، شاكرين لنعمآئك، متلذّذين بذكرك، فرحين بكتابك، مناجين بك في اٰناء اللّيل و اطراف النّهار، مبغضين للدّنيا و محبين للأخرة، مشتاقين إلى لقآئك، متوجهين إلى جنابك، مستعدين للموت۔

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنے حکم کی ادائیگی بجالانے میں مشغول رکھ، اپنے انصاف سے اطمینان میں رکھ، اپنی مخلوق سے نا اُمید رکھ، اپنی ذات کے ساتھ محبت کرنے والے بنا، اپنے غیر سے دور رکھ، تیرے فیصلے سے راضی رہنے والے بنا، تیری طرف سے مصیبتوں پر صبر کرنے والے بنا، تیرے دیے ہوئے پر قناعت کرنے والے بنا، تیری نعمتوں پر شکر گزار بنا، تیرے ذکر سے لذت حاصل کرنے والے بنا، تیری کتاب سے تیرے ساتھ راتوں کو اور دن میں سرگوشی کرنے والے بنا، دنیا سے بے رغبت اور آخرت سے محبت کرنے والے بنا، اپنے دیدار کے متمنی بنا، تیری بارگاہ کی طرف متوجہ ہونے والے اور ہر وقت موت کے لیے تیار رہنے والے بنا۔ (۳)

۳۔نظریہ احسان وتصوف: شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کے نزدیک تصوف رسم پرستی اور قبر پرستی کا نام نہیں بلکہ خالق کائنات کے ساتھ رشتۂ عبدیت نبوی بنیادوں پر اُستوار کرنے اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کا نام ہے۔ اپنی تحریروں میں سلوک وتصوف کو وہ شریعت کے حدود کے اندر رکھنے کی وکالت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن کے نزدیک رسم پرست اور ریاکار نام نہاد صوفیا نے ہی تصوف واحسان کے اِس چشمۂ صافی کو گدلا کردیا ہے جسے قرآن وسنت کی تعلیمات سے صاف وشفاف رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ ہر سچے صوفی کی ذمہ داری ہے۔ جس تصوف کے آپ علمبردار ہیں اُس کا مقصد معاشرتی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہوکر رُوحانی علوم کی تحصیل نہیں بلکہ ''دست بہ کار ودل بہ یار'' کے مصداق دنیا میں رہ کر سماجی ذمہ داریوں کو نباہ کر خالق کائنات کی معرفت میں اعلیٰ منازل پر گامزن ہونا ہے۔ جس دور میں دیگر صوفیا گوشہ نشینی میں ہی عافیت سمجھتے تھے، آپ نے

تقریباً پوری مسلم دنیا کا تین بار سفر کیا اور تحصیل علم کے ساتھ ساتھ سیاحت وتبلیغ کو اپنا شعار بنایا۔ اپنی اکیس سالہ سیر وسیاحت میں آپ نے نہ صرف گراں قدر تجربات حاصل کیے بلکہ اُسی دوران آپ نے اپنے دور کے تمام عظیم علما وزُہّاد سے بھی اکتساب فیض کیا۔ آپ نے اکتساب علم کے لیے اور دین مبین کی تبلیغ کے لیے زبردست مشقتیں برداشت کیں، کبھی خطرناک پہاڑوں میں اُلجھ گئے اور کبھی یخ توڑ کر وضو اور غسل فرمایا اور یوں اِستقامت کے ساتھ دین حق پر ثابت قدم رہے۔ (۴)

حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ فلسفیانہ اور عملی تصوف میں اعتدال قائم رکھتے ہیں۔ ابن عربیؒ اور اِبن تیمیہؒ کے متصادم نظریات ومناکشات میں درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ آپ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے زبردست مداح تھے اور اُن کی مشہور کتاب ''فصوص الحکم'' کی دو شرحیں بھی تحریر فرمائیں مگر اُن کے تفردات سے اختلاف ظاہر کرتے ہوئے آپ نے اُن کی تاویل کرنے کی کوشش کی۔ زبردست احترام کے باوجود جہاں ضروری سمجھا اُن کے کچھ نظریات سے اختلاف بھی کیا اور کئی مواقع پر وضاحت بھی فرمائی ہے۔

اصولی طور پر آپ صوفی تھے۔ رُوحانی مشاہدات آپ کے معمولات کا ایک اہم حصہ تھے۔ بار بار اَللہ کی طرف سے آپ کو اِشاراتِ غیبیہ سے فیضیاب کیا جاتا ہے اور آپ کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ آپ کو کشمیر تشریف لے جانے کا حکم باطنی طور پر خود رَسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتے ہیں اور جب آپ اَولیائے کرام سے مختلف گراں قدر وظائف حاصل کرتے ہیں تو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آستین مبارک سے ایک جزو نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں:

خُذْ هٰذِهِ الْفَتْحِيَّةَ۔ یعنی اِس فتحیہ کو لے لو، اور اِسی اشارہ سے اس جزو کا نام ''اورادِ فتحیہ'' رکھتے ہیں۔ (۵) صوفی ہونے کے باوجود آپ نے کبھی بھی شریعت کے تقاضوں سے بے اعتنائی نہیں برتی اور مقاصدِ شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے سالکین کے لیے فکری وعملی دستور مرتب فرمایا جو آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ آپ کے دور میں اکثر علمارِیا ونام ونمود کے طلبگار بن چکے تھے۔ وہ ''قاضی القضاۃ'' اور ''شیخ الاسلام'' جیسے سرکاری عہدوں کے حصول کو اَپنا مقصد حیات بنا چکے تھے۔ صوفیا رَسم پرستی، فکری جمود اَور عملی بے راہروی کے شکار ہو گئے تھے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مومنانہ بصیرت سے دونوں طبقات کو رَاہِ راست کے روشن نقوش دکھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

۴۔ سیاسی افکار: شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ دیگر صوفیائے کرام کی طرح ہی اقتدار کے حریص اور طلبگار نہیں تھے بلکہ سیاسی عہدوں اور شاہانہ عیش وعشرت سے ہمیشہ کے لیے بے رغبت ہو چکے تھے۔ وہ خود سیاسی طور پر بااَثر خاندان کے چشم و چراغ تھے اور اُن کے والد ایک اہم سیاسی

عہدے پر فائز تھے مگر اُنھوں نے اس نام ونمود اَور شاہانہ عیش وعشرت کو ٹھوکر مار کر خدا شناسی کے میدان میں قدم رکھا۔ اگر چہ وہ سیاسی ہنگاموں سے لاتعلقی کا اعلان کر چکے تھے لیکن وہ مسلمانوں کو درپیش سیاسی بحرانوں سے بھاگ کر اپنی ذمہ داریوں سے کیسے منہ موڑ سکتے تھے۔ وہ مملکتِ انسانیہ کو علیٰ منہاج النبوۃ اُستوار کرنے کے متمنی تھے تاکہ چاروں طرف امن وسکون اور عدل وانصاف کا دوردورہ ہو۔ خود کو کسی سیاسی لیڈر کے بجائے وہ بطور ناصح الملوک اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو نباہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سلطان قطب الدین آپ کا عقیدت مند تھا اور اُس نے ایک بار اپنی ساری سلطنت قدموں میں نچھاور کرنے کی پیشکش کی مگر آپ نے ٹھکرا دیا اور حاکم کی جگہ مصلح بن کر رہنا پسند فرمایا۔ آپ کے دور میں اہل سیاست زبوں حالی کے شکار تھے۔ وہ عیاشی اور نفس پرستی میں مبتلا تھے۔ طاؤس ورُباب نے اُنھیں ملتِ اسلامیہ کو درپیش مصائب وآلام سے بے خبر کر دیا تھا۔ سارے وسط ایشیا میں منگولوں کے حملوں نے مسلم سلطنتوں کی کمر توڑ دیے تھے۔ مسلم حکمران کم ہمتی، کاہلی اور بداَخلاقی کے سبب اندر سے انتہائی کمزور پڑ چکے تھے۔ سیاست سے حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کا اصلاً کوئی سروکار نہ تھا، تاہم امام غزالی کی طرح اپنے وقت کے کئی حکمرانوں سے اُن کے مراسم تھے، جن کے نام وہ اصلاحی مکاتیب بھی لکھتے رہے اور اُنھیں دعوتِ فکر وعمل دیتے رہے۔ اُنہی حکمرانوں کی اِستدعا پر اُنھوں نے ایک کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' بھی لکھی جو دس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے پانچویں باب میں شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت وسلطنت کے بارے میں اپنے خیالات تفصیل سے ظاہر کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ اسلامی اُصولوں پر مشتمل اور خلفائے راشدین کے طرز پر حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ اُن کے مطابق اسلام کو حکومت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مذہب کے بغیر معاشرہ ایک شتر بے مہار ہو کر رَہ جاتا ہے۔(۶)

شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ رعایا اور سلطان دونوں کی اخلاقی تربیت میں مصروفِ عمل رہے اور یہ اُن کی سیاسی دوراَندیشی کا ہی ثمرہ ہے کہ بہت جلد اَیسے حکمران ملک کشمیر کو میسر آئے جنھوں نے اسلام کی تبلیغ واِشاعت اور معاشرے کے استحکام کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کشمیر کے بادشاہ قطب الدین اور فیروز تغلق کے درمیان سیاسی رسہ کشی پیدا ہوگئی جس کے نتیجے میں حالات اس حد تک پہنچ سکتے تھے کہ ملک کشمیر پر باقاعدہ حملہ کیا جاتا مگر حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حکمت عملی سے دونوں میں صلح کروادی جس سے اَمن وامان قائم رکھنے میں مدد ملی۔

۵۔ مذہبی رواداری: حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ ایک سچے مسلم داعی کی طرح

لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ اور لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ کے قرآنی فارمولے کے مطابق دعوت دین میں جبر وتشدد کے قطعاً قائل نہیں تھے۔ مستند کتب تاریخ کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ جب حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ وارد کشمیر ہوئے، اُن کے پاس کوئی فوج اور تلواریں نہ تھیں بلکہ وہ روحانیت کے ساز وسامان سے لیس تھے۔ اُنھوں نے اپنے رُوحانی کمالات اور منصوبہ بند دعوت سے لاکھوں انسانوں کو دین اسلام میں داخل کیا۔ غربت اور ذات پات کے پاٹوں میں پسے ہوئے لوگوں نے اس دعوت کا زبردست خیر مقدم کیا، کیوں کہ آپ نہ صرف اُن کی روحانی تسکین کا سامان ساتھ لے کر آئے بلکہ آپ نے ساتھ ہی ایک معاشی پیکیج بھی فراہم کیا جس سے مادی ورُوحانی دونوں قسم کے مسائل کا مداوا ہوا۔

حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ دیگر صوفیا کی طرح عدم تشدد کے علمبردار تھے۔ آپ کی نظر میں نفسانی خواہشات کا قلع قمع کرنا جہادِ اکبر ہے۔ آپ کی نظر میں تزکیہ نفس کے لیے ریاضات ومجاہدات لازمی ہیں اور ایک سالک نفس پر قابو کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جب ہم حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے دور کو تاریخ کی معتبر کتب میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو کہیں بھی مذہبی، مسلکی، وطنی، سیاسی اور نسلی ٹکراؤ یا تصادم ہمیں نظر نہیں آتا اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ صلح وآشتی کے علمبردار تھے۔

۶۔ ہمہ گیر اسلامی انقلاب: اشاعت دین کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے کشمیر کی تہذیب وتمدن، ثقافت اور طرزِ معاشرت میں بھی ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ آپ نے اپنے بہت سے ہمراہیوں کو جن میں علما، اہل فن، ماہر طب وحکمت اور ماہر زراعت شامل تھے، مستقل طور پر کشمیر میں رہنے دیا تھا۔ جن سے اہل کشمیر نے بہت کچھ حاصل کیا۔ یہ سب اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ آپ نے ''معاش السالکین'' کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جس میں اپنے مریدین کو اَپنے ہاتھوں سے اپنا رُوزگار کمانے کی تلقین کی تاکہ وہ ایک طرف حلال رزق کمائیں اور دوسری طرف خود کفیل بن جائیں۔ اُن کے نزدیک کام عبادت ہے، وظیفہ ہے اور اس کے ذریعے سے مقام احسان تک رسائی ممکن ہے۔

شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں کی بدولت اَب کشمیری عوام کا ذریعہ رُوزگار شال بافی، پشمینہ بافی، سوتی وریشمی سوزن کاری، نقاشی، خطاطی، چوب کاری، قالین سازی، نمدہ سازی، گتہ سازی، ظروف سازی، گل کاری، پیپر ماشی اور عمارتی تزئین وآرائش تھا۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقا کے ذریعے اُن دور دراز اَور دشوار گزار علاقوں میں درس گاہیں، شفا خانے، اور گھر گھر ہنر مندی کے مراکز قائم کر کے تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ کشمیری عوام کو علم وفن کی دولت سے مالا

مال کر دیا اور صنعت وحرفت میں کمال عروج وترقی کی وجہ سے اس سارے خطے کو ''اِیران صغیر'' کہا جانے لگا۔(۷)

۷۔ وحدت اُمّت کے داعی: محققین کے مطابق حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ سنی اور شافعی المسلک تھے مگر آپ مسلمانوں کے تمام معروف مسالک کا احترام کرتے تھے اور کبھی اس سلسلے میں غلو کے قائل نہ تھے۔ آپ کی ذات میں ایک منفرد نوعیت کا فکری توازن دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ کی شخصیت فقہی، کلامی اور مسلکی دھڑے بندی سے فائق تھی۔ مکتبی و مسلکی تقسیم کاری سے اُٹھ کر آپ ملت اسلامیہ کو ایک جسدِ واحد کے رُوپ میں دیکھتے تھے، اگر چہ اُس کے کچھ عضو کمزور یا بیمار پڑ سکتے ہیں، جن کو دُرست کرنے کی کاوشیں ہمیشہ ہونی چاہیے، مگر اُنھیں جسد اَصلی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک طرف آپ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غیر معمولی عقیدت رکھتے ہیں اور ائمہ اہلبیت کا احترام کرتے ہیں تو دوسری طرف خلفائے راشدین کی پیروی ایک مسلمان کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔ ''ذخیرۃ الملوک'' میں اُنھوں نے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم اجمعین کے واقعات پیش کر کے اُن کو جملہ مسلمانوں کے لیے دیانت وامانت، عدل وانصاف، رحم واُلفت، کشادہ دلی، عفو ودرگزر اور آزادی تنقید وتقریر میں بطور نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''اورادِ فتحیہ'' میں بھی وہ خلفائے اربعہ کو بطور ائمہ پیش کر کے عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ جب آپ کشمیر تشریف لائے تو دیکھا کہ یہاں حضرت سید عبدالرحمن بلبل رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں سے کئی مسلمان موجود ہیں جو حنفی مسلک کے مطابق نماز اَدا کرتے ہیں، تو مسلم معاشرے کو اِنتشار سے بچانے کے لیے آپ نے خود شافعی المسلک ہونے کے باوجود حنفی مسلک اختیار فرمایا اور حنفی مسلک کے مطابق کشمیر میں اسلام کی داغ بیل ڈال دی۔(۸) حالاں کہ اگر آپ چاہتے تو فوراً اُنھیں اپنے مسلک کی طرف مائل کر سکتے تھے مگر آپ نے مسلمانوں کو انتشار سے بچانے اور وحدت برقرار رَکھنے کے لیے ایسا نہیں کیا۔ حضرت امیر علیہ الرحمہ کے اِس طرزِ عمل سے دورِ حاضر میں ہم رہنمائی لے سکتے ہیں اور مسلم سماج کو فرقہ وارانہ منافرت اور مسلکی مناظرہ بازی سے بچا سکتے ہیں۔

۸۔ مقامی ریشی تحریک پر اَثرات: حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بھی کشمیر میں ایک بااَثر رُوحانیت اور گوشہ نشینی کی روایت موجود تھی۔ جس میں اگر ایک طرف نفس اَمّارہ کو قابو کرنے اور رُوحانی منازل طے کرنے کا ایک دستور العمل موجود تھا تو دوسری طرف خلق خدا کی خدمت کا جذبہ بھی موجزن تھا۔ اس تحریک سے وابستہ رُوحانی اشخاص کو ''رِیشی'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ دورِ اَول میں زیادہ تر ریشی تحریک پر رَہبانیت اور شِومت کے اَثرات تھے۔ ''رِیشی''

لوگوں سے کٹ کر رُوحانی علوم ومعارف کی تلاش میں جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں میں گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے اور ہر قسم کی دنیوی عیش وعشرت سے کنارہ کرتے تھے۔ جب حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کشمیر تشریف لائے تو نہ صرف اُنھوں اس تحریک کو رَہبانیت کے رجحانات سے پاک کرنے کی کوشش کی بلکہ ساتھ ہی اُنھوں نے اِسے غیر شرعی رسومات سے بھی پاک کرنے میں اپنا کردار اَدا کیا۔ آپ نے شُومت اور وَجودی فلسفے کو اِسلامی تصوف میں رنگ کر ''رِیشیانِ کشمیر'' کو اپنی تصانیف کے ذریعے نئی صوفیانہ اصطلاحات سے متعارف کروایا جس سے رُوحانی رجحانات کو ایک نئی سمت میسر آئی۔ یہ آپ کی، آپ کے خلفا کی اور بالخصوص آپ کے فرزند حضرت میر محمد ہمدانی علیہ الرحمہ کی مجموعی کاوشوں کا ہی ثمرہ ہے کہ حضرت شیخ العالم نورالدین نورانی علیہ رحمہ کے ذریعے ''ریشی تحریک''، کشمیر کے طول وعرض میں دعوت و اِصلاح کے کام میں مصروف عمل ہوئی اور خانقاہوں سے نکل رسمِ شبیری ادا کرنے کے لائق ہوئی۔ اَگر حضرت میر محمد ہمدانی علیہ الرحمہ پیر کامل کے رُوپ میں حضرت شیخ العالم علیہ الرحمہ کی رہبری نہ فرماتے تو غالباً وہ غاروں سے نکل کر مخلوق خدا کی ہدایت و اِصلاح اور دعوت وتبلیغ کے لیے اپنی متاعِ حیات وقف کرنے کا اِرادہ نہ فرماتے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ علیہ الرحمہ نے مقامی روحانی رجحانات رکھنے والے ہر طبقے کے اَفراد کو دین اسلام کے آفاقی وفطرت پر مبنی اُصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی زبردست کاوشیں فرمائیں اور اُس کے خوش آئند نتائج بھی مستقبل قریب میں دیکھنے کو ملے۔

چوں کہ روایتی ''ریشیانِ کشمیر''، کٹھن ریاضات ومناجات کے عادی تھے اور اُن کی اِن ریاضات پر غیر اِسلامی اثرات بھی دیکھنے کو ملتے تھے۔ آپ نے مسلمانان کشمیر کو ''اورادفتحیہ'' کے نام سے ایک عظیم نصابِ ذکر عطا فرمایا جو اِسلامی عقائد وتعلیمات کا ایک گراں قدر مرقع ہے۔ یہ آپ کا ایک زبردست شاہکار ہے جسے عوام اور علمی حلقوں میں برابر مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے ایمان افروز اَور رُوح پرور اَلفاظ پچھلی سات صدیوں سے کشمیر کی فضاؤں میں گونج رہے ہیں، کیوں کہ ہر صبح نماز فجر کے بعد فرزندان توحید اپنی مساجد وخانقاہوں میں اس کا اجتماعی ورد کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور اَحادیث نبویہ کی حسین نکھری چاندنی میں حمد باری تعالیٰ کو اَیسے مؤثر، منور اَور دلنشین انداز میں مرتب کیا گیا ہے کہ جس کو ہر سلسلے کے صوفیائے کرام اور علمائے ذی احترام نے حرز جان بنایا اور اَپنے وِرد میں شامل فرمایا۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے لے کر علامہ اَنور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ تک اور شیخ العالم نورالدین نورانی علیہ الرحمہ سے لے کر علامہ قاسم شاہ بخاری علیہ الرحمہ تک ہر دور کے علما وصلحا اس میں پنہاں فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ ''اورادفتحیہ'' نہ صرف ایک وظیفۂ توحید ہے بلکہ عقائدِ اِسلامی کا دستور بھی۔ ''اورادفتحیہ''

روحانی غذا ہونے کے ساتھ ساتھ فکری و اعتقادی رہنما بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔بحوالہ مقالہ ڈاکٹر فاروق بخاری: حضرت امیر کی سیرت اور شخصیت کے کچھ نمایاں پہلو، شیرازہ شاہ ہمدان نمبر، ص: ۳۵
۲۔لطائف اشرفی اَز اَشرف جہاں گیر سمنانی، جلد: ۲
۳۔اورادفتحیہ، مترجم نذیر نقشبندی: ص ۹۹
۴۔محسن کشمیر اَز مولانا محمد یوسف بابا، ص: ۶۰-۶۱
۵۔سید میر علی ہمدانی اَز سیدہ اشرف ظفر، ص: ۲۴۷
۶۔ذخیرۃ الملوک، مترجم: محمد محی الدین جہاں گیر، ص: ۱۶۰-۲۰۴
۷۔بحوالہ مقالہ نشاط انصاری: حضرت شاہ ہمدان اور کشمیری دستکاریاں، شیرازہ شاہ ہمدان نمبر، ص: ۲۰۳
۸۔محسن کشمیر اَز مولانا محمد یوسف بابا، ص: ۱۱۰، داعیٔ اسلام اَز خاکی محمد فاروق، ص: ۱۷۶
۹۔الانتباہ فی سلاسل اولیاء، اَز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بحوالہ ''اورادفتحیہ'' مترجم: نذیر نقشبندی، ص: ۴۶
۱۰۔انفاس قدسیہ فی مقدمۂ اورادفتحیہ اَز علامہ قاسم شاہ بخاری

●●●

پروفیسر اختر الواسع (۱)

رُوحانی انقلاب کے نقیب: سید میر علی ہمدانیؒ

کشمیر کی ثقافتی زندگی کو تصوف کے نور اَور خوشبو سے سیراب کرنے والے صاحب نظر بزرگوں میں امیر کبیر سید میر علی ہمدانی کا نام سرفہرست ہے۔ اُنھوں نے اس فردوس ارضی میں اپنی روحانی ریاضت اور مجاہدے کے باوصف ایک ایسی روحانی مملکت کی بنا ڈالی جس سے یہ خطہ ہمیشہ کے لیے اسلام کے انسان نواز پیغام سے روشن ہوگیا۔ شاہ ہمدان نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کے لیے کسی مادّی یا سیاسی طاقت کا استعمال نہیں کیا جو اُنھیں بہ آسانی حاصل ہوسکتی تھی اور نہ کسی کو دنیوی یا مالی فوائد کے ذریعے ترغیب دی۔ ان کی ذات وزندگی میں ایسی زبردست مقناطیسی قوت تھی کہ عوام وخواص خود بخود اُن کی جانب کھنچے آتے تھے اور اُن کے قریب آنا، دراَصل اسلام کے نور سے واصل ہونا تھا۔

سید علی ہمدانی، حضرت امام زین العابدین کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب ماں کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اُن کے والد سید شہاب الدین ہمدان میں ایک علاقے کے حاکم تھے مگر اُن کے دل میں دنیوی اقتدار کی کوئی طلب نہ تھی۔ اُنھیں تو ایک اور مملکت کا فرماں روا بننا تھا جس کے تاج وتخت زمین سے نہیں آسمانوں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ سید علی ہمدانی میں بچپن سے ہی دوسرے ہم عمر بچوں سے مختلف ایک الگ دنیا کا باسی ہونے کے آثار نمایاں تھے۔ وہ کھیل کود سے زیادہ غور وفکر میں غرق رہتے تھے۔ اُن کی اِس روش ورَویے کا احساس عام ہوتے ہی اُن کے ماموں، شیخ علاؤالدولہ سمنانی نے جو خود ایک خدارسیدہ اور صاحب بیعت بزرگ تھے اُنھیں اپنے سایہ تربیت میں لے لیا اور اُنھیں راہ سلوک پر ڈال دیا۔

---

(۱) وائس چانسلر مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور (راجستھان)

شیخ علاؤالدولہ نے روحانی امکانات سے معموراَپنے بھانجے کومرد متقی شیخ تقی الدین علی دوستی کے سپرد کر دیا۔ سید ہمدانی اس مرد عارف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ شیخ خلوت خانے میں صباح (صبح کا ذکر) اور رواح (شام کا ذکر) میں سر ہلاتے ہیں۔ اُنھوں نے سوال کیا: حال چیست؟ (حال کیا ہے؟) جواب تھا: ذکر می گویم (ذکر کر رہا ہوں) عرض کیا: کیا ذکر میں سر ہلانے کی ضرورت ہے؟ جواب تھا: میرے پیر نے مجھے اسی طرح تعلیم دی ہے۔

اس سوال وجواب سے سید ہمدانی کی روحانی ذہانت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بعد میں شیخ علی دوستی اُنھیں اپنے پیر شیخ محمود مزدقانی کی خدمت میں اعلاتر رُوحانی فیوض وبرکات کی غرض سے لے گئے۔ شیخ مزدقانی کی خدمت میں پہنچے تو شیخ نے کہا:

''اگر مخدومی کے لیے آئے ہو تو میں سر کے بل حاضر ہوں کہ مجھے خدمت سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اگر خدمت گزاری کے لیے آئے ہو تو اِس سیاہ غلام کے جو خانقاہ کی صفائی پر متعین ہے جوتے اُس کے سامنے رکھنے ہوں گے تاکہ درِ مقصود حاصل ہو۔''

اِس سے ظاہر ہے کہ شیخ نے نوخیز سالک کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیا جہاں اُس کا دل تمام تر غرور وتکبر سے عاری اور خالص للّٰہیت سے معمور ومنور ہو جائے۔

شیخ مزدقانی کے مشورے سے شاہ ہمدان نے بڑے پیمانے پر سفر اختیار کیا۔ تذکروں میں آتا ہے کہ اُنھوں نے تین بار سارے عالم کی سیاحت کی۔ ''خلاصۃ المناقب'' کے مطابق اِس سلسلے میں وہ خود فرماتے ہیں:

''میں نے تین بار مشرق سے مغرب تک سفر کیا۔ بحر وبر میں بے شمار عجائب دیکھے۔ ہر بار جس شہر اور سرزمین میں گیا وہاں نئی رسمیں اور عادتیں دیکھیں۔''

اس کے علاوہ اُنھوں نے بارہ حج بھی کیے۔ اِن اَسفار کے دوران اُنھوں نے بے شمار عابدوں، زاہدوں اور اَولیا سے ملاقاتیں کیں۔ اِس طرح اُنھیں دنیا کے مختلف لوگوں، قوموں اور ثقافتوں سے براہِ راست واقفیت کا موقع ملا جس سے اُن کا دائرۂ نگاہ اور علم کا اُفق بہت وسیع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ کشمیر بھی اُن کے اسفار کی ایک منزل تھی۔ مؤرخین اس بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں کہ اُنھوں نے کشمیر کا سفر کتنی بار اختیار کیا۔ تاہم اِس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کشمیر کا قدرتی حسن اُن کے دل ونظر میں کھب کر رَہ گیا اور اُنھوں نے کہا کہ اسے ایک ''ایرانِ صغیر'' میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اُنھوں نے یہ کر کے بھی دکھایا۔ سید میر علی ہمدانی کی کشمیر پر خصوصی توجہ کے بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں۔ بعض اسکالر مثلاً جعفر بدخشی اور مولانا عبدالحی کا کہنا ہے: چوں کہ اُنھیں تیمور کی اطاعت قبول نہ تھی اِس لیے اُنھوں نے کشمیر منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ لیکن کچھ دیگر

اِسکالر مثلاً پروفیسر شمس الدین اور فاروق بخاری کے بعض حالیہ مطالعات کے مطابق : ایسا نہیں تھا بلکہ اُنھوں نے کشمیر کو اَپنے اسلامی مشن کے لیے منتخب کیا تھا۔ دراَصل یہ کشمیر کا قدرتی حسن تھا جس نے اُنھیں یہاں کے عوام کی روحانی زندگی کو اِسلام کے نور سے روشن کرنے اور وسط ایشیا کے فنون سے اُن کی مادی زندگی کو بھی مالا مال کرنے کی ترغیب دی۔ مختلف موٴرخین مثلاً آرنلڈ اور بی۔این کے بامزئی نے اُن کے تبلیغی اقدامات کو زَبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ بامزئی کا کہنا ہے کہ ''سید علی ہمدانی کی علمی مہارت اور رُوحانی ریاضت کے سبب وادی میں اسلام کی فتوحات کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔''

اِسی طرح پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

''کشمیر میں اتنی بڑی تعداد میں اس نئے مذہب کے مبلغین کی آمد سے ایک نظریاتی، دانشورانہ اور رُوحانی آویزش شروع ہوگئی . . . سادات نئے اصول، عقیدے اور زندگی کا ایک نیا فلسفہ لے کر آئے تھے جو ذات، برادری کے شکار برہمنوں کے لیے ایک چیلنج تھا اور اُن لوگوں نے، جو بدھ مت کے فروغ کے زمانے میں اس نئے عقیدے کی زبردست مزاحمت کر چکے تھے، ترقی کے اس نئے سلسلے کو بھی روکنے کی کوشش کی۔ مگر رَجعت پسند برہمنوں کی یہ آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی کیوں کہ ناکامی اُس کا مقدر تھی۔ اِس لیے کہ شیو اِزم نے وادی میں اسلام کے فروغ کی راہ پہلے ہی ہموار کر دی تھی۔''

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی بھی اِسکالر نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اسلام کے اس فروغ میں سیاسی اقتدار یا حکمرانوں کے خوف یا جبر کی ذرا بھی کارفرمائی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید ہمدانی کو حق کی طاقت پر کس قدر اِعتماد تھا۔ اُنھوں نے عوام کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کو بھی اپنے دائرۂ رشد و ہدایت سے باہر نہیں رکھا۔ جو حکمراں بھی اُن کے ربط میں آیا اُنھوں نے اس سے یہ کہنے میں قطعاً گریز نہیں کیا کہ اُسے اپنی رعایا کے تئیں اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں جو خدا نے اُس پر عائد کیے ہیں اور جس کے حضور بروز قیامت اُسے جواب دہ ہونا ہے۔

کشمیر میں اپنا اسلامی مشن شروع کرنے سے پہلے سید ہمدانی نے اپنے دو مریدوں سید حسین سمنانی اور تاج الدین کو حقیقی حالات کا پتا لگانے کے لیے کشمیر رَوانہ کیا کہ خود رَسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب میں اُنھیں کشمیر میں تبلیغ اسلام کی ہدایت کی تھی۔ موٴرخین نے اس وقت کے کشمیر کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی صورت حال کے بارے میں لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ اس وقت وہاں کے لوگ ایک ایسے عقیدے کا خیر مقدم کرنے کو پوری طرح تیار تھے جو اُنھیں اس غیر اِنسانی حالت سے رہائی دلائے جس کے وہ شکار تھے۔ معاشرہ پوری طرح ذات برادری کے

شکنجوں اور طرح طرح کے امتیازات میں جکڑا ہوا تھا۔ عورتیں انتہائی جبر و ظلم کی شکار تھیں۔ ستی اور دیوداسی کی رسمیں عام تھیں۔ بدھ مت بھی برہمنی نظام کی بُرائیوں سے زنگ آلود ہو چلا تھا۔ اقتصادی صورت حال بھی بہت تشویشناک تھی۔

یہ حالات تھے جب سید میر علی ہمدانی اپنے سات سو(۷۰۰) مریدوں کے ہمراہ کشمیر وارد ہوئے۔ یہ مرید بھی علوم وفنون اور روحانی کمال میں یکتائے روزگار تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں اُن لوگوں کا زبردست استقبال کیا گیا۔ سلطان شہاب الدین نے بہ نفس نفیس اُن کا خیر مقدم کیا۔ مگر اِس کے باوجود اَمیر کبیر سید ہمدانی رحمہ اللہ نے کبھی بھی شاہی مراعات قبول نہ کیں۔ وہ اس کے لیے یہاں آئے بھی نہیں تھے۔ اُنھیں تو عوام وخواص کو رُوحانی واَخلاقی ضبط وطہارت کا پیغام دینا تھا اور اُن کا پختہ یقین تھا کہ حکمرانوں کے ساتھ قربت صرف اس حد تک سودمند ہوسکتی ہے کہ اُنھیں متأثر کر کے عوام کو اَثر انداز کرنے میں آسانیاں ہوتی ہیں۔ سلطان قطب الدین کے ساتھ اُن کے مراسم اُسے اُس کے فرائض یاد دِلاتے رہنے تک محدود تھے۔

اپنی تصنیف ''رسالہ درویشیہ'' میں حکمرانوں کے اخلاق و کردار پر سخت گرفت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''سلطنت کے اُمور اُن لوگوں کے دست تصرف میں ہیں جو دینی علوم واَسرار سے بیگانہ اور لہو ولعب میں مشغول ہیں۔ اُنھوں نے فسق وفجور کو اَپنا مذہب قرار دے دیا ہے اور وہ فاسقوں اور فاجروں سے میل جول رکھتے ہیں۔ وہ نفس کے غلام اور ہوس کے اَسیر ہو گئے ہیں۔''

اسی طرح سلطان قطب الدین کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آخرت میں بادشاہوں سے اَوّلین سوال عدل و انصاف کے بارے میں ہوگا۔ کاروبارِ دنیا تو سہل ہے مگر کارِ آخرت مشکل ودشوار ہے۔... حاکم اِس بات کا مجاز ہے کہ رِعایا کو اَمر بالمعروف سے آگاہ کرے۔ یاد رَکھو کہ رعایا میں سے بزرگ لوگ تمہارے لیے باپ کی مانند گرامی ہیں، اُن سے اولاد کی مانند حسن سلوک کرو۔ اُن کے بچوں کے ساتھ باپ جیسی شفقت کا اظہار کرو۔ ظالموں کی بیخ کنی، مظلوموں کی فریادرَسی اور فاجروں کی اصلاح حاکم کے اہم فرائض ہیں۔''

کشمیر پہنچ کر سید ہمدانی نے اپنا ایک علاحدہ دائرہ اور مرکز قائم کیا۔ وہ محلہ علاؤالدین پورہ میں سید حسین سمنانی کے ساتھ مقیم ہوئے۔ ایک قطعۂ اَراضی کو اپنی رُوحانی ریاضتوں اور عبادتوں کے لیے منتخب کیا۔ یہ جگہ ایک خانقاہ بھی تھی اور مسجد بھی، مدرسہ بھی تھا اور کتب خانہ بھی۔ صبح وشام یہاں طالبانِ حق کا ہجوم رہتا تھا۔ سید ہمدانی کسب معاش کے لیے ٹوپیاں بنانے کا کام کرتے تھے۔ سید ہمدانی کا کمال یہ ہے کہ اُن کے زیر اَثر اہل کشمیر نے روحانی روشنی کے ساتھ ساتھ مادی منفعت

بھی حاصل کی کہ اُنھوں نے لوگوں میں مختلف صنعتوں اور حرفتوں کو بھی فروغ دیا۔ سید ہمدانی کی یاد میں سلطان سکندر کی تعمیر کردہ خانقاہ معلیٰ آج بھی کشمیر میں اُن کے روحانی انقلاب کی یادگار کی صورت میں عوام وخواص کی عقیدت واحترام کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

آج بعض عناصر جس جہاد کے علم بردار بنے ہوئے ہیں اُس کے سیاق میں دیکھا جائے تو سید ہمدانی جنھوں نے کشمیر کو اِسلام کے لیے فتح کیا، اُن لوگوں کے خلاف کسی کو کوئی ترغیب نہیں دی جو اُن کے عقیدے سے باہر اور مختلف عقیدہ رکھتے تھے۔ اُنھوں نے اسلام کی تبلیغ کے لیے کبھی بھی کسی بھی جبر کا استعمال نہیں کیا۔ ساتھ ہی اُنھوں نے اُن حکمرانوں کو جو اُن سے عقیدت رکھتے تھے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی تلقین کی۔

●●●

پروفیسر غلام رسول ملک([1])

اقبالؒ اور شاہِ ہمدانؒ

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
(ضربِ کلیم)

اقبال کا یقین تھا کہ دنیا کی تقدیر بنانے اور تاریخ کا دھارا متعین کرنے میں فرد کے کردار کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔اُن کا یہ یقین اُن کے فلسفۂ خودی کے عین مطابق ہے۔ایف ایچ بریڈلی کے اِس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے کہ متناہی (Finite) تجربات کے تمام مراکز اَپنے آخری تجزیے میں سراب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔اقبال لکھتے ہیں:

"TO MY MIND, THIS INEXPLICABLE FINITE CENTRE OF EXPERIENCE IS THE FUNDAMENTAL FACT OF THE UNIVERSE. ALL LIFE IS INDIVIDUAL, THERE IS NO SUCH THING AS UNIVERSAL LIFE. GOD HIMSELF IS AN INDIVIDUAL HE IS THE MOST UNIQUE INDIVIDUAL."

میرے خیال میں یہ نا قابل تفہیم وتوجیہ متناہی مرکز تجربہ کائنات کی اساسی حقیقت ہے۔حیات اپنی تمام شکلوں میں ایک انفرادی وجود ہے۔کسی ایسی شئے کا کوئی وجود نہیں جسے حیات کُلی UNIVERSAL LIFE سے تعبیر کیا جا سکے۔خدا خود ایک فرد ہے اور وہ سب سے زیادہ یکتا و بے نظیر فرد ہے۔

اس نقطۂ نظر سے حیات اجتماعی میں فرد کا رُول انتہائی اہم ہے۔ایک فرد جب اپنی خودی کی تربیت کر کے اُسے پروان چڑھاتا ہے تو وہ بے انتہا رُوحانی قوت کا خزانہ بن جاتا ہے۔وہ مادّہ

([1]) سابق صدر شعبۂ انگریزی کشمیر یونیورسٹی

اور وقت کو اپنی تسخیر میں لاتا ہے اور اِسپنگلر کے الفاظ میں تاریخ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے:

فطرتش معمور دمی خواہد نمود
عالمے دیگر بیارد در وجود
صد جہان مثل جہان جزو و کل
روید از کشت خیال او چوگل (۳)

ایسے مردِ کامل کو اقبال مردِ حر، عبدہ، نائب حق، مومن اور انسان کامل جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ نٹشے کی طرح اقبال کا یقین تھا کہ تاریخ انسانی دراصل ایسی ہی مردان کامل کے کارناموں کا ریکارڈ ہے۔ اقبال تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسے ہی افراد کی تلاش کرتے ہیں اور اپنی شعری دنیا کو اُن کی یاد سے آباد کرتے ہیں۔ ان شخصیات کے انتخاب میں اقبال بڑی وسیع النظری اور آزادرَوی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اُن کی پسندیدہ شخصیات میں پیغمبر، قائدین انقلاب، شعرا، درویش، مفکر سب شامل ہیں اور اُن کا انتخاب رنگ، نسل، قومیت اور مذہب کے امتیازات سے بالاتر ہو کر کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، حیدر رَضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ، اورنگ زیب، ٹیپو سلطان، جمال الدین افغانی رومی، غالب، گوئٹے، ٹالسٹائی، شیکسپیئر، ورڈز وَرتھ، براؤننگ، بیدل، افلاطون، ارسطو اور نٹشے اس فہرست کی نمایاں شخصیات ہیں۔

تاریخی شخصیات کے ساتھ اقبال کا یہ انہماک اس معنی خیز اور وسیع الاطراف علامتیت کا منبع و مصدر ہے جو اُن کی شاعری کی دائمی رعنائیوں میں سے ایک ہے۔ یہاں یہ تاریخی شخصیات ان معانی و مطالب کی ترجمان بن جاتی ہیں جن کا اقبال کے فلسفۂ حیات سے گہرا تعلق ہے، وہ نہ مردہ ہیں نہ ہمارے لیے فرسودہ ہو چکے ہیں بلکہ کچھ ایسی دائمی اور زندہ و جاوید حقیقتوں کی نمائندگی کرتی ہیں جن پر ہنگامہ تاریخ انسانی کی رنگینی، گرمی اور ہماہمی موقوف ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو اقبال ان تاریخی شخصیات کو اِستعمال کرتے وقت ان میں کافی ردوبدل کرتے ہیں تاکہ وہ اُن کے فلسفہ زندگی سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ اُن میں سے چند ایک مثلاً نپولین، مسولینی اور نٹشے ایسے ہیں کہ اقبال کے لیے وہ کلی طور پر قابل قبول نہیں ہو سکتے مگر اُن کی شخصیت اور فکر و عمل کے چند اَطراف ایسے ہیں جو اُن کے نظریۂ حیات سے یک گونہ مطابقت رکھتے ہیں اور اِسی بنا پر وہ اقبال کی دنیائے شعر میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس چند شخصیات ایسی ہیں جن کی غیر مشروط تحمید

وتعریف میں اقبال ہمیشہ رطب اللسان ہیں، اُن میں اصل حیثیت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اِس کے بعد اُن شخصیات کا درجہ ہے جن کا فکر وعمل اُسوۂ حسنہ سے قریب تر ہے۔ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ شخصیاتِ اقبال کے اِسی زُمرے میں شامل ہیں۔

میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کلام اقبال میں صرف ایک مرتبہ نمودار ہوتے ہیں، اِس کے برعکس اِس زُمرے کی دوسری شخصیات تاریخی علامتوں کی حیثیت سے بار بار وَارد ہوتی ہیں۔ اس فرق کے باوجود دُنیائے اقبال میں اُن کا داخلہ کئی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ سے ہماری ملاقات ''جاوید نامہ'' میں ہوتی ہے جو میرے خیال میں مجموعی طور پر اِقبال کا سب سے بڑا شعری کارنامہ ہے۔ ''جاوید نامہ'' کے آسمانی سفر میں اقبال کی ملاقات بہت سے ایسے عظیم فرزندان انسانیت سے ہوتی ہے جنھوں نے کسی نہ کسی طرح سے تاریخ کے دھارے کو متعین کیا ہے۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ ایک ڈرامائی تناظر میں سلطان شہید ٹیپو اَور جمال الدین افغانی جیسے ابطال کی معیت میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اُن کے دائرۂ اَثر کو وہ وسعت اور اُن کے کارنامے کو وہ شہرت نصیب نہ ہوسکی جو سلطان شہید اور جمال الدین افغانی کا حصہ ہے، تاہم اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قدر وقیمت کے اعتبار سے اُن کا کارنامہ کچھ کم اہم ہے۔ تاریخ ہمیں بہت سے ایسے انقلابیوں کی مثالیں فراہم کرتی ہے جن کے کارناموں کی وسعت اگرچہ محدود ہے مگر جو برمحل اور موزوں وقت پر پیش آنے اور اَپنی شدت، اور گہرائی کی بنا پر بالآخر زِیادہ دوررَس اثرات کے حامل ثابت ہوئے۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ ایسے ہی انقلابیوں میں شامل ہیں، لہٰذا اگر اقبال اپنے پیغام کے بنیادی اُصول کی ترجمانی کے لیے اُن کا انتخاب کرتے ہیں تو اُس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ''جاوید نامہ'' میں شاہ ہمدان رحمہ اللہ تاریخ کے ایک عظیم معمار کی حیثیت میں سامنے آتے ہیں:

سید السادات سالار عجم
دست او معمار تقدیر امم
سیداں کشور مینو نظیر
میر و درویش و سلاطیں را مشیر
جملہ را آں شاہ دریا آستیں
داد علم وصنعت وتہذیب و دیں
آفرید آں مرد ایران صغیر
باہنر ہائے غریب و دلپزیر (۴)

جیسا کہ اِن اشعار سے ظاہر ہے کہ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کا کارنامہ نہایت جامع اور ہمہ گیر تھا اُنھوں نے ایک سالک باکمال کے صفائے باطن اور ایک مومن باعمل کی بے پناہ رُوحانی قوت کے ذریعے کشمیر سے کفر اَور توہم پرستی کی ظلمت دور کی۔ یہاں کے حکمرانوں کو عدل وانصاف، رحم وکرم اور رِعایا پروری کی تعلیم دی۔ دینی تعلیم کی اشاعت کے لیے کئی ادارے قائم کیے اور عوام الناس کی اقتصادی فلاح وبہبود کی خاطر کئی اِیرانی صنعتوں کو رِواج دیا۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے ہمہ جہتی کارنامے کا ایک بالواسطہ اثر یہ بھی رہا ہے کہ کشمیر میں فارسی زبان وادب کو قبول عام حاصل ہوا۔ اِس طرح ایک بے لوث اور خدامست مردکامل نے جس کا اَصل مقصود اِشاعت اسلام تھا، ایران سے دور ایک نئے ''ایران صغیر'' کو وَجود بخشا۔

ایسے خدامست اور صاحب بصیرت مرد کامل سے اَسرارِ مرگ وحیات، حقیقت خیر وشر اَور اقوام عالم کے اَسباب عروج وزوال کے متعلق استفسار کس قدر موزون ہے۔ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے حضور میں اقبال ایسے ہی اُمور کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ سب سے پہلا سوال خیر وشر کی عالمگیر اور دائمی رزم آرائی سے متعلق ہے۔ سوال یہ ہے کہ نظم عالم میں خیر (اچھائی) کے دوش بدوش شر (بُرائی) کے وجود کا جواز کیا ہے۔ شاہ ہمدان جواب دیتے ہیں:

بندہ کز خویشتن دارد خبر
آفریند منفعت را از ضرر
بزم با دیواست آدم راوبال
رزم بادیو است آدم را جمال (۵)

مطلب یہ ہے کہ ایک جدلیاتی کشمکش کے بغیر نہ تو خیر کی قوت ارتقا پذیر ہوسکتی ہے نہ ہی انسان کے اندر پوشیدہ امکانات بروئے کار آسکتے ہیں۔ اِس لحاظ سے خیر کے ساتھ شر کا وجود ضروری ہے، اور اگرچہ اقبال کا نقطۂ نظر مانوی (٦) قرار نہیں دیا جاسکتا تاہم وہ شیطان کو اُس اعتبار سے قابل قدر سمجھتے ہیں کہ اُس کی عدم موجودگی میں خیر وشر کی رزم آرائی کا کوئی وجود نہ ہوتا اس بارے میں اُن کا نقطۂ نظر کسی حد تک اُن قدیم مسلم صوفیا کے نقطہ نظر سے ملتا جلتا ہے جو شیطان کو توحید خالص کا پیرو ہونے کے باعث عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اقبال ابلیس کو توحید ہی کا نہیں بلکہ عزت نفس کا بھی نقیب سمجھتے ہیں۔ اپنے ایک مضمون ''اسلام اخلاقی اور سیاسی نصب العین'' (ISLAM AS A MORAL AND POLITICAL IDEAL) میں وہ لکھتے ہیں:

"I HOPE I SHALL NOT BE OFFENDING THE READER WHEN I SAY THAT I HAVE A CERTAIN ADMIRATION FOR THE DEVIL

BY REFUSING TO PROSTRATE HIMSELF BEFORE ADAM, WHOM HE HONESTLY BELEIVED TO BE HIS INFERIOR, HE REVEALED A HIGH SENSE OF SELF RESPECT." (7)

مجھے اُمید ہے کہ قارئین میری اِس بات سے رنجیدہ نہ ہوں گے کہ میں ابلیس کو اِس لحاظ سے تعریف کا مستحق سمجھتا ہوں کہ اُس نے آدم کے سامنے اِس بنا پر سجدہ ریز ہونے سے اِس لیے انکار کیا تھا کہ وہ اُس کو اَپنے سے فروتر سمجھتا تھا۔ اِس طرح سے اُس نے اُونچے درجے کے احساس عزتِ نفس کا ثبوت دیا تھا۔

''جاوید نامہ'' کے مکالمے میں شاہ ہمدان رحمہ اللہ کا جواب وجودِ شر کے جواز کی جدلیاتی اِساس پر توجہ مرکوز کرتا ہے:

خویش را با اہرمن باید زون
تو ہمہ تیغ او ہمہ سنگ فن (۸)

شر کے لیے سنگ فن کی تشبیہ کا استعمال بڑا معنی خیز ہے۔ مراد یہ ہے کہ شر اَگرچہ ضروری ہے تاہم اُس کی حیثیت انفعالی (Passive) ہے جب کہ خیر اَپنی اَصل کے لحاظ سے ایک فعال (Active) اور مثبت (Positive) قوت ہے۔

شاہ ہمدان رحمہ اللہ سے اقبال کا دوسرا اِستفسار اِس کشمکش کے متعلق ہے جو قوموں کے اندر ایک دوسرے کے اُوپر برتری حاصل کرنے کے لیے برپا ہے۔ اِس سوال میں عروج و زوالِ اُمم کا سوال بھی مضمر ہے۔ اقبال کشمیر کو ایک ایسی زوال پر قوم کی مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں جو مقامِ عروج و اقبال سے گر کر مظلومی و استحصال کے قعرِ مذلت میں پہنچ گئی ہے۔ یہ مثال اس لحاظ سے موزون ترین ہے کہ دونوں شاہ ہمدان اور اِقبال کشمیر کے دردمند عاشق ہیں۔ اقبال نوحہ کرتے ہیں:

دست مزداد بدست دیگراں
ماہی رودش بشست دیگراں
از غلامی جزبہ ہائے او بمرد
اتشے اندر رگ تاکش فسرد (۹)

۱۸۴۶ء میں کشمیر کی مظلومی اور بے بسی اُس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب انگریزوں نے اس بدنصیب خطہ زمین کو ڈوگرہ قبائلی سردار گلاب سنگھ کے ہاتھ ۷۵ لاکھ روپے کی حقیر رقم اور چند سیاسی مراعات کے عوض فروخت کر دیا۔ انسانی تاریخ میں اِس سے پہلے کبھی بھی کسی قوم کی اِس طرح سے تذلیل و توہین نہیں کی گئی تھی، اقبال مظلوم و بے بس کشمیر کی روح کو ''غنی کشمیری'' کی

زبانی اِس طرح فریاد کراتے ہیں:

بادصبا اگر بہ جینوا گزر کنی
حرفے زمانہ مجلس اقوام باز گوے
دہقان وکشت وباغ وخیاباں فروختند
قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند(۱۰)

عروج وزوال اُمم سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے شاہ ہمدان رحمہ اللہ انسان کی اصل ماہیت یعنی روح انسانی کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں اور اِس امر پر زور دیتے ہیں کہ انسان کو اِس بات کا ہمہ وقت خیال رکھنا چاہیے کہ یہ روح ملکوتی کہیں جسم ناسوت کے ہاتھوں فنا نہ ہونے پائے۔ جب تک ایک قوم کی روح زندہ و پائندہ رہتی ہے، وہ مقام عروج واقبال پر فائز رہتی ہے۔ جب کہ جسم پرستی اُسے خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ روحانی طور پر مردہ اور جسم پرست اقوام ہی دوسروں کی دست نگر اور غلام بن جاتی ہیں، مثلاً:

باتو گویم رمز باریک اے پسر
تن ہمہ خاک است و جاں والا گہر
جسم را از بہر جاں باید گداخت
پاک را از خاک می باید شناخت(۱۱)

یہ دورحاضر کے انسان کے لیے اقبال کا مرکزی پیغام ہے۔ ''جاوید نامہ'' کے اختتام پر وہ عصر حاضر کے مرض کی تشخیص اس طرح کرتے ہیں:

ترسم ایں عصرے کہ تو زادی درآں
در بدن غرق است وکم داند زجاں(۱۲)

اس مرض کا علاج رقص بدن نہیں جو آج کے انسان کو تباہ کر رہا ہے بلکہ رقص جاں ہے:

رقص تن درگردش آرد خاک را
رقص جاں برہم زند افلاک را
علم وحکم از رقص جاں آید بدست
ہم زمین ہم اسمان آید بدست(۱۳)

جو لوگ روح کا تزکیہ اور اُس کی پرورش وپرداخت کرتے ہیں، اُنھیں ہمہ جہتی فلاح نصیب ہوتی ہے اور وہ آزاد اِنسانوں کی زندگی گزارتے ہیں۔ وہ اللہ کے بغیر کسی کی بالادستی اور سرداری قبول نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ اطاعت کس کی کی جائے اور کس کی نہ کی جائے۔

چناں چہ شاہ ہمدان رحمہ اللہ اقبال کے ایک اور سوال کے جواب میں، جس کا تعلق سیاسی اقتدار کی حقیقت و ماہیت سے ہے، فرماتے ہیں:

فاش گویم باتو اے والا مقام
باج راجز بادو کس دادن حرام
یا اولی لامرے کم منکم شان اوست
آیہ حق حجت وبرہان اوست
یا جوانمردے چو صر صرتند خیز
شہر گیر و خویش باز اندرستیز
روز کیں کشور کشا از قاہری
روز صلح از شیوہ ہائے دلبری(۱۴)

کشمیریوں کے زوال وانحطاط کی اصل وجہ روح اور اُس کے تقاضوں کی طرف اُن کی مجرمانہ غفلت اور مادی اغراض ومقاصد میں اُن کا بے پناہ انہماک ہے۔ان کی روح بیدار ہوجائے تو وہ اپنا کھویا ہوا عروج واقبال پھر حاصل کر سکتے ہیں جس کے جلال کا مظاہرہ شہاب الدین شاہمیری کے عہد حکومت میں ہوا تھا،لیکن کشمیریوں کی موجودہ زبوں حالی سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، برصغیر ہندوستان کی بیداری اور وہ بھی کشمیری الاصل رہنماؤں کی قیادت میں اقبال کی روح پرور اور اِنقلاب آفرین شاعری ایک روشن مستقبل کی علامتیں ہیں۔کشمیری پھر زندہ ہوں گے اِس لیے کہ اُن کے قلوب واَرواح ابھی مکمل طور پر مردہ نہیں ہو چکے ہیں۔

دل میان سینہ شاں مردہ نیست
اخگر شاں زیریخ افسردہ نیست(۱۵)

اُنھیں چاہیے کہ اپنی روحوں کو بیدار کر کے اقبال کے انقلابی پیغام پر عمل پیرا ہو جائیں اور ایک نئی دنیا تعمیر کریں۔

گفتند جہاں تو آیا بہ تومی سازو
گفتم کہ نہ می ساز وگفتند کہ برہم زن(۱۶)

اُوپر کے بیان سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ''جاوید نامہ'' میں جو پیغام شاہ ہمدان کی زبانی نشر ہوتا ہے وہ اقبال کا اپنا پیغام ہے جو موجودہ مادی دور کی بیماریوں کے لیے نسخہ شفا کا حکم رکھتا ہے۔شاہ ہمدان رحمہ اللہ اگرچہ ایک ڈرامائی تناظر میں نمودار ہوتے ہیں تاہم ایک ڈرامائی کردار کی طرح وہ انفرادیت وتشخص کے حاصل نظر نہیں آتے۔دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے

ہیں کہ ''جاوید نامہ'' کا شاہ ہمدانؒ، اقبالؒ کا شاہ ہمدانؒ زیادہ ہے اور تاریخ کا شاہ ہمدانؒ کم۔ اقبالؒ جیسے مشنری اور علمبردارِ خودی شاعر کے لیے یہ امر بالکل فطری ہے کہ وہ اپنے تمام کرداروں کو اپنی پیغام رسانی کے وسائل کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ تو بوقت ضرورت نپولین، مارکس اور نیٹشے جیسے لوگوں کو بھی وسائل کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں لیکن یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اقبالؒ اور شاہ ہمدانؒ اپنے اساسی عقائد میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ دونوں قرآن پاک اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کسب فیض کرتے ہیں، اس لیے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر شاہ ہمدان رحمہ اللہ آج کے دورِ مادّیت میں پیدا ہوتے تو آج کے انسان کے لیے اُن کا پیغام کم وبیش وہی ہوتا جو اقبالؒ کا ہے۔

حواشی

۱۔ یہ مضمون اولاً فاضل مصنف کی کتاب ''سرود سحر آفریں'' میں شائع ہوا اور اُسے مصنف کی اجازت سے اِس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے۔

۲۔ ماخوذ از دیباچہ SECRETS OF SELF انگریزی ترجمہ اسرار خودی از آر اے نکلسن لندن ۱۹۲۰ء آرنلڈ ہائی نی مین، اشاعت: ۱۹۷۸ء، ص: ۱۵

۳۔ کلیات اشعار فارسی، ص: ۳۲

۴۔ محولہ بالا، ص: ۳۵۸

۵۔ محولہ بالا، ص: ۳۵۹

۶۔ اشارہ ہے مذہب مانویت کی طرف جس کا بانی تیسری صدی عیسوی کا ایرانی مذہبی رہنما مانی تھا، جسے یورپ کے لوگ مینیز Manes اور مینی کیس Manichaeus کے ناموں سے جانتے ہیں۔ اُس نے شاہ پور اوّل کے عہد میں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور ۲۷۴ء میں بہرام شاہ اوّل کے زمانے میں کچھ عناصر کی شدید مخالفت کے بعد اُسے سولی پر لٹکا یا گیا۔ ثنویت (Dualism) مانی کے مذہب کا اساسی اصول ہے جس کے مطابق کائنات ہستی دو متضاد عناصر یزدان و اَہرمن، خیر وشر، نور وظلمت اور رُوح وجسم وغیرہ سے ترکیب پذیر ہوتی ہے۔ یہ متضاد عناصر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم بھی۔ ایزد واَہرمن دونوں زندہ وجاوید ہیں۔

۷۔ "SPEECHES, WRITINGS AND STATEMENTS OF IQBAL" Page:99

۸۔ کلیات، ص: ۳۵۹

۹۔حولہ بالا،ص:۳۵۹
۱۰۔ایضاً،ص:۳۶۰
۱۱۔ایضاً،ص:۳۶۰-۳۶۱
۱۲۔ایضاً،ص:۳۸۷
۱۳۔ایضاً،ص:۳۸۷
۱۴۔ایضاً،ص:۳۶۲
۱۵۔ایضاً،ص:۳۶۳
۱۶۔ایضاً،ص:۳۶۳

●●●

پروفیسر محمد حیات عامر حسینی (۱)

شاہِ ہمدانؒ کا تصوّرِ عبادت

(۱) سادگی عظمت، بلندی، وقار، شائستگی، پاکیزگی، نور، روشنی، سخاوت و بزرگی، رحم و کرم اور حکمت و دانائی کی نشانی ہے۔ جو شئے جتنی گنجلک اور اُلجھی ہوئی ہوتی ہے وہ اُتنی ہی بے مایہ، بے ربط، مشکل اور گھٹن آمیز ہوتی ہے۔

(۲) اِسلام دین حنیف ہے۔ سیدھا، سچّا طریقہ زندگی۔ خودسُپردگی، مان لینا، اِقرار و اِعتراف، اطاعت، اَمن و سلامتی، بے عیبی لفظ اسلام کے لغوی معنی ہیں۔ ان معانی پر غور کیجئے تو یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ اِسلام اللہ کے سامنے اُس کی کبریائی و حکمرانی اور خالق و مالک و رَب ہونے کا اقرار و اِعتراف، اور اُسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا، یعنی اُس کی غیرِ مشروط اطاعت، جو زِندگی کو عیوب و گناہوں سے بچا کر اِنسان اور دنیا کو اَمن و سلامتی سے مزین کرتی ہے۔

(۳) اسلام انتہائی سادہ دین ہے اور اُس کے اُصول اور اُس کی عبادات کا نظام انتہائی سادہ، پاکیزہ، باوقار، شائستہ، بلند اَور علم و حکمت اور نجات کا حامل ہے۔

(۴) اس دین کا اساسی اُصول توحید ہے، جس کے معنی ہیں کہ اللہ واحد و یکتا، قادرِ مطلق، ہمہ جا، ہمہ داں و ہمہ تواں ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ وہ لاشریک ہے۔ وہ اِس ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔

(۵) جملہ صفات اور اَسمائے حُسنیٰ اُسی کے ہیں اور اِن ہی صفات میں اُس کا معبودِ حقیقی ''الہٰ'' ہونا بھی ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اُس کی عبادت ہونی چاہیے اور اُسی سے اِستعانت مانگنی چاہیے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہر شئے اُس کی مخلوق ہے اور کسی مخلوق کا یہ حق نہیں ہے کہ

---

(۱) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اُس کی عبادت کی جائے۔یہی معنیٰ ''اِلٰہ'' کے ہیں۔

(٦)ایمان کا اقرار اُس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں۔ وہی معبودِ حقیقی ہے، سبحان ہے یعنی تمام کمیوں اور مجبوریوں اور نقائص سے پاک اور منزّہ ہے اور حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے، اور سچّے اور آخری نبی ورَسول ہیں۔

(٧)اور یہی ایمان، یہی اقرار و اِعتراف جس میں خدا کو لاشریک اور تمام نقائص سے منزہ اور تمام اختیارات کا حقیقی مالک اور عبادت کا حقدار مانا جائے، وہ نور ہے جو اِنسانی وجود کو تمام سیاہی اور کثافتوں سے پاک کر کے اُسے اللہ، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب، آخرت اور جملہ حقائق کے علم وعرفان سے منور کرتا ہے۔اُس کی سختی کو رحمت، شفقت، اور نرمی سے بدل دیتا ہے۔اگر دِل میں کجی، سیاہی اور سختی ہو تو اُس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایمان نہیں، اور اگر ہے بھی تو اِنتہائی کمزور سطح کا ہے۔

شیخ داؤد طائی کا فرمانا ہے کہ ''ایمان وہ نورانی چیز ہے جو دِل کو گناہوں کی سیاہی سے صاف کر دے اور محبت کے نور سے منوّر کر دے اور دِل کی سختی کو رحمت اور شفقت اور نرمی کی طرف تبدیل کر دے۔''(١)

یہی دِل کی کجی اور سختی انسان کو اَللہ کے حقوق سے اِنحراف پر آمادہ کرتی ہے، اُسے بُرے اعمال پر اُکساتی ہے، اُسے اوصافِ حمیدہ، اقدارِ عالیہ اور اعمالِ صالحہ سے دور کرتی ہے اور اُس کے دین ودنیا کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

(٨)اللہ تعالیٰ نے انسان کو عظمت مآب بنایا۔اُسے علم ونور، تخلیق وتعبیر وتفسیر حقائق اور آزادی واِختیار سے مزین کر کے اپنا خلیفہ بنایا۔اُسی پر اِکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی جامع اور صحیح ہدایت کے لیے انہی انسانوں میں اپنے معصوم وبرگزیدہ بندے کو اَپنا نبی بنا کر بھیجا۔انسان کی ہدایت وفلاح کا ایک زبردست سلسلۂ ''نظامِ نبوت ورسالت'' قائم کیا۔اُن ہی منتخب بندوں میں ختمی مرتبت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری پیغمبر ہیں جنھیں تمام جہانوں کے لیے نور وہدایت، رحمت وشفاعت اور فلاح وعظمت کا بے مثل ویکتا نمونۂ کامل بنا کر مبعوث فرمایا:

دَعَا إِلَى اللهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

(امام بوصیری)

مرد را خواندی بحق و ہر کہ در وے دست زد
دست زد در حبل محکم کاں بریدہ نشندم

(جامیؔ)

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِي مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٖ
(امام بوصیری)

او منزہ از شریک اندر محاسن آمدہ
جوہر حسنِ محمد پارہ نامد در رقم
جامی(۲)

(۹)اور اُس پر ایک کتاب نور نازل فرمائی جو رہتی دُنیا تک انسان کی ہدایت وترقی وفلاح کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔ یہ کتاب بہت ہی مجمل بھی ہے اور مفصّل بھی۔ فصاحت وبلاغت کا بحرِ بیکراں اور علم وحکمت وہدایت کا وہ بے مثل خزانہ ہے جس سے انسان ہر زماں اور ہر مکان میں ہدایت پاتا رہے گا۔

(۱۰) یہ دُنیا یا یہ کائنات کوئی کھیل نہیں ہے۔ یہ ایک بامقصد تخلیق ہے اور اِسے انسان کے لیے بنایا گیا۔ انسان کو اِس کے لیے نہیں بنایا گیا۔ خدائے کریم نے انسان کی تخلیق محض اپنی عبادت کے لیے کی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ (الزّاریات)

انسان کا وجود اِنتہائی محترم، قیمتی اور بامقصد وتخلیقی واخلاقی ہے۔ اُس کو آزادی، علم اور ہدایت کی قوّتیں عطا کی گئیں۔ اُسے مجبور محض نہیں بنایا۔ مشیت ایزدی اور رَضائے الٰہی اور تقدیر، آزادی اور علم ایسے زبردست قضایا ہیں جو اُس کے وجود کو ایک بحرِ بیکراں بھی بناتے ہیں اور اُسے اَسفل السافلین میں بھی گرادیتے ہیں۔ کائنات کی ہر تخلیق کے علی الرغم اُسے ''مرضی'' اور ''ارادہ'' سے نوازا گیا۔ یہ اُس کی مرضی ہے کہ وہ ہدایت وکامیابی کے راستے پر چلے یا خسران کے راستے پر۔ وہ نفسِ اَمّارہ اور نفسِ لوّامہ کو مکمل طور پر قابو کر کے نفسِ مطمئنہ بن کے ''راضیۃ المرضیۃ'' کا مصداق بن جائے یا خدا سے بغاوت کر کے اپنے فرضِ منصبی سے منکر ہوجائے اور اسفل السافلین میں گر جائے۔ اپنے آپ کو بامقصد تخلیقی واخلاقی وجود بنا کر کائنات کی تسخیر کر کے خالقِ کائنات کا محبوب بن جائے یا تمام اخلاقی وتخلیقی قویٰ اور حدود کو توڑ کر ایک بےمقصد جانور بن جائے۔ اس کا ہر عمل اگر رَاستی کا عمل ہے تو عبادت ہے، تخلیقی اور اخلاقی وظیفہ ہے۔

(۱۱) عبادت کے معنی ہیں اللہ کی ربوبیت کو بے چون وچرا تسلیم کرنا اور اُسے اپنا خالق ومالک سمجھ کر اُس کے سامنے عاجزی وانکساری اختیار کر کے اُس کی ہدایت ومرضی کے مطابق جس کا کامل واَکمل نمونۂ درخشاں پیغمبرِ اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اَقدس ہے، اپنی زندگی گزارنا۔ اگر اِنسان صراطِ مستقیم پر چلے تو اُسے معرفت الٰہی، معرفت ذات وکائنات اور معرفت اَسرار

اور سعادت اُخروی نصیب ہوتی ہے۔

(۱۲) صراطِ مستقیم پر چلنا عبادت ہے اور عبادت کے معنی ہیں پاکیزہ اور درست طریق اختیار کرنا۔ اللہ کے احکامات کی بغیر کسی چوں و چرا، کاہلی و سُستی اور فریب و دھوکہ دہی اور صدقِ دلی سے تعمیل کرنا، تاکہ اُس کی رضا، معرفت اور قُرب حاصل ہو اور اِنسان اپنے مقصدِ تخلیق اور ایک فلاحی انسانی سماج کی تعمیر کو پورا کر سکے اور اِس کائنات کے حقائق واسرار کا ادراک کر کے اُسے اپنی گرفت میں لے سکے۔

(۱۳) صراطِ مستقیم اُس کی فطرت ہے اور جب وہ اپنی فطرت کے مطابق آگے بڑھتا ہے تو وہ ایک شجر سایہ دار و میوہ دار بن کر اپنی ذات اور کائنات کو رَضائے الٰہی کے نور سے منور کر دیتا ہے اور اُنھیں امن و سکون اور اَرتقا کا گہوارا بنا دیتا ہے۔

(۱۴) عبادت ایک جسمانی عمل بھی ہے اور رُوحانی عمل بھی، مالی عمل بھی ہے اور تخلیقی ونفسیاتی عمل بھی، فکری عمل بھی ہے اور علمی عمل بھی۔ کھانا، پینا، لباس، اَزدواجی زندگی، علمی زندگی، سماجی، سیاسی و معاشی و عسکری زندگی، یوں کہیے کہ زندگی کا ہر پڑاؤ، ہر عمل ایک عبادت ہے۔ اگر مقصد تخلیق کے مطابق اور اُس سے ہم آہنگ اور پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھائے ہوئے طریقے پر ہو۔

(۱۵) اِسلام نے ساری زندگی کو عبادت کہا ہے اور زِندگی کے ہر پہلو اور ہر عمل کو عبادت سے مربوط کر دیا ہے۔ زندگی کی ہر سانس اللہ یا ہو کے ذکر سے مزین ہو تو ہر سانس عبادت ہے۔

(۱۶) ہر عمل کے دو پہلو ہیں، ظاہری و باطنی۔

ظاہر پاکیزہ ہو تو باطن بھی پاکیزہ ہوگا اور یہی پاکیزگی اسلام کا مقصود بھی ہے اور اُس کا اصل الاصول بھی۔ اُسی کا نام ''تزکیہ''، ''تصفیہ'' یا تطہیر ہے، یعنی زندگی کے ہر موڑ پر اَور ہر پہلو میں پاکیزگی اختیار کرنا۔ اس پاکیزگی کی بنیاد ''توحید'' ہے اور توحید کتاب، اور تلاوتِ آیات اور حکمت سے مربوط ہے اور اُس حکمت و کتاب و تزکیہ کا حامل اور کامل نمونہ پیغمبرِ اعظم و آخر ہے، جس کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وہ اللہ کی سب سے بڑی آیت ہیں اور تمام آیات کا حامل بھی اور نمونہ بھی۔ اِسی لیے صوفیائے کرام اور اَولیائے عظام اُسے ''انسانِ کامل''، ''خیر البشر'' اور ''خلیفۂ حقیقی'' کہتے ہیں۔ وہی تمام انسانیت کے لیے ''یکتا و منفرد''، ''نمونۂ عمل'' اور ''رحمت'' ہے اور اُس کی لائی ہوئی کتاب ''نسخۂ کیمیا'' ہے۔

(۱۷) اِنتہائی سادہ، پاکیزہ، شائستہ، سخی و دانا، رحیم و کریم اور نورِ الٰہی کا مظہر، پیکرِ اِنسانی۔ اُس کی زندگی بھی انتہائی سادہ و پاکیزہ تھی اور اُس کے اعمال بھی انتہائی سادہ و پاکیزہ، دانائی سے

معطر ومنور۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیِ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ (۳)

(۱۸) اُس نے عبادات کا ایک پاکیزہ وشائستہ، سادہ وجامع نظام لایا اور اُس کی تربیت کی۔ اس نظام عبودیت کی روح نماز ہے، جسے تمام عبادات پر اَولیت اور فوقیت حاصل ہے، یہی اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے اور یہی مومن کی معراج بھی ہے۔

(۱۹) انسان ایک فرد ہے، کوئی شئے نہیں اور اُسے شخصیت بننے کے لیے ہزار ہا مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مراحل اخلاقی ہوں تو اُن کا تعلق اُس کی آزادی، عمل و اِختیار اور نتائج سے ہے اور جب وہ اخلاقی طور پر مضبوط ہوجاتا ہے تو اُس کی شخصیت یعنی روح اور اُس کے مستقبل کے دروازے اُس پر کھلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ مراحل اُسے مختلف قسم کے ضوابط کے رُوبرو کرتے ہیں اور یہ نظم وضبط اِرتقائے ذات میں سب سے قوی طریق اور ہتھیار ہے۔ یہ نظم وضبط ہی اسلام عبادات کی شکل میں سامنے آتا ہے، یہی خیر ہے اور یہی نور۔

(۲۰) اس ضبط ونظم کے خلاف عمل انسان کی ذات کو منفی طور پر آگے لے آتا ہے، اور وہ اِبلیسیت، طغی، یا شیطانی قوتوں کا مسکن بن کر مجسم آگ بن جاتا ہے اور یوں وہ شَر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

(۲۱) مذہب محض تصوّرات وفکر کا نام نہیں۔ اُس کی اصل صورت عملی ہے۔ انسان کا مطلوب ومقصود اِس مابعد الطبیعی بنیاد تک رسائی یا اُس کی معرفت اور اُس سے قربت ہے جسے ہم ''اللہ'' یا ''خیر کل'' یا ذاتِ کبریائی کہتے ہیں اور اُس کا قرب اور اُس کی معرفت ''عبادت'' کے بغیر ممکن نہیں اور عبادات کی انتہا روحانی تجلیات پر ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کا خلاصہ اقبالؔ نے اپنے لیکچر ''ذاتِ الٰہیہ کا تصوّر اور حقیقت دُعا'' میں بہت ہی والہانہ طور پر کیا ہے۔

(۲۲) یہ مقصود ومطلوب انسان کی مابعد الطبعیاتی واخلاقی اِساس ہے، جس کا عکس اُس کے لاشعور پر کبھی کبھی جلوہ افگن ہوتا ہے۔ انسان اپنی اس بنیاد سے قریب تر ہونا چاہتا ہے، اُسے دیکھنا چاہتا ہے اور اُس کی معرفت چاہتا ہے اور اُس معرفت کی واحد صورت، جیسا کہ ذکر ہوا، صرف عبادت ہے، جو اُس کی اُس وجودِ حقیقی سے محبت کی عکاس ہے۔ یہ محبت اور تمنا ہی ہے جو اِنسان کو اَپنی اس بنیاد سے قربت کی طرف گامزن کرتی ہے۔ یہ محبت اور تمنا جتنی گہری ہوگی اتنی

ہی اُس وجودِ اعلیٰ کی طرف کشش بھی ہوگی جسے صوفیا ''واجب الوجود'' کہتے ہیں، اور جب یہ کشش انتہائی جنونی صورت اختیار کرتی ہے تو وہ وجودِ حقیقی اس میں اپنے آپ کو منعکس کرنا شروع کرتا ہے۔ یوں اُس کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ اور اُس کی آنکھیں اللہ کی آنکھیں بن جاتی ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین، کار کشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دِل بے نیاز (۴)

وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اور اِس طرح اُس کا وجود ایک فعال و معتبر، اخلاقی و تخلیقی وجود بن جاتا ہے جس میں وجودِ حقیقی کا جلال و جمال چھلک جاتا ہے اور یہی معتبر وجود اِقبال کے مطابق ''بندہ مومن'' ہوتا ہے جس کا ایمان انتہائی معتبر اور جس کا ہر قدم کارکشا و کارساز ہوتا ہے۔ وہ خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز ہو کر ایک نئی کائنات کی تخلیق کرتا ہے۔

(۲۳) یہی وجود حضرت حسن بصریؒ کے مطابق ''خوف کا پیکر'' اور حضرت رابعہ بصری کے مطابق ''بے غرض محبت کا پیکر'' ہوتا ہے، اور شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے مطابق یہ وہ بندہ ہوتا ہے جو سکر کے مقام سے گزر کر صحو کے مقام پر فائز ہوتا ہے اور اُس پر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ وہ عبد ہے صرف عبد اَور خدا خدا ہے، جو تمام کوائف و حدود سے مبرا ہے، جو اُس کا معبود ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ نے بھی کیا۔

(۲۴) عبادت ایک اخلاقی و تخلیقی عمل ہے اور ایک مربوط اخلاقی نظام اور اَعمال کا نظام بھی، اور یہی انسان کو رُوحانی تجلیات کے لیے تیار کرتا ہے اور اُس کی سب سے قوی ترین شکل ''شعور نبوّت'' یا ''وجود نبی'' ہے جس کی سرتاسر حیثیت اخلاقی، تخلیقی، تعمیری اور رُوحانی ہوتی ہے اور اُس کا وجود خالص ایک نئے جہاں اخلاق و اعمال اور اکتشاف و اَسرار و حقائق کو وجود بخشتا ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ''وجود نبی'' اور شعور نبی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس تک پہنچنا کسی فرشتے، صحابی یا ولی کے لیے ممکن ہی نہیں۔ چہ جائیکہ عام مومن کے لیے۔ وہ بشر ہے، لیکن تمام تخلیق سے ''مافوق'' ہے۔ وہ حامل وحی ہے، محبوب الٰہی ہے، نور اَوّل ہے، عقل کل ہے اور سر کائنات ہے۔ اللہ کے جملہ صفات کا عکس اُس کے وجود خالص میں موجزن ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ ''شعور پیغمبر'' ایک بیکران سمندر ہے، جس سے انسانیت اپنی پیاس بجھاتی ہے، لیکن اُس کے سوتے کبھی خشک

نہیں ہوتے۔لیکن پیغمبر کا وجود ''علم'' اور ''اطاعت'' اور ''محبت'' کا محور ہے، عبادت کا نہیں۔عبادت صرف خالق کا حق ہے کسی مخلوق کا نہیں۔اس سے ایک بات اور سامنے آتی ہے کہ پیغمبر کے بغیر یا اُس کی اطاعت کے بغیر عبادت، اطاعت، محبت اور علم بے معنی بن جاتے ہیں، کیوں کہ پیغمبر کی اطاعت، حبِ الٰہی کی بنیاد اَور محور ہے اور وہی عبادت کے طریق بھی عطا کرتا ہے۔

پیغمبر کا وجود محض ایک ''فرد'' کا وجود نہیں ہوتا وہ اپنے آپ میں کائنات ہوتا ہے، اجتماع ہوتا ہے۔وہ انسان کی بحیثیت فرد اَور بحیثیت اجتماع، تعمیر کرتا ہے، اُنھیں اس ''حقیقتِ عظمیٰ'' کی معرفت وقرب کی راہ پر ڈال بھی دیتا ہے اور رَہنمائی بھی کرتا ہے جو ایک ''تمنّا'' بن کر اُس کے انفرادی واجتماعی لاشعور میں ایک اُمید، ایک احساس بن کر اُبھرتا رہتا ہے۔جس کی ہستی کو وہ محسوس کرتا ہے اور جسے وہ اپنی تمام اُمیدوں اور آرزوؤں کا مرکز سمجھتا ہے، اور جسے انتہائی کرب ناک حالات میں وہ اپنا واحد اور حقیقی سہارا سمجھتا ہے اور کبھی کبھی یہ احساس بہت شدید اور بہت گہرا ہوتا ہے اور کبھی بہت ہلکا اور مدھم، اور کبھی وہ اُس کے لمس کو محسوس کرتا ہے، ایک نرم و نازک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی مانند اَور کبھی یہ لمس ایک ٹھنڈی روشنی کی رو بن کر اُس کے وجود کو نہلا دیتا ہے اور کبھی گرم ہوا کا تیز جھونکا بن کر اُس کے وجود کو پگھلا دیتا ہے اور آنسوؤں کی صورت میں اُس کے وجود کو نئے معانی، نئی تمنائیں، نئے احساسات اور نئی دِشائیں عطا کرتا ہے۔

(۲۵) مذہب کا تعلق محض خیال یا فکر یا تصورات سے نہیں بلکہ عمل اور اُس وجود حقیقی سے ہے جو اِنسان کی تمناؤں کی کُل کائنات بھی ہے اور نکتۂ آخر بھی۔رخشندگی و آگہی کے وہ لمحات جن میں وہ اپنے خالق و مالک حقیقی کے رُوبرو ہو جاتا ہے، یا اُس سے جُڑ جاتا ہے، یا اُسے محسوس کرتا ہے۔صرف عبادت یا دُعا کے ذریعہ ممکن ہے۔خالص فکر کا اس میں کوئی کردار نہیں۔خالص فکر تو محض مجردات یا تصورات سے جڑی ہوتی ہے جن کا انسان کی وجودی زندگی یا حرکت روحانی میں کوئی عمل دخل نہیں۔لیکن رخشندگی روحِ انسانی کو رُوحِ کل کی زندگی میں شامل کرتی ہے۔

انسان کی فطرت میں جلال و جمال کی پرستش ہے۔وہ ''حیاتیاتی اور نفسی لحاظ سے مرعوب و پروردہ ہے اور جمالیاتی اعتبار سے عابد و پرستار ہے۔چناں چہ جمالیاتی لحاظ سے حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس اور پرستش و تمجید کرنا اور حیاتیاتی و نفسی اعتبار سے شکر و دُعا کرنا اُس کی طبعیت کا خاصہ ہے۔''

''اسلام میں حسنِ عبادت یا اِحسان یہ ہے کہ انسان اپنے الٰہ (معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود) کے حضور اَوّل تو شاہد بن کر عبادت کرے ورنہ مشہود بن کر عبادت و دُعا کرے۔''(۵)

عبادت و دُعا سے اُس کے جذبۂ عبودیت و مربوبیت کی تسکین ہوتی ہے اور جذبات کی یہی تسکین اُسے طمانیت و مسرت عطا کرتی ہے اور اُسی عبادت و دُعا کی وجہ سے وہ اپنے دوست کا

دیدار بھی کرتا ہے اور اُس کی خوشنودی و رضا بھی حاصل کرتا ہے۔

اُسی حقیقت کا اظہار اِس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ جیسے تم اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر عبادت کا یہ عالم نہ ہو تو اِس طرح اس کی عبادت کرو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

اسلامی عبادات کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بیک وقت اِنفرادی بھی ہیں اور اِجتماعی بھی۔ یہی معاملہ دُعا کا بھی ہے۔ دُعا عبادت کا مغز اور اُس کی روح ہے۔ قرآن پاک کی اکثر دُعائیں فرد سے اِجتماع کی طرف لے جاتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''شروع اللہ کے نام سے جو بہت ہی مہربان اور رَحم کرنے والا ہے''

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ۬ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪﴿۷﴾ (الفاتحہ) (۶)

''تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رَب ہے۔ رحمن اور رَحیم ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اَور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اِنعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔''

رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ (۷)

''اے ہمارے رَب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔''

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾ (۸)

''اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اَور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اُٹھا جو یہ کام کریں) پروردگار! میری دُعا قبول کر۔ پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اَور سب ایمان لانے والوں کو اُس دن معاف کر دیجیو جب کہ حساب قائم ہوگا۔

رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا وَّ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ﴿۲۸﴾ (۹)

''میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو اَور ہر اُس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے۔''

انسان جب دوسروں کے لیے دُعا کرتا ہے تو اُس کے دل میں اُن کے لیے بے پناہ محبت، رحمت، عدل و اِحسان اور اِیثار پیدا ہوتا ہے۔ دُعا سے اُس میں اللہ پر توکل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ

دوسروں کے سہارے سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور اُس میں ایک شان بے نیازی اور فقروغنا پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ تمام غلامیوں سے آزاد ہوکر صرف خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔ یوں وہ صاحبِ عزت وحرمت بن جاتا ہے اور اُس کا دل غنی بن جاتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا اور جو خدا کے سوا کسی کا محتاج نہ ہو اُس سے بڑا اَمیر کون ہوسکتا ہے؟

(۲۶) عبادت کے درجے: البتہ! انسان کی اپنی حیثیت قلبی یا روحانی یا آگہی یا تلاش حق کی پیاس پر منحصر ہیں، اور اُن میں سب سے اُونچا درجہ پیغمبر کا ہے کہ اُس کا انتخاب خود وہ حقیقت اَولی کرتی ہے۔ اُس کی پاکیزگی بھی انتہائی حد پر ہوتی ہے، جس سے آگے کوئی پاکیزگی نہیں اور جس کی حد تک جانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اُس کا قلب وہ صاف وشفاف آئینہ ہے، جس سے آگے شفافیت ممکن نہیں۔ اُس کا اللہ سے تعلق انتہائی درجہ منفرد واَعلیٰ ہوتا ہے اور اُسی لحاظ سے اُس کا علم بھی انتہائی کامل ومکمل درجے کا ہوتا ہے۔ اُس کا ہر لمحہ عبادت کا لمحہ ہوتا ہے۔ نیند کے دوران بھی اُس کی روح مطہرہ یا قلب منور جاگتا رہتا ہے۔

(۲۷) ہر علم اپنے آپ میں ایک عبادت ہے۔ ایک مفکر اور سائنس دان کا علم خالق کائنات سے تقرب اور اُس کی معرفت پر ڈال دیتا ہے، لیکن ایک صوفی یا شخص مطہر کا قلب اُس سے جڑ جاتا ہے اور اُس کی حیات میں شامل ہوجاتا ہے۔ مجرد فکر یا سائنسی علم کے لیے یہ ممکن نہیں۔ کیوں کہ معرفت محض تفکر کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ روح انسانی کا ایک گہرا اور وسیع تر تجربہ ہے جس میں وہ روح حقیقی کا قرب حاصل کرتی ہے۔

(۲۸) عبادت کیا ہے؟ اور کس طرح یہ عارف کو رُوحِ حقیقی سے قریب کرتی ہے؟ ایک سربستہ راز ہے اور یہ سائنسی علوم اور نفسیات کے لیے جاننا اَبھی تک ممکن نہیں ہوسکا، اور شاید کبھی ممکن نہ ہوسکے۔

(۲۹) قرب ومعرفت کا عمل شدید قوّت وطاقت کے بغیر ناممکن ہے۔ خالی فکر بصیرت کو پیدا کرتی ہے اور اَخلاقیات کو بلند کرسکتی ہے لیکن کسی زندہ وجاوید تمدن کو پیدا نہیں کرسکتی۔ اُس کے لیے قوّت وطاقت کی ضرورت ہے، اور قوّت وطاقت بصیرت کے بغیر ہوتو ایک ہلاکت خیز اور غیر اِنسانی صورت حال کا سامنا لازمی اَمر ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس میں دونوں کا اِمتزاج ہو۔ تبھی وہ اِنکشاف واِکتشاف ذات اور تعلق ذات کے تجربے سے منور ہوسکتا ہے۔

(۳۰) اِنفرادی عبادت کی اپنی اہمیت ہے اور اُس کے بغیر نہ تو تطہیر وعرفان وتقرب ممکن ہے اور نہ قوت بصیرت اور نہ اِنکشاف واِکتشاف ذات اور نہ اس طاقت وقوت کا حصول، جو اُسے حقیقت مطلقہ کے روبرو کرتی ہے اور نہ اس اخلاقی تطہیر واِرتکاز وبالیدگی وبلندی کا، جو اُسے

دوسرے مطہر اَفراد سے ملا کر ایک ’اجتماع‘ کی تخلیق وتشکیل کرتی ہے اور اُسے توازن وزندگی عطا کرتی ہے۔

(۳۱) عبادت کا حقیقی مقصد اِجتماعی شکل میں زیادہ مثبت اور بہتر طور پر حاصل ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے۔ ہر سچّی اور پُرخلوص عبادت کی روح ہمیشہ اجتماعی ہوتی ہے۔ ایک راہب بھی اِس اُمید پر دُنیا اور اِنسانوں سے کنارہ کش ہوجاتا ہے کہ اِس طرح اُسے خدا کا قرب نصیب ہوگا۔ اسلام نے انفرادی دُعا وعبادت کو ایک بنیادی اہمیت دی ہے لیکن اُس کا مطمعِ نظر ہمیشہ اجتماعی عبادت رہی ہے۔ کیوں کہ اجتماعی عبادت اُسے ایک بڑے مقصد کی طرف لے بھی جاتی ہے اور اُس کے حصول کو ممکن بھی بناتی ہے۔ اجتماعی عبادت اُس کی قوت ادراک، قوت احساس اَور قوت عمل میں بے پناہ اضافہ کرتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اِسلام میں ہر عبادت کی روح اجتماعی ہے اور طریق بھی اجتماعی۔ نماز، روزہ، زکاۃ اور حج پر غور کیجئے تو اُن کی اصل قوت اور اَصل مرکز ''اجتماع'' ہے۔

''اسلام نے عبادت کو اِجتماعی شکل دے کر رُوحانی تجلیات میں بھی جو اِجتماعی شان پیدا کردی ہے اُس پر ہمیں خاص طور سے توجہ کرنی چاہیے۔ ذرا خیال فرمائیے کہ روزمرہ کی صلاۃ باجماعت کے ساتھ ساتھ جب ہر سال مسجدِ حرام کے اِردگرد مکۂ معظّمہ میں حج کا منظر ہماری آنکھوں میں پھر جاتا ہے تو ہم کس خوبی سے سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام نے اقامت صلاۃ کے ذریعے عالم انسانی کے اِتحاد و اِجتماع کا حلقہ کس طرح وسیع سے وسیع تر کردیا ہے۔''

لہٰذا دُعا خواہ انفرادی ہو، خواہ اجتماعی ہو، ضمیر انسانی کی اس نہایت درجہ پوشیدہ آرزو کی ترجمان ہے کہ کائنات کے ہولناک سکوت میں وہ اپنی پکار کا کوئی جواب سنے۔ یہ انکشاف وتجسس کا وہ عدیم المثال عمل ہے جس میں طالب حقیقت کے لیے نفی ذات ہی کا لمحہ اثبات ذات کا لمحہ بن جاتا ہے اور جس میں وہ اپنی قدر وقیمت سے آشنا ہوکر بجا طور پر سمجھتا ہے کہ اُس کی حیثیت کائنات کی زندگی میں سچ مچ ایک فعال عنصر کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفس انسانی کی اس روش کے پیشِ نظر جو دُعا میں اختیار کی جاتی ہے، اسلام نے صلاۃ میں نفی واثبات دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی۔'' (۱۰)

(۳۲) غور کیجئے کہ اسلام نے عبادت کی اجتماعی شکل کے ذریعے ایک ایسے انسانی ورُوحانی سماج اور جماعت کی تشکیل کی جو تمام امتیازات اور نام نہاد برتری کو تفخرات کو مٹاتے ہوئے انسان کو ایک ماں باپ کی اولاد اَور ایک خالق کل کی مخلوق کی صورت میں سامنے لاتی ہے اور اُسے اللہ کی معرفت، اور اُس کی رضا سے منور کرتی ہے۔

(۳۳) اِسلام میں عبادات کی جملہ شکلیں انسان کی بحیثیت فرد تعمیر کرکے اُسے اجتماعی یا

تعمیر اجتماع کی طرف لے جاتی ہیں ایک فلاحی انسانی سماج، ایک خیر اُمّت، ایک خدا کی مخلوق اور عبد، اور یوں اُسے ''ایک محیط بر کل ذات'' جو ہر شئے کی خالق اُس کا سہارا اور اُس کی تمام تمناؤں اور آرزؤں کا مرکز ہے سے جوڑتی ہیں۔ روزہ یوں تو اِنفرادی عمل ہے، لیکن غور کیجئے کہ سارے رمضان میں مسلمان روزہ رکھتے ہیں تو اُن کا پورا ماحول یک لخط بدل جاتا ہے، ایک خاموشی چھاجاتی ہے۔ اُن کے اعمال بدل جاتے ہیں، اطوار بدل جاتے ہیں۔ کھانے پینے کے اَوقات بدل جاتے ہیں۔ عبادات میں ایک نئی جان پڑتی ہے۔ نماز میں عجیب لذت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ رکوع اور سجدوں میں وقت کیسے گذرا، پتا ہی نہیں چلتا۔ افطار وسحری میں رشتہ دار، احباب ہمسائے اور غربا وفقرا، دسترخوان پر ایک متعین وقت پر اَللہ کا رزق کھاتے ہیں۔ شکر وصبر ورضا کی ایک عجیب کیفیت سارے ماحول کو معطر ومنور کرتی ہے اور پھر فطرہ کی ادائیگی اُنھیں اپنے غریب، نادار رشتہ داروں، ہمسایوں اور فقرا کی خوشیوں میں شامل کرتی ہے، اور نماز عیدالفطر، اور عید قربان اُن کو خوشیوں، شکرانے اور قربانی کے ایک مرکز پر لے آتی ہے۔ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوکر وہ اپنی عبودیت، کا اجتماعی اظہار کرتے ہیں۔

روزہ جسم اور رُوح کی تطہیر کرتا ہے۔ پورے دن کا فاقہ، بھوک و پیاس کے احساس کو شعورِ انسانی میں جاگزیں کرتا ہے۔ مجبور ومفلوک الحال، غریب، یتیم اور نادار ومسکین لوگ کیسے بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ ایک سوال بن کر سامنے آتا ہے۔ اتنا ہی نہیں، روزہ محض اس احساس کو زندہ کرنے کا نام نہیں بلکہ اللہ کے حکم کی تابعداری میں، بغیر کسی مجبوری وجبر کے غذا، مشروبات، جنسی صحبت اور اَیسے تمام اعمال سے دور رَہنے کا نام ہے، فقط فاقہ، پیاس اور عیش وآرام سے اجتناب کا نام روزہ نہیں بلکہ ہر ایسا عمل جو اِنسان میں غضب، شہوت، عیش وآرام اور منفی حرکات یا مہلکات یا سیئات سے بالفعل ہی نہیں بلکہ اُن کی سوچ سے بھی دور رَہنے کا نام ہے۔ جسم کا ہر عضو روزہ دار ہو تو رُوزہ ہوتا ہے، ورنہ یہ حدیث نبوی کے مطابق محض فاقہ ہے۔ انسان کے ہاتھ، پاؤں، دل، زبان، آنکھیں، ناک، کان، شرمگاہ، غرض ہر عضو بُرائیوں سے دور رَہے۔ انسان ہر وہ کام کرے جو نیکی، فلاح اور اَچھے انسان اور اَچھے سماج کی تعمیر میں مدد کرے اور اُس کے بدن کے ساتھ ساتھ اُس کی نفس وروح کی تطہیر کرے اور اُسے انعامات الٰہی اور دیدار اِلٰہی کے لائق بنائے، یہ روزہ ہے۔

روزہ کے لیے حلال اور جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی غذا ہی جائز ہے۔ اگر حرام ذرائع سے غذا مل جائے تو روزہ کیسا؟ روزہ وہ عمل ہے جو کمائی کے عمل کی تطہیر سے شروع ہوتا ہے جس طرح نماز کے لیے تطہیر بدن ولباس اور پاک جگہ ضروری ہے اُسی طرح روزہ کے لیے حلال غذا

ضروری ہے۔سوال محض ظاہری تطہیر کا نہیں۔کیا نماز حرام کے لباس میں جائز ہے۔کیا نماز حرام کمائی سے بنائے ہوئے مکان میں جائز ہے؟ کیا نماز حرام کی غذا سے پلے ہوئے جسم کی قبول ہوتی ہے۔نماز کی ادائیگی اور قبولیت کے لیے یہ چیزیں انتہائی درجہ اہمیت کی حامل ہیں، اگر دل میں یہ احساس ہو کہ میں رب العلمین سے ملاقات کے لیے حاضر ہو رہا ہوں۔ٹھیک یہی معاملہ روزہ کا ہے۔روزہ صرف بجائے خود تطہیر کا عمل اور عبادت نہیں بلکہ اس کے لیے ہر وہ عمل ضروری ہے جو اُسے تطہیر جسم و جان اور عبادت بنائے۔حدیث نبوی کے مطابق جب حرام غذا سے پلنے والے جسم پر جنت حرام ہے، تو اُس غذا سے روزہ کی شروعات اور اَفطار کیسے جائز ہے۔ ہر جائز اور نیک عمل کے لیے جائز ذرائع ہی کا اختیار کرنا ضروری ہے ورنہ وہ عمل ہی فاسد ہو جائے گا۔

ٹھیک یہی معاملہ زکوٰۃ وعشر، فطرہ وصدقات وخیرات کا بھی ہے۔حرام مال کی زکوٰۃ کیسی؟ زکوٰۃ تو جائز اَور حلال مال اور کمائی کی ہے۔ جو مال حرام کمائی اور حرام طریقوں سے حاصل کیا جائے، اُس سے عبادت اور نیک اعمال کا اور اَجر کے کیا معنیٰ؟ زکوٰۃ اور دوسرے صدقات کا اطلاق حلال و جائز کمائی پر ہوتا ہے۔حقوق العباد کا تعلق بھی جائز مال اور اُمورات سے ہے۔حرام کمائی اور اُس کے جملہ ذرائع حقوق العباد پر ڈاکہ زنی اور غارت گری ہیں اور اُس مال و جائداد سے جو ناجائز ذرائع سے حاصل کی جائے حقوق العباد کی ادائیگی کیسے ہو سکتی ہے؟ ناجائز مال حرص و ہوس، بخل، دوسروں کے حقوق پر شب خون مارنے اور اَللہ کے احکامات سے انحراف و بغاوت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اُس سے تطہیر کیسی اور اُس کی تطہیر کیسی؟

مال میں حقوق العباد ہیں۔ وراثت کی جائز تقسیم حلال ذرائع سے مال کی کمائی اور تمام سیئات و مہلکات جیسے حرص و ہوس، بخل اور اِرتکاز مال سے اجتناب اولین شرائط ہیں جو مال کو جائز بناتے ہیں اور جو اُسے وسیلہ تطہیر بھی بناتے ہیں۔حرام کمائی تو نار جہنم ہے، اُس میں میراث کیسی؟ اور اُس میں برکت کیسی؟ نماز، زکاۃ، روزہ، بیک وقت تطہیر جسم و جان بھی ہیں اور تطہیر مال بھی اور تطہیر سماج بھی اور اُن سب کی ادائیگی نیک اور پاک طریقوں سے ہی ہو سکتی ہے۔

زکوٰۃ انسان کے قلب و رُوح کو محبت مال، بخل اور حرص و ہوس، دوسروں پر ظلم اور اِستحصال سے روکتی اور پاک کرتی ہے۔اللہ کی محبت کے لیے ضروری ہے کہ قلب ماسوا اللہ سے پاک ہو۔ حرام مال تو حرام مال ہے، کبھی کبھی حلال مال بھی اللہ کی محبت میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اِسی لیے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے بھی کئی درجے ہیں:

پہلا درجہ صدیقین و عادلین کا ہے جو اَپنا سارا مال اللہ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ یہ ایثار وصدق کا مجسمہ ہوتے ہیں اور اُن کے قلب ماسوا اللہ سے کلی طور پر پاک ہوتے ہیں۔

عادلین وہ ہیں جو اپنی ضرورت کے لیے کچھ مال روک لیتے ہیں اور باقی سب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

عام مسلمان جو ڈھائی فیصد زکاۃ دیتے ہیں۔ وہ شخص جو اللہ کی رضا میں اللہ کی راہ میں اللہ کے لیے سب کچھ نچھاور کرتا ہے، وہ سب سے زیادہ امیر ہوتا ہے، کیوں کہ اُس کی مرضی اللہ کی مرضی بن جاتی ہے۔ وہ مال کا ہونے کے بجائے اللہ کا ہوجاتا ہے اور اُس میں اللہ کی صفت سخاوت موجزن ہوجاتی ہے۔

بخیل اور کنجوس اور مال کی محبت میں گرفتار تو شقی القلب ہوتا ہے اور جتنا وہ مال کے ہوس وحرص میں گرفتار ہے، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہے اور جتنا وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہے اتنا ہی اس کا قلب سیاہ ہے۔

اس کے معنی یہ نہیں کہ انسان کے پاس مال نہ ہو، وہ دولت مند نہ ہو۔ اُس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مومن تمام دولت بشمول اپنے جسم وجان کو اَللہ کی امانت سمجھتا ہے اور اللہ کی مرضی کے مطابق اُن پر اُس کے احکامات کا اطلاق کرتا ہے۔ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور اُسی کی محبت میں اپنی جان اور اَپنے مال کو اُس کی راہ میں نچھاور کرتا ہے۔ وہ دنیا کے پیچھے نہیں چلتا، دنیا اُس کے پیچھے چلتی ہے۔ یہ دنیا اُس کی منزل نہیں ہوتی ہے، اسی لیے وہ اس میں سے صرف اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ اُس کا دل غنی ہوتا ہے اور غنی کی حتمی صفت تو اللہ کی ہے۔ اسی لیے ہر پاک اور نیک وجود اَللہ کی صفات سے مزین ومنور ہوتا ہے۔

یہ صفات ہی حسنات ہیں اور حسنات ہی منجیات ہیں اور منجیات ہی اقدار عالیہ ہیں۔ ان ہی اقدار عالیہ کا اعلیٰ نمونہ ختمی مرتبت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس وعالیہ ہے جو رَحمت للعالمین ہیں، ہادی اعظم ہیں، جوامع الکلم ہیں، خاتم النبیین ومرسلین ہیں اور اِنسان کامل اور اَللہ کے محبوب، وجہ کائنات اور اَللہ کے خلیفۂ حقیقی ہیں۔

(۳۴) حج مجموعۂ عبادات ہے: یہ اسلام کی انفرادی واجتماعی عبادات کا انتہائی مکمل اور خوب صورت اظہار ہے۔ یہ جسمانی عبادت بھی ہے مالی عبادت بھی۔ یہ ہجرت الی اللہ وکعبۃ اللہ بھی ہے اور ایثار وقربانی سے بھرپور عمل بھی ہے۔ یہ اس حیثیت سے روزہ کا مظہر بھی ہے کہ دوران حج حاجی ان مختلف جسمانی وجنسی اعمال سے دور رَہتا ہے جو رُوزہ کی طرح حج کو بھی فاسد کردیتی ہیں۔ یہ نفس پر قابو اَور اُس کی تطہیر کا ایک حکم ربانی بھی ہے۔ یہ خدمت خلق کا عظیم موقعہ بھی فراہم کرتا ہے اور اُس کا درس بھی دیتا ہے۔ یہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا سب سے قوی اور شاندار اظہار ہے۔ یہ وہ اجتماع امت ہے جو تمام شیطانی ومشرکانہ تفاخرات کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اس میں نماز باجماعت کی

طرح زبان ورَنگ ونسل اوردیگر تفاخرات سے کلی طور پر بالاتر ہوکر مسلمان شامل ہوتے ہیں۔ ایک اللہ کے بندے، ایک نبی اُمّی کے اُمّتی، ایک اُمّت، ایک جسد واحد کی صورت میں اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اُس کے گھر کا طواف کرتے ہیں، صفامروہ میں دوڑ لگاتے ہیں، شیطان پر کنکر مارتے ہیں اور قربانی کرتے ہوئے اپنے نفس کو ذبح کرتے ہوئے، اللہ کی محبت وطاعت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ وحدت انسانی اور اِتحادوقوت اُمّت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ یہ اُمّت کے سیاسی، معاشی، سماجی، تعلیمی، دینی اور رُوحانی اشتراک عمل کا مظہر ومرکز ہے۔ یہ اُمّت کے اجتماعی وجوداَور اُس کے جملہ مسائل کا احساس وعرفان اوراُن کے حل کا واحد اجتماع ہے۔

ہرعبادت کی ابتدا بھی پاکیزگی ہے اور انتہا بھی پاکیزگی، پاکیزگی کی ابتدا ایمان ہے اور ایمان سب سے سچی، پیاری اور فلاح دارین کی ضامن بات کلمہ طیبہ لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰهِ کا زبان سے اقراراَور دِل سے تصدیق ہے۔ جسے قرآن پاک ''شجرطیبہ'' قرار دیتا ہے۔

''کیاتم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت، جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رَب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثال اللہ تعالیٰ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں، اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایک بدذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے، اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔(۱۱)

اور اِس کلمہ طیبہ کو انسان جب اپنی زندگی کی بنیاد اور محور بنا کر اَپنے اعمال انجام دیتا ہے، جو ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ ہی ہیں، منجیات ہیں، حسنات ہیں، اقدارِعالیہ ہیں، جو اُسی کلمہ طیبہ سے پھوٹتے ہیں، تو اُس کے نتائج بہت ہی صحیح، ثمر دار، باوقاراَور مفید ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا روحانی واخلاقی ودنیوی نظام مرتب کرتا ہے، ''جوفکر میں سلجھاؤ'' طبیعت میں سلاست، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی، اخلاق میں پاکیزگی، روح میں لطافت، جسم میں طہارت ونظافت، برتاؤ میں خوشگواری، معاملات میں راست بازی، کلام میں صداقت شعاری، قول وقرار میں پختگی، معاشرت میں حسن سلوک، تہذیب میں فضیلت، تمدن میں توازن، معیشت میں عدل ومواساۃ، سیاست میں دیانت، جنگ میں شرافت، صلح میں خلوص اور عہد پیمان میں وثوق پیدا کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا پارس ہے جس کی طرح اگر کوئی ٹھیک ٹھیک قبول کرلے تو کندن بن جائے۔''(۱۲)

اور اِس کے مقابلے کلمۂ خبیثہ یعنی کفروشرک ونفاق صرف ناپاکی، فساد، انتشار، ظلم وجبر اور اِستحصال کو زندگی میں بھر دیتا ہے اوراُسے مجسم جہنم بنا دیتا ہے۔

ایمان اقرار وتصدیق کا نام ہے۔ لیکن یہ اقرار وتصدیق اس وقت بامعنی بن جاتا ہے

جب ان تمام ذمہ داریوں کو اِنسان قبول کرے اور اُن کو نبھائے جنھیں فرائض وسنن کہا جاتا ہے۔
ان فرائض میں اوّلیت نماز (صلوٰۃ) کو حاصل ہے۔ یہ تمام عبادات سے برتر ہے، کفر اَور اِسلام کی کسوٹی ہے اور اُن کے درمیان حد فاصل بھی۔ یہ دین کا ستون ہے اور جس نے نماز سے اِنحراف کیا، اُس کو ترک کیا اُس نے دین کی عمارت کو ڈھا دیا۔ یہ جنت کی کنجی ہے۔ یہ سب سے بہترین عمل ہے اور اُس سے زیادہ بہتر کوئی اظہار عبودیت کا نہیں۔ یہ انسان کے قلب و رُوح کو منور کرتی ہے اور اُسے تمام معائب، شر، نجاست اور مہلکات وسیئات سے محفوظ کرتی ہے۔ حضرت ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کے مطابق نماز ایک صاف وشفّاف نہر کی مثل ہے جو تمام گناہوں کو دھو دیتی ہے۔
''صلوٰۃ'' کے لفظ کا اشتقاق ''صلیٰ'' سے ہے، جس کے معنی ہیں آگ، جو دل کی زنگ کو جلا کر اُسے پاک وصاف آئینہ بنا دیتی ہے۔ اُس کے معنی برکت، رحمت اور اَچھی تعریف کے بھی ہیں۔ کسی ٹیڑھی لکڑی کو آگ سے سیدھا کر دیا جاتا ہے۔ نماز نفس امّارہ کی کجی کے لیے آگ ہے۔ انوارِ الٰہی کا حصول حجابات کی دوری تک ممکن نہیں۔ جب دل کو نماز سے سطوت الٰہی اور عظمت الٰہی کا شعلہ پہنچتا ہے تو اُس کی کجروی دور ہو جاتی ہے اور اُسے روحانی معراج حاصل ہوتی ہے۔ اس کے معنی پکارنے کے بھی ہیں۔ (۱۳)
یہ معراج المومنین ہے یعنی اسی کے ذریعے مومن روحانی بلندی وکمال حاصل کر کے معرفت وتقرب خداوندی سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔ نماز میں انسان دنیا اور اُس کی آلائشوں سے دور ہو کر بارگاہِ خداوندی میں حاضری دیتا ہے۔ اُس کی حمد وثنا کرتا ہے اور شانِ کبریائی ذا الجلال سے ''متاثر ہو کر رُکوع میں سَر نیاز جُھکا دیتا ہے۔'' اس کے فیوض وبرکات سے فیض یاب ہوتا ہے اور ''جلال کبریائی سے متأثر ہو کر سجدے میں گر پڑتا ہے'' خدا کی شان کبریائی اور اَپنی بے چارگی اور بندگی کا احساس اُسے اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ وہ التحیات میں بیٹھ کر اَپنے خالق ومالک کی خدمت میں تحیات وسلام پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو یاد دِلاتا ہے کہ جب اُس کے ہادی وپیغمبر اعظم شفیع المذنبین ورحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رب کائنات کے دربار میں باریابی ہوئی تو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتهٗ کے ربانی تحفے سے اُس کو سرفراز کیا گیا۔ اُس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَعَلٰی عِبَادِاللهِ الصّٰلِحِیْن کے الفاظ میں پیش کیا تھا۔ التحیات میں بندہ اپنی بندگی اور خدا کی وحدانیت ویکتائی کا اقرار کرتا ہے، اور حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور آپ کے آباواَجداداَور اہل بیت طاہرین) جو اُس کی ہدایت کا آخری اور اکمل ذریعہ ہیں، پر درود وسلام بھیجتا ہوا اُن کے احسانات کا شکریہ ادا کرتا ہے اور رَب کریم سے دونوں جہانوں میں

اپنی، اپنے والدین اور جملہ مومنین کی عافیت وسرخروئی وکامیابی کی درخواست کرتا ہے۔(۱۴)

اسلام امن وسلامتی و پاکیزگی کا دین ہے اور اُس دینِ خالص کا ہر اُصول اور ہر عمل پاکیزہ ہے۔ اسلامی عبادات اللہ کے سامنے عاجزی وانکساری، فروتنی اور بے کسی اور اپنے گناہوں پر ذلّت وشرمندگی وندامت کے احساس اور بخشش وکرم فرمائی کی اُمید کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضری ہے۔

اور اُس کی پہلی شرط نفاست و پاکیزگی ہے۔ظاہری وباطنی یا معنوی غلاظت اور ناپاکی سے جسم وروح کی صفائی۔ یہ احادیث مبارکہ اَلطَّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ صفائی و پاکیزگی نصف ایمان ہے، اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ اور بُنِيَ الدِّيْنُ عَلَى النَّظَافَةِ دین کی بنیاد پاکیزگی ہے، اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں، اس کا وسیع تر نام قرآن حکیم میں تطہیر وتزکیہ ہے اور نماز کے حوالے سے اِس کا نام غسل یا وضو ہے۔ اس کا اطلاق انسان کے جسم پر بھی ہوتا ہے اور رُوح وقلب پر بھی اسی لیے اس کی پہلی شرط ایمان ہے۔ ایمان دل کی پاکیزگی کا نام ہے اور جسم، لباس، عادات وطوار، اعمال، معاش اور زِندگی گزارنے کے ہر عمل پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے۔

ایمان پاکیزگی کی شرط اوّلین ہے۔ اس کے بغیر ہر دل سیاہ اور ہر عمل چاہے وہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، نا قابلِ قبول ہے۔ کیوں کہ باغی کا کوئی بھی عمل اور کوئی بھی اچھائی اُسے جرم بغاوت سے بری نہیں کرتی۔ اسی لیے قرآن پاک نے ایسے لوگوں کو ''نجس'' یعنی ناپاک قرار دیا ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ (بے شک مشرکین نجس ہیں)

وضو کی دو بڑی جہتیں ہیں:

(۱) قلب ورُوح کی تطہیر و پاکیزگی

(۲) جسم کی پاکیزگی

دل کی طہارت خلوص نیت ہے جو توبہ اور اَخلاص سے ہوتی ہے۔معرفت خداوندی دل ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ جسم اور جگہ صاف ہو، بدن پاک ہو، یہ ظاہری طہارت ہے۔ باطن صاف ہو اُس کے لیے توبہ، اپنے گناہوں پر ندامت وشرمندگی اَور اِحساس خجالت اور اُسی حالت میں دربارِ الٰہی میں حاضری باطنی طہارت ہے۔(۱۵)

خدائے قدوس ہر کمی، نقص، دوئی، آلائش اور شراکت سے پاک ہے۔ اُس کی بنیادی صفت ہی ''پاکی'' ہے۔ وہ ''سبحان'' ہے، وہ ''قدوس'' ہے۔ وہ اَحد وصمد یعنی یکتا و بے مثل ہے۔ قادرِ مطلق ہے، ہمہ دان وہمہ جا ہے، نور ہے۔ نور انتہائی پاکیزگی کا نام ہے۔ وہ ہر شئے کا نور ہے، اُس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق انتہائی منفرد ہیں اور اُن میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔

اور اُس نے ہر پیغمبر کو پاک اور طاہر و مطہر بنا کر بھیجا۔ ہر پیغمبر علی الخصوص پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی معصوم ہیں۔ آپ میں خدا کی جملہ صفات کا پرتو موجود ہے۔ آپ کو ہر گندگی سے دور رکھا گیا اور آپ کا کام انسانیت کی تطہیر و تزکیہ، علم، کتاب اور حکمت کی تعلیم ہے اور یہ ساری چیزیں پاکیزہ ہیں۔ آپ کا لایا ہوا دین اور آپ کی لائی ہوئی کتاب ''دین مبین'' و''نور مبین'' ہے۔

اِسی لیے اسلام اَمن وسلامتی کا نقیب ہے۔ اُس میں کسی انتشار، نجاست اور فساد کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر فساد، اِنتشار و نجاست چاہے وہ روحانی ہو کہ جسمانی، ذہنی ہو کہ عملی ناپاکی کی دلیل ہے۔ اِسی لیے اسلام میں تزکیۂ نفس و تطہیر قلب کے نام پر کسی ''رہبانیت'' جسم کشی و''رُوح کشی'' کی کوئی گنجائش نہیں اَور نہ اُسے طریقۂ معرفت مانا جا سکتا ہے۔ عرفان و معرفت و محبت وعبادت کے وہی طریقے معتبر ہیں اور وہی قابلِ قبول و قابلِ عمل ہیں جو ختمی مرتبت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت طاہرین واَصحاب کاملین نے اختیار کیے اور جن کے کرنے کی ہدایت فرمائی۔ یہی بات شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی نے فرمائی تھی جب اُنھوں نے تصوف کی تعبیر کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ جو بات قرآن وسُنّت نبوی کے مطابق ہے وہ تصوّف ہے اور یہ یاد رکھیے کہ قرآن و پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ سکھایا وہ بہت ہی آسان و دلکش ہے، اور اُس میں کوئی سختی نہیں اور یہ انسان کو عزت و حرمت عطا کرنے والا ہے، ذلیل کرنے والا نہیں۔ تزکیہ و تطہیر کے معنی ہر اُس شئے سے اپنے آپ کو رُوکنا ہے جو اللہ اَور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کردے۔ اللہ اَور رَسول تو اِنسان کو عزت و حرمت عطا کرتے ہیں، ذلیل و رُسوا نہیں کرتے، اُسے بے معنی سختی میں نہیں ڈالتے۔ یہ کام تو شیطان اور اُس کے حواریوں کا ہے جو اِنسانی زندگی کو ایک جرم اور سزا اَور مکافات عمل کہتے ہیں۔ اِسی لیے اسلام نے انسان کو کائنات کی ہر شئے سے اِستفادہ کرنے کی اجازت دی، شرط صرف قانون اِلٰہی یا حلال وحرام کے حدود ہیں، اور اُن حدود کا اِحترام ہی عبادت ہے اور یہی حکم اِلٰہی و حکم نبی ہے۔ تبذیر شیطان کا کام ہے۔ اعتدال شریعت کی روح ہے اور عبادت کے لیے بھی اعتدال ہی واحد راستہ ہے۔ بے اعتدالی روح شریعت سے اِنحراف ہے اور عمل صالحہ اور عبادت کے لیے یعنی تطہیر کے لیے ہر شخص اپنی حیثیت اور اپنی قوت کے مطابق ذمہ دار ہے، کیوں کہ اللہ کسی پر اُس کی اِستعداد و قوت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ اُصول معرفت و عبادت کے لیے بھی ہے، اور اِن پاکیزہ لوگوں کو اَللہ تعالیٰ بہت دوست رکھتا ہے۔

''اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اَللہ تعالیٰ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔'' (١٦)

اللہ اُن ہی لوگوں کو بہترین انسان قرار دیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی پاکیزہ، خوف خدا سے مزین اور اُس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔

جسم ورُوح کی پاکیزگی وطہارت کے اپنے آداب وطریق ہیں اور اُس طہارت سے وابستہ ہر عمل حضور قلب، احترام قبلہ اوراَدب واحترام کا حامل اور شیطان سے دوری کا ہوتا ہے۔ طہارت بدنی مومن کا ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے وہ شیطان (کے حملوں) سے محفوظ ہوجاتا ہے۔(۱۷)

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے خیال میں طہارت دوطرح کی ہے: طہارت ظاہری اور طہارت باطنی اور اُن کی تین تین قسمیں یہ ہیں، طہارت باطنی کی تین قسمیں یہ ہیں:

(۱) گناہوں سے اعضائے جسم کو پاک رکھنا

(۲) اخلاق بد سے دل کو پاک رکھنا۔

(۳) اور خدا کے سوا ہر شئے سے دل کو پاک رکھنا۔

طہارت ظاہری کی تین قسمیں یہ ہیں:

(۱) نجاست سے پاکی

(۲) (حدث) ناپاکی اور جنابت سے پاکی

(۳) جسم میں بڑھنے والی چیزوں جیسے بال، ناخن وغیرہ سے پاکی (۱۸)

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے طہارت کے چار دَرجے بیان کیے ہیں:

(الف) بدن، لباس اور مکان کی پاکیزگی، یہ عام طہارت کا درجہ ہے۔

(ب) ظاہری اَعضا کو گناہوں سے دور رَکھنا اور اُن کی صفائی کرتے رہنا، یہ طہارت اَبرار (صالحین/نیکوں) کی ہے۔

(ج) نفس کو تمام صفات ذمیمہ کی کدورتوں سے پاک رکھنا، یہ طہارت سالکوں کی ہے۔

(د) ماسوا اللہ سے دل کو صاف رکھنا، یہ طہارت صدیقوں کی ہے۔(۱۹)

طہارت بدنی ورُوحانی عبادت کی بنیادی شرائط ہیں۔ اسلام نے عبادات کا ایک سادہ منفرد اَور اِنتہائی پاکیزہ نظام مرتب کیا ہے اور اُن کے ادا کرنے کے لیے مخصوص طریقے متعین کیے ہیں۔ اُن سے ہٹ کر کوئی بھی دوسرا طریقہ یا طریقے اختیار نہیں کیے جاسکتے، کیوں کہ یہ اُن کی شکل اور رُوح کو بگاڑ دیں گے۔

اِن عبادات میں نماز کی اِساسی اہمیت ہے۔ یہ دین کا ستون اور اِسلام اور کفر وشرک کے درمیان حد فاصل ہے۔ نماز کی تین بڑی قسمیں ہیں: فرض، سنت اور نوافل۔

فرائض وسنت کے پانچ اوقات متعین ہیں اوراُن کی طرف بلانے کے لیے اسلام نے دنیا کے دیگر تمام مذاہب سے جو کبھی سنکھ، کبھی ڈھول، اور کبھی گھنٹی بجاتے ہیں، سے بالکل اوراَ لگ اور منفرد طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ اذان ہے جس کے ذریعے انتہائی سادگی اور متانت کے ساتھ، نماز کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔

اذان مسجد کے میناروں سے بلند آواز میں دی جانے والی وہ آواز ہے جس میں اللہ کی کبریائی، عظمت وبزرگی، شان وشوکت اور بڑائی کا اِعلان ہوتا ہے۔ تمام جھوٹے خداؤں سے انکار اَور ایک معبودِ حق کی شہادت کے ساتھ ساتھ حضرت ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ونبوت کا اقرار واِعلان ہوتا ہے۔ مومنین کو کامیابی وفلاح کے عمل نماز کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور صبح کی اذان میں اس بات کی اضافی یاد دِہانی کرائی جاتی ہے کہ نماز نیند سے بہتر ہے۔ یوں اُن کی صبح کا آغاز بھی طہارت و پاکیزگی اور اَللہ اور اُس کے آخری نبی ورَسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اَور اُس عظیم عبادت کی طرف دعوت سے ہوتا جو دین کی بنیاد، تمام روحانی وجسمانی بیماریوں سے بچانے والی اور خیرِ کثیر وسعادتِ اُخروی کی طرف لے جانے والی ہے اور رات یعنی آرام کا آغاز بھی۔ کیوں کہ نمازِ عشا کی ادائیگی کے بعد نینداَور آرام کا وقت ہے مومنین کے لیے۔ اذان کفر وشرک کے سیاہ اندھیروں کو پاش پاش کرنے والی آواز اَور نماز کی دعوت کی صورت میں ایک عظیم رُوحانی واَخلاقی واِنسانی انقلاب کی دعوت ہے۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذان سے پیدا

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے اذان کو قیامت کی ندا سے تشبیہ دی ہے۔ اگر ایک مومن اذان کی آواز سنتے ہی اس طرف متوجہ ہوتا ہے اور نماز کے لیے جلدی کرتا ہے تو یہ آواز اُس کے لیے قیامت کے دن بشارت کی آواز ہوگی۔ اِسی لیے قیامت کی ندا کے وقت بھی وہ خوش ہو کر اُس کی طرف متوجہ ہوگا، اور ایسا شاید اِس لیے بھی ہے کہ قیامت تمام کائنات کو پاش پاش کرنے والی ہے، اور وہ اذان ہی کیا اَور وہ نماز ہی کیا جو اِنسانی وجود کے اندر چھپے ہوئے شیطان، طاغوت اور بُرائیوں کے ہر تصور ومرکز کو پاش پاش نہ کر دے اور یہ بھی کہ قیامت کے بعد انسان میدانِ حشر میں اللہ کے سامنے اپنا نامہ اعمال لیے ایک دائمی کامیابی یا دائمی رُسوائی وعذاب کا منتظر ہوگا۔ اذان ایک مومن کو ہر نماز کی طرف دعوت کی صورت میں اُسے یاد دِلاتی ہے کہ نماز میں تم خدا کے سامنے حاضر ہو، اگر نماز نماز کی طرح پڑھی تو یہ دربارِ خداوندی میں حاضری ہے اور یہی تمہاری تمنّا اور تمہاری معراج ہے۔ اسی لیے حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ نماز عاجزی، انکساری، خلوص نیت اور پاکیٔ قلب

کے ساتھ کہ اللہ کے سوا کوئی دل میں نہ ہو، اللہ کی طرف یکسوئی اور توجہ کے ساتھ پڑھو کہ جیسے تم اُسے دیکھ رہے ہو اَور اگر اتنی توجہ حاصل نہ ہو تو اِس طرح پڑھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

نماز اِس توجہ سے ادا کرنے کے لیے قبلہ کی طرف رُخ لازمی ہے۔ اپنے ظاہری چہرے کو قبلہ کی طرف کرنے کے معنی اور مقصد اَللہ کے سامنے یکسوئی و توجہ کے ساتھ حاضری ہے اور یہ یکسوئی جب تمام دنیا سے منھ موڑ کر خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا عمل ہو تو یہ نماز واقعی نماز ہوتی ہے۔ کعبہ تو ظاہری قبلہ ہے اور باطنی قبلہ ہے کعبہ کے مالک کی طرف متوجہ ہونا اِس طرح کہ دل میں اُس کے سوا کچھ نہ ہو۔ (۲۰)

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے حقوق عبودیت کے بیان میں جن اُمور پر بحث کی ہے وہ بہت ہی اہم ہیں۔ لیکن یہاں اِس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ عبودیت کے متعلق اُن کی تمام فکر اَور تفسیر کا مبدأ و مرکز امام غزالی رحمہ اللہ کی تصنیفات علی الخصوص ''احیاء العلوم'' اور ''کیمیائے سعادت'' ہے۔ مابعد الطبیعاتی مسائل میں اُن کی فکر منصور حلاج، (۳۰۹ھ/ ۹۲۲ء)، ابن الفارض (۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء)، ابن عربی (۶۷۸ھ/ ۱۲۸۰ء) اور عبدالکریم جیلی (۸۲۰ھ/ ۱۴۱۷ء) سے بہت زیادہ متأثر ہے۔ ہم اس وقت ان اُمور پر بحث کرنے کے بجائے اُن کی ''حقوق عبودیت'' سے متعلق بحث کو سامنے لائیں گے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے عبادات کو اَرکان حقائق اسلام کے عنوان کے تحت زیر بحث لایا ہے اور اُس کے چار اَرکان بیان کیے ہیں: رکن اوّل ''عبادات'' کے بیان میں ہے اور اُس کے دس اصول ہیں۔ نماز اُن ارکان میں انتہائی اہم اصول اور عبادت ہے۔ اِن عبادات کا تعلق الٰہیات، علم، طہارت اور مکروہات طہارت سے ہے۔

باب الصلاۃ میں امام غزالی رحمہ اللہ نے نماز کے اَرکان ظاہری اور اَرکان باطنی کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور رُکوع کے فروعات پر بحث کی ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے نماز پر بحث کرتے ہوئے جو اَبواب قائم کیے ہیں وہ یوں ہیں:

۱۔ فضیلت نماز اَور اُس کی مکرمت و بزرگی

۲۔ بارگاہ خداوندی کے مقربین کی نماز

۳۔ آداب و اَسرار نماز اَور اُن ابواب کی تفصیل میں معنیٔ صلاۃ، اس کی ادائیگی کے طریق، خشوع خضوع، قیام و رُکوع و سجود کی ادائیگی اور نماز کے حقائق و اَسرار پر بحث کی ہے۔

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی ''ذخیرۃ الملوک'' حضرت امام غزالی کی ''احیاء العلوم''

کا نچوڑ ہے اور اُس کی تفصیل میں حضرت شیخ سہروردی اور دیگر اَکابرین صوفیا کی آرا اَور اَثرات بھی بخوبی واضح ہیں۔ جناب سیدرَحمہ اللہ نے ''حقوق عبودیت'' کے باب میں اسلام کی تین اہم عبادات نماز، روزہ اور زَکاۃ پر تفصیلی بحث کی ہے اور اُس میں جن مسائل کو بہت ہی تنوع کے ساتھ زیرِ بحث لایا ہے، وہ ہیں: دین میں نماز کی اِساسی حیثیت، اس کے اَسرار ورُموز، اُس کی فرضیت، اُس کے فضائل اور آداب ولوازمات پر بحث کرتے ہوئے اُنھوں نے ''کبائر گناہ'' کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ جو بہت ہی اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اِس مسئلے کی تشریح وتعبیرات نے کتنے ہی فلسفیانہ، سیاسی، کلام اور فقہ کے مکاتیب کو پیدا کیا۔ جن میں معتزلہ، اشاعرہ، شیعہ، خوارج، مُرجیہ اور ماتریدیہ بہت اہم ہیں۔ اس بحث میں جبریہ اور قدریہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، حالاں کہ اُن کا بنیادی مسئلہ ''آزادی'' ہے، لیکن اِس مسئلے کی کنہہ بھی ''گناہ'' کے صدور میں انسان کے ''کردار'' کا مسئلہ ہے۔

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے ''حقوق عبودیت'' پر بحث کی اِبتدا اِن حقوق کی بجاآوری اور ضروریات سے کی ہے۔ عبادت اللہ کے سامنے انتہائی تذلل وانکساری وعاجزی کا نام ہے۔ اس کی مختلف قسمیں ہیں اور نوع کے لحاظ سے ان کی ادائیگی کے طریقے بھی الگ ہیں۔

عبادات کی تین بڑی حیثیتیں ہیں: فرض، سنت اور نفل، اور اِسی لحاظ سے اُن پر اِیمان نہ رکھنے والا اور عمداً تارک کافر ہے۔ سنت کا تارک کافر نہ سہی لیکن یہ عمل اُس کے نفاق پر دلیل ہے۔ نفل عبادات ایمان کو مزین ومضبوط کرتی ہیں، اور اَللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رابطے اور رِشتوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرتی ہیں۔

اسلامی عبادات میں نماز کو اَوّلیت حاصل ہے۔ یہ دین کا پہلا رکن ہے جو سب سے زیادہ افضل ہے۔ اُسے دین کا ستون کہا گیا ہے اور اُس کے تارک کو دین کو تباہ کرنے والا اور اُسے مضبوط کرنے والے کو دین کو مضبوط کرنے والے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِس کے تارک پر دنیا اور آخرت دونوں میں خسران وتباہی ہے۔

اَلصَّلَاۃُ عِمَادُالدِّیْنِ فَمَنْ اَقَامَھَا فَقَدْاَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْھَدَمَ الدِّیْنَ۔

اس کی اولین فرضیت کسی کے مومن ہونے یا نہ ہونے پر گواہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق نماز کے سوا کچھ اور نہیں۔ نماز کو قصداً چھوڑنے والا کافر ہے اور اُس کی ادائیگی میں حیلے بہانے کرنے والا انتہائی گناہ گار اَور فاسق ومنافق ہے۔ نماز کی فرضیت کا انکار کرنے والا اور اُس کا مذاق اُڑانے والا کافر ہے۔ قرآن پاک میں بار بار اِقامتِ صلاۃ کا حکم آیا ہے اور اُس کے ساتھ زکاۃ کی ادائیگی کا حکم بھی آیا ہے۔ دونوں احکامات میں ایک تسلسل ہے۔

''ان پرہیزگاروں کے لیے جوغیب پر اِیمان لاتے ہیں،نماز قائم کرتے ہیں، جو رِزق ہم نے اُن کودیا ہے،اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''(۲۱)

''صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر اُن فرماں بردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار اُنھیں اپنے رب سے ملنا اَور اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''(۲۲)

''نماز قائم کرنا اور زَکاۃ دینا۔''(۲۳)''نماز قائم کرواَور زَکاۃ دو۔''(۲۴)

اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو،خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلاۃ کی جامع ہو۔ اللہ کے آگے اِس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔ بدامنی کی حالت ہو،خواہ پیدل ہو،خواہ سوار ہو،جس طرح ممکن ہو نماز پڑھو، اَور جب اَمن میسر آئے تو اللہ کو اِس طریقے سے یاد کرو، جو اُس نے تمھیں سکھادیا ہے،جس سے پہلے تم ناواقف تھے۔(۲۵)

''نماز قائم کرواَور زَکاۃ دواَور اَللہ کو اَچھا قرض دیتے رہو۔''(۲۶)

''ہدایت اور بشارت اُن ایمان والوں کے لیے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زَکاۃ دیتے ہیں۔''(۲۷)

''اے لوگو جو اِیمان لائے ہو! رکوع اور سجدہ کرواَور اَپنے رب کی بندگی کرواَور نیک کام کروشاید کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔''(۲۸)

''پھر وہ ناخلف لوگ اُن کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی۔ پس قریب ہے کہ وہ گمرہی کے انجام سے دوچار ہوں۔''(۲۹)

''جو لوگ اللہ اَور رُوزِ آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکاۃ دیں اور اَللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں اُنہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔''(۳۰)

''جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں، ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔''(۳۱)

وہ لوگ جو نماز میں جان بوجھ کر تغافل کرتے ہیں اور کسمساتے ہوئے نماز کے لیے آتے ہیں اور بادل ناخواستہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی نماز، صدقہ اَور مال و دولت ہی کے ذریعے اُن کو عذاب میں مبتلا کردیا جائے گا۔

اصل میں نماز کو قائم کرنا اور زَکاۃ دینا ایک اضطراری اور جبری فعل نہیں بلکہ یہ ایک روحانی وقلبی اور وَجودی فعل ہونا چاہیے۔ جب ہی یہ اللہ کے ہاں قبول ہے۔ نماز جب ایک وجودی ورُوحانی عمل بن جاتا ہے تو یہ اللہ کے دربار میں انسان کی رسائی کے راستے کھول دیتا ہے یا اُسے اِس مقام پر

لے آتا ہے جہاں اُسے یہ محسوس ہوتا ہے، یا اُسے اِس بات کا عرفان ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے اپنی انکساری عجز وعبودیت کا اظہار کر رہا ہے۔ تغافل اور کسمسانے کا عمل تین واضع باتوں کا مظہر ہے، مثلاً:

ا۔ اُسے اللہ کی ذات کاملہ پر ایمان نہیں ہے۔

۲۔ وہ اللہ کو اَپنی روحانی اساس تسلیم نہیں کر رہا۔

۳۔ اس کے دِل میں تکبر بھی ہے اور ریا بھی جو اُسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل سے دور لے جا رہے ہیں۔

جب مومن اللہ اَور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت قبول کرتا ہے تو اُس کا وجود نماز کا قیام ہی نہیں کرتا بلکہ نماز بن جاتا ہے، وہ زکاۃ ہی ادا نہیں کرتا، بلکہ مال ودولت کو اَپنے پاس ایک امانت سمجھ کر اَللہ کی راہ میں نچھاور کر دیتا ہے۔ یوں اُس میں ایثار وقربانی اور اِستغنا کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یہی تزکیہ وتطہیر نفس ہے اور اُسی کا اظہار قرآن پاک کی اِس آیت مبارکہ سے ہوتا ہے کہ ''نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اَللہ تعالیٰ کا ذکر اُس سے بھی بڑی چیز ہے۔'' (۳۲)

نماز اِنسان کے وجود کی مکمل تطہیر کرتی ہے، ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی۔ یہ اُس کے قلب کو مطہر ومنور کرتی ہے اور اُسے اَخلاقی بُرائیوں اور رَذائل سے بچاتی ہے۔ (۳۳) نماز جب (خلوص نیت کے ساتھ) پڑھی جائے تو اُس کی بجا آوری کے لیے پہلے ظاہر کو صاف و پاک کرنا لازمی ہے۔ لباس، بدن اور جب کہ صاف نہ ہو تو نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ ایک مومن کے پورے شب ورُوز پر محیط عمل ہے، کیوں کہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور پانچوں بار ایک مومن کو باوضو، صاف و پاک لباس کے ساتھ ساتھ پاک وصاف جگہ پر نماز اَدا کرنا پڑے گی ورنہ نماز ہوگی ہی نہیں۔ یہ عمل انسان کے قلب وضمیر کو بار بار تطہیر کی طرف لے جاتا ہے۔ اُس کے دل میں احساس عبودیت کو جگاتا ہے اور اُسے خدا کی اطاعت اور نتیجتاً کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔

احادیث مبارکہ اِس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ''جس کی نماز نے اُسے فحش اور بُرے کاموں سے نہ روکا اُس کو اُس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔'' (۳۴)

اِس کے معنی یہ ہیں کہ نماز تطہیر کا عمل ہے اور اَللہ کے سامنے تمام بُرائیوں اور فواحش سے پاکی کے بعد عجز وانکساری کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضری ہے، اور یہی حال زکاۃ کا بھی ہے کہ وہ اُسے بخل، شقاوت، حُبِّ مال، لالچ اور اُسی طرح کی دوسری اخلاقی بیماریوں سے پاک کرتی ہے،

اور اُسے تمام انسانیت کے لیے ہی نہیں بلکہ کائنات کے لیے رحمت بناتی ہے اور اُس میں عدل واحسان اور اِیثار وقربانی اور رَحم وکرم کے فضائل پیدا کرتی ہے۔ اسی لیے اللہ پاک نے نماز اور زَکاۃ کا بار بار اَور ساتھ ساتھ حکم دیا ہے۔

نماز صحیح ہو تو یہ دوسری عبادات جیسے زکاۃ، روزہ، حج اور جہاد کی طرف انسان کو مائل ہی نہیں کرتی بلکہ رہنمائی کرتی ہے اور یوں اُسے سعادت اُخروی کے حصول کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ اِسی لیے نماز میں تغافل اور جان بوجھ کر اَدا نہ کرنے کے عمل کو نفاق اور کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نماز تزکیۂ نفس اور جملہ کثافتوں سے پاکیزگی سے شروع ہو کر اِنسان کو فضائل عالیہ اور اَخلاقی اقدار عالیہ سے مزین کرتے ہوئے اُسے روحانی بلندی اور دِیدارِ خداوندی کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی لیے اُسے مومنین کی معراج کہا گیا۔

یہاں یہ بات یاد رَکھنے کی ہے کہ دل صاف ہو اَور نماز خلوص نیت اور عجز وانکساری کے ساتھ ادا کی جائے تو یہ انسان پر تجلیات کے دروازے کھول دیتی ہے۔ کچھ سالک نماز کے دوران تجلیات الٰہیہ میں محو ہو جاتے ہیں یا گم ہو جاتے ہیں، یہ سکر کا مرحلہ ہے۔ لیکن کچھ لوگ تجلیات سے منور ہو کر اَور زِیادہ رُوحانی بلندیوں کی طرف بڑھتے ہیں اور وہ بے خودی سے باہر آتے ہیں جہاں پر اُنھیں اپنے عبد ہونے کا گہرا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنے عبد ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے مسلسل توبہ میں محو ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقہ حضرت نبی مکرم وخاتم الانبیاء والمرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ آپ دن میں ستّر (۷۰) بار سے زیادہ مرتبہ اِستغفار کرتے تھے، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے۔

تہذیب نفس اور تطہیر مال اِس درجے کی ہو، تو اِنسان پر عالم بالا کے دروازے کُھل جاتے ہیں اور اُس پر اَسرار منکشف ہونے لگتے ہیں۔ انکشاف اسرار اَصل بات نہیں، اصل بات تو اَللہ کے دربار میں شرفِ قُبولیت ہے اور یہی ذکر الٰہی ہے۔

نماز اَور زَکاۃ اللہ ہی کا ذکر ہے۔ اِسی لیے نماز کو خیر الاعمال کہا گیا ہے۔ اتنا ہی نہیں کہ اللہ کا ذکر اُس کے لطف وکرم کے سامنے لاتا ہے بلکہ یہ بھی ہے جب مومن اللہ کو یاد کرتا ہے تو اَللہ بھی اُسے یاد کرنے لگتا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِي اَذْكُرْكُمْ۔ ''تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔'' (۳۵) اللہ بندے کو یاد کرے، اِس سے بڑا کرم کیا ہو سکتا ہے!! یہی یاد اَور یہی ذکر اِنسان کو نیکیوں پر اُبھارتا ہے اور اُس کے وجود کو کثافتوں اور سیئات سے پاک کر کے اُسے منجیات وحسنات کی طرف لے جاتا ہے۔ یوں اُس کا ہر عمل خدا کا عمل بن جاتا ہے۔ کیوں کہ ہر نیکی کا عمل خدا کی یاد ہے اور خدا کی یاد کا عمل خدا کی یاد کو دعوت دیتا ہے۔'' اسی لیے یادِ الٰہی ایک مومن کی پوری زندگی پر حاوی

ہوتی ہے۔''(۳۶)

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے فضائل نماز کے عنوان سے کئی اہم مسائل پر بحث کی ہے، جن میں نماز کی فرضیت، نماز کی صحت، نماز کے لیے متعینہ اوقات کا جواز اَور نماز کے اَسرار ورُموز شامل ہیں۔(۳۷) حقیقت یہ ہے کہ نماز وہ سب سے بڑا ذریعہ ہے جو سعادت اُخروی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جس سے دین کے جملہ مقاصد کا تعین بھی ہوتا ہے اور حصول بھی۔ نماز کا اَوّلین مقصد تمام کثافتوں سے پاکیزگی اور فواحش و منکر سے تحفظ اور رَضائے الٰہی کا حصول ہے۔ یہ تزکیہ وتطہیر نفس کا ایک مخصوص ومنفرد طریقہ ہے اور اُس کی ادائیگی بدن کی صفائی و پاکیزگی یعنی غسل، وضو، لباس کی پاکیزگی، جگہ کی پاکیزگی، دل کی پاکیزگی اور اَدائیگی کی پاکیزگی، یعنی خلوص نیت وعمل کو لازم کرتی ہے۔ اُن کے بغیر نماز کا قیام نہیں ہوسکتا اور نہ نماز ادا ہوسکتی ہے۔

پاکیزگی قلب اور خلوص نیت دین کی اساس ہے اور یہ ایک متقی انسان اور فلاحی معاشرے کی تعمیر کے لیے لازمی ہے۔ قرآن پاک کی ابتدائی آیات صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس بات پر دلیل ہیں کہ ہدایت صرف متقی انسانوں کے لیے ہے اور تقویٰ کی انتہائی اور منفرد شکل وہ پیغمبران عظام علی الخصوص وہ پیغمبر اَعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، جنھیں قرآن پاک ہدایت یافتہ بھی کہتا ہے اور اِنعام یافتہ بھی، ہادی بھی کہتا ہے اور مہدی بھی، منذر بھی نام دیتا ہے اور مبشر بھی۔

اور یہ لوگ اور اُن کے ماننے والے متقی لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اوّلین فرائض میں پہلا فریضہ ہے اور اُس کی صحیح ادائیگی کا اپنا ایک مخصوص طریقہ اور اَوقات متعین ہیں۔ نماز کی صحیح ادائیگی باایمان ہونے کی دلیل ہے۔ اُس کے لیے متعینہ اوقات پر نماز کا قیام اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادائیگی ضروری ہے۔ اِسی لیے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی صرف نماز ہے۔ نماز چھوڑ دینا، نہ پڑھنا یا کساہت وکسمساہت کے ساتھ ادا کرنا کفر اور نفاق کی دلیل ہے۔ ''پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اَپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔''(۳۸) قرآن پاک اُنھیں ناخلف بھی قرار دیتا ہے اور گمراہ بھی۔ ''پھر وہ ناخلف لوگ اُن کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی۔ پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔''(۳۹)

خشوع اور خضوع اور توجہ کے ساتھ اپنے وقت متعینہ پر نماز کی ادائیگی ایمانداری کی علامت ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ ''نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔''(۴۰)

نماز کی صحیح ادائیگی کے لیے رُکوع اور سجود کو اِطمینان سے ادا کرنا اور رُکوع میں پیٹھ کا برابر

کرنا اور دوسجدوں کے درمیان آرام اور ٹھہراؤ، آیات قرآنی کی صحیح تلاوت بہت ضروری ہیں۔ اُٹھک بیٹھک کونماز نہیں کہتے ۔نماز اِطمینان سے لوازمات کی ادائیگی کا نام ہے۔ یہ اطمینان اصل میں نفسیاتی اطمینان ہے۔جب انسان کا ذہن، اُس کا شعور اَور اُس کا ارادہ، اطمینان سے لبریز ہو، تو عمل میں اطمینان لازمی امر ہے۔اگر اِنسان کا قلب و ذہن عبادت کی طرف متوجہ نہ ہو، بلکہ انتشار کا شکار ہو، تو اُس کی عبادت اس انتشار کی شکار ہوجاتی ہے۔عبادت انسان کو اِنتشار سے نجات دلا کر اُسے قربِ الٰہی کے راستے پر ڈال کر اُسے رضا وقربِ الٰہی سے ہم کنار کرتی ہے۔

اَلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ''ایسے ہی لوگ ہیں جنھوں نے (اس نبی کی دعوت) کو مان لیا ہے اور اُن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، خبردار رَہو! اللہ کی ہی یادوَہ چیز ہے جس سے دِلوں کو اِطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔''(۴۱)

نماز سے اِنحراف یا اُس کا صریح انکار تو کفر ہے ہی لیکن اُس کو چھوڑ دینا زَوالِ ایمان کی نشانی ہے۔ایمان کو قرآن پاک نے شجرۂ طیبہ قرار دیا ہے۔سیدعلی ہمدانی رحمہ اللہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس درخت (یا ایمان) کی نشوونما طاعت کی آب پاشی سے ہوتی ہے اور اِطاعت کے معنی ہیں غیر مشروط طور پر اَللہ کی پرستش، فرماں برداری اور بندگی کرنا اور صرف اُسے اپنا معبودِ حقیقی ماننا۔بنجر یا سیم زدہ زمین یعنی ناپاک دل میں یہ درخت جڑ نہیں پکڑ سکتا اَور لازماً برگ وبار بھی نہیں لاسکتا۔

نماز کی مطلوبہ شرائط کے ساتھ ادائیگی اور اَپنی عاجزی وانکساری اور بے چارگی و شکستگی کا اعتراف مومن کی نجات کا وسیلہ بن جاتا ہے اور اِس طرح کی ''نماز کا ذمہ دار اَللہ ہوجاتا ہے۔''(۴۲)

اِسی طرح کی نماز اللہ کی رضا وخوشنودی، مغفرت اور عفو کی ضامن ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوّل وقت میں نماز کا ادا کرنا اِلٰہی رضا وخوشنودی کا پھل لاتا ہے اور آخر وقت پر ادا کرنا عفو کا باعث ہوتا ہے۔''اللہ تعالیٰ سب سے بڑا محسن ہے۔

رضائے الٰہی اور خوشنودی اُس کا احسان ہے اور یہ ایک مخصوص وقت وموقعہ سے وابستہ ہے۔اَلبتہ! مومن کے حوالے سے احسان حسن وخوبی کے ساتھ عمل کی انجام دہی ہے، یعنی اپنی پوری قابلیت، طاقت اور تمام وسائل اور دل وجان کے ساتھ عمل کرنا اُس کے لیے محبت اور گہرا تعلق قلبی بہت ضروری ہے۔ یہ عمل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اُس کا ابتدائی درجہ طاعت ہے جس میں صرف تقویٰ اور خوف کافی ہے۔وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔(۴۳)

''اس طرح ہم نیکوکاروں کو اُن کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔''

نماز سب سے بڑی نیکی اور اُس کے ذریعے نیکیاں پھیلتی ہیں، انفرادی زندگی صالحیت پر گامزن ہوجاتی ہے اور اِجتماعی زندگی منظم ہوجاتی ہے اور بُرائیاں دور ہوتی ہیں۔ ''درحقیقت نیکیاں بُرائیوں کو دور کرتی ہیں۔'' (۴۴)

''جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے رَب کے پاس بڑے درجے ہیں، قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔'' (۴۵)

اعلیٰ درجات، خطاؤں سے درگزر اَور بہترین رِزق اللہ کا احسان ہے اُن مومنین پر جن سے وہ راضی ہوا۔ یوں رضا اور اِحسان ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

نماز کی ادائیگی اطمینان کے ساتھ نہ ہو تو اُس کے ارکان باطل ہوجاتے ہیں اور اَرکان باطل ہوں تو نماز باطل ہوجاتی ہے۔ یہ تینوں شعبے ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

نماز باطل ہوجائے تو یہ بارگاہِ اِیزدی میں قبول نہیں ہوتی رد ہوجاتی ہے۔ اَرکان کی سکون واِطمینان کے ساتھ ادائیگی ہو تو نماز اللہ کی بارگاہ میں چمکتی ہوئی جاتی ہے، اُس کے برخلاف یہ تیرو تاریک اَور سیاہ ہو کر نکلتی ہے۔

سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے نماز کو اِنسانی وجود کے مثل قرار دیا ہے۔ جو ''اعضائے ظاہری وباطنی'' سے مرکب ہے۔ مجرد رُوح یا مجرد جسم کو اِنسان نہیں کہتے۔ مجرد جسم تو لاش کہلاتی ہے۔ انسان کو انسان اُسی وقت کہا جاتا ہے جب رُوح وجسم کا اتصال ہو اَور اَعضا صحیح وسالم ہوں۔ لیکن یہ بات یاد رَکھئے کہ انسانی اعضا یکساں اہمیت ومرتبہ کے حامل نہیں ہیں۔ کچھ اعضا ایسے ہیں کہ اگر وہ ختم ہوجائیں تو اِنسانی وجود بھی ختم ہوجاتا ہے جیسے دل، دماغ اور جگر۔ بعض ایسے ہیں کہ اُن کے ضائع ہونے سے انسانی وجود بے قیمت وبدصورت ہوجاتا ہے، مثلاً زبان کٹ جانا، یا آنکھ کا ضائع ہونا، ہاتھ پاؤں کٹ جانا وغیرہ۔ ایسا ہی معاملہ نماز کا ہے۔ نماز کی روح، نیت اور اَخلاص، خشوع وخضوع اور حضوریٔ قلب ہے۔ رُکوع وسجود اور قعود دل وجگر ودماغ کی مثل ہیں۔ اگر یہ ضائع ہوجائیں تو نماز باطل ہوجاتی ہے۔ دُعائے استفتاح اور دُعائے قنوت اور تشہد اَوّل منتہائے نماز اَور ذکر واَذکار اَعضا وجوارح، مثلاً ناک، کان وغیرہ کی مثل ہیں۔ اُن کے اَدا نہ ہونے سے نماز باطل نہیں ہوجاتی لیکن بدصورت اور بے قیمت ضرور ہوجاتی ہے اور مقبول وپسندیدہ نہیں ہوتی۔ اِس طرح کی نماز اللہ تعالیٰ کی نوازشات وعنایات کی مستحق نہیں ہوتی۔ کیوں کہ نماز اللہ کی یاد، اُس کے ذکر اور اُس کی تسبیح سے مزین ومربوط نہ ہو، تو اُس نماز کی کیا حیثیت؟ ایسی نماز نہ تو تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کی وجہ ہوتی ہے اور نہ انسان کو فواحش اور منکر سے روکتی ہے۔ ایسی نماز قلب انسانی کی تطہیر وتزکیہ نہیں

کر سکتی، اُسے دنیا یعنی ماسوا اللہ سے پاک نہیں کر سکتی اور غفلت کے پردوں کو نہیں ہٹا سکتی، تو اِطمینان وسکون اور اَللہ کی نوازشات کا مستحق کیسے بنا سکتی ہے؟؟

نماز کی صحیح ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ انسان مجسم نماز بن جائے۔ اس کا ہر عمل کامل اطمینان وسکون سے ادا ہو۔ نماز کی ادائیگی کی جتنی بھی ظاہری و باطنی شرائط، ارکان اور ضروریات ہیں اُن سے غفلت، نماز کو معدوم یا مجروح کر دیتی ہے۔

نماز کی پہلی شرط وضو یعنی طہارت بدنی ہے اور وَضو کرتے وقت صفائی قلب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ دل ہی ہے جو اَنوارِ الٰہی واَسرارِ الٰہی کے معارف کے اِلقا کی جگہ ہے اُس کی تطہیر ہی سے انسان اللہ کے اَنوار وقرب کو پاتا ہے اور اُسی سے وہ اللہ کی نظر رحمت میں آ جاتا ہے۔

تطہیر قلب سے ہی انسان اذان کو عرصہ قیامت کی منادی کے طور پر سمجھتا ہے، وہ اذان کی طرف بہت ہی متانت وسنجیدگی اور رَغبت سے متوجہ ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک کے مطابق ایسے ہی شخص کو فزع اکبر اَور میدان حشر میں نہایت میٹھی، نرم، دل بہلانے والی آواز سے بلایا جائے گا اور وہ خوف سے مامون ومحفوظ ہوگا۔

تطہیر واَذان کے بعد مسجد کی طرف جانا نماز کی تیسری شرط ہے۔ کیوں کہ فرض نمازوں کی ادائیگی جماعت کی متقاضی ہے اور جماعت کا اہتمام مسجد میں ہی ہوتا ہے اور یہی اُس کی مطلوبہ جگہ بھی ہے۔ ''اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔'' (۴۶) اور یہ بھی ہے کہ اللہ نے رسول اللہ اَور اُس کی اُمّت کے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا، اور اُن تمام مشرکانہ عقائد کو زِیروزَبر کر دیا، جن کے مطابق ''معبد'' کے سوا کہیں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ یہ ایک خطہَ ارضی کو ہی پاک سمجھتے ہیں اور دنیا کے دوسرے خطوں اور وہاں بسنے والے لوگوں کو حقیر اَور ناپاک سمجھتے ہیں، جیسے ہنود و یہود۔ ہاں! یہ بات اہم ہے کہ مسجدیں ''اللہ کا گھر'' ہیں اور اُن کی تعمیر کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ نماز باجماعت، ایک جماعت، ایک امام، ایک نظم اور اتحاد اَور مساوات کی متقاضی ہے، اور اُس کی ادائیگی مسجد اَور عیدگاہ کے بغیر کہیں نہیں ہو سکتی۔ گھروں کے اندر صرف عورتوں کی نماز جائز ہی نہیں محترم بھی ہے، کیوں کہ عورت کے لیے پردے کے حدود متعین کر دیے گئے ہیں۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ مومنین نمازوں کی ادائیگی مساجد میں کریں اور اُن (اللہ کے گھر) کو آباد رَکھیں۔ نماز کی ادائیگی میں صف بندی اور تکبیر تحریمہ کی کلیدی اہمیت ہے۔ صفیں منتشر ہوں تو نماز اَدا ہو ہی نہیں سکتی۔ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ایک مومن دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھاتا ہے۔ اس

سے مراد یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے بتوں کو کبریائی مشاہدہ کی طاقت سے توڑ کر اللہ کے لیے یکسوئی وعلیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ جب وہ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ پڑھے تو اَللہ کی پاکیزگی اور اُس کی اس حیثیت کبریائی کو محسوس کر لے اور اُسے اپنے دِل میں اُتار لے کہ اس کی ذات بے ہمتا تمام کمیوں، نقائص اور ضرورتوں سے منزہ و پاک ہے۔ اُس کی ثنا بیان کرے، اُس کی بزرگی کا اعتراف کرے اور اُس کے معبودِ حقیقی ہونے کا اِقرار کرتے ہوئے تمام جھوٹے معبودوں سے اِنحراف کرے یہ تطہیرِ قلب کا عمل ہے۔ جب وہ تعوذ پڑھے تو اَپنے آپ کو شیطان کے شر اَور تمام نفسانی اَعدا سے جو اُسی کے پیدا کردہ وسوسے اور کارندے ہیں، اپنے آپ کو بچاتے ہوئے اس حقیقی خالق و مالک ومعبود کی پناہ میں آ جائے۔ ''بسم اللہ کے شیشے میں اسی ذات مقدّس کی ذات کو (جو تمام کائنات کا قیوم ہے) جلوہ انداز سمجھے اور تمام افرادِ کائنات کو اسی قیوم کے فیض مطلق کی قوت سے قائم سمجھے'' اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے ہوئے تمام مخلوقات اَرض وسما پر اُس کی مہربانیوں اور کمال کے آثار واَثرات مشاہدہ کرے، جس کے جمال وجلال سے اُن کا وجود اَور اُن کی متنوع حیثیات اور خوبیاں قائم بھی ہیں، اور اُن ہی کے اَثر سے مترشح بھی ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ اِبن عباس کی روایت کے مطابق بسم اللہ میں ''ب'' سے مراد اَللہ کی برکت، ''س'' سے مراد اَللہ کی صفت سمیع، اور ''میم'' سے مراد اُس کے ملک کی ہے اور اَلرَّحْمٰن سے مراد سب بندوں پر مہربان اور اَلرَّحِیْم سے مراد خاص مسلمانوں کو رُوزِ قیامت بخشنے والا اور خاص رحم فرمانے والا ہے۔ یہ دو صفتیں لفظ رحمت سے مشتق ہیں اور اَللہ پاک کی وسعت رحمت اور کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ یوں تعوذ پڑھ کر اِنسان شیطان مردود کی ہر بُرائی اور شر سے اللہ کی پناہ میں آ جاتا ہے اور بسم اللہ سے اُس کی برکت، ملک وحکومت، مہربانی اور بخشش ورحم کا اعتراف کرتا ہے۔ یہاں اِس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی بہت بڑی اہمیت ہے۔

بعض مفسرین ومحدثین کے مطابق یہ سورۂ نمل کا جز ہے لیکن امام اعظم حضرت ابوحنیفہ اِس بات سے اختلاف کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ ایک مستقل صورت ہے جو دُو سورتوں کے درمیان فصل اور اِمتیاز کرنے کے لیے نازل ہوئی۔ یہ قرآن حکیم کی خصوصیات میں سے ہے اور ایک مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر کام اللہ کے پاک وبابرکت نام سے شروع کرے اور جب وہ ایسا کرتا ہے تو ہر کام عبادت بن جاتی ہے۔ (۴۷)

اِس کے بعد سورۂ فاتحہ کی قرأت ہوتی ہے۔ اِس کی کئی اہم اور منفرد خصوصیات ہیں:

(۱) پورے قرآن کا متن یہی سورۂ مبارکہ ہے۔ سارا قرآن اِسی کی شرح ہے۔

(۲) یہ کلام الٰہی کی عظیم ترین سورت ہے اور اِس کے کئی نام ہیں جو احادیث صحیحہ میں

آئے ہیں جیسے اُم القرآن، اُم الکتاب، قرآن عظیم وغیرہ۔ اِسے سورۂ شفا بھی کہتے ہیں کیوں کہ احادیث نبویہ کے مطابق اس میں ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

(۳) نزول کے اعتبار سے یہ سب سے پہلی سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی۔

(۴) یہ پورے قرآن حکیم کا خلاصہ (نچوڑ) ہے، اِس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(۵) ارشادِ عالی رسالت پناہ حضرت ختم المرسلین والنبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اِس جیسی صورت کسی دوسری آسمانی کتاب میں نہیں، نہ توراۃ، نہ زبور اَور نہ انجیل میں۔

(۶) یہ حمد و دُعا کی انتہا اور مختصر و جامع سورت ہے۔(۴۸)

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اِس سورۂ مبارکہ کی بہت ہی مدلل تفسیر و تشریح و توضیح کرنا چاہتے تھے اور اِس کے حقائق کی تحقیق بھی، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اُنھوں نے سالکانِ راہِ طریقت کے لیے بہت ہی مختصر و مدلل اشارات پر ہی اکتفا کیا جن کا ظہار نماز اَور تلاوت سورۂ فاتحہ میں ہونا چاہیے۔ اِن کی تفصیل آ رہی ہے۔

جب سالک نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے تو وَہ الحمدللہ میں اللہ کے فضل و کرم، فیض و بخشش اور عنایت کو اَپنے قلب و باطن اور رُوح میں جاری و ساری دیکھے، ظاہر ہے کہ فضل و کرم اور عنایات کا تعلق قلب و رُوح سے ہوتا ہے، جسم پر تو اُس کے محض اَثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جسم کا تعلق عالم سفلی و مادّی کے رابطے سے ملتا ہے۔ یہ اُس وقت منور و مطہر ہو جاتا ہے جب اُس کے اندر کا انسان عالم علوی سے رابطے میں ہو۔ اُسے سکون عالم علوی سے رابطے سے ہی ملتا ہے۔ جتنا یہ رابطہ مضبوط ہو اُتنا ہی اِنسان مضبوط و پُرسکون ہوتا ہے اور مسرت و طمانیت حاصل کرتا ہے۔ الرحمن الرحیم اللہ کی وسعت رحمت و کمال اور جمال و عنایات پر دلالت کرتی ہے۔ اُسی کی ذات تمام تعریفوں کے لائق ہے اور وہی لائقِ عبادت ہے۔ یوں الحمدللہ کہہ کر بندہ اَپنے گرد اَور اندر پھیلے ہوئے مخلوق پرستی اور شرک کی زنجیریں توڑ دیتا ہے اور اُسی معبودِ حقیقی کو اَپنا اِلہ، رب اور معبود تصور بھی کرتا ہے اور مانتا بھی ہے۔ ''الرحمن الرحیم'' کی تکرار میں علویات، سلفیات کے شامل حقائق پر، دریائے رحمت کی موجوں پر، وہ اپنے وجود کو اِطمینان اور سکون کے ساتھ دریائے توحید میں فنا کر دے اور اَزلیت و اَبدیت کے ناقابلِ تسخیر و بیان اَسرار کو سمجھے اور اُن کا اِدراک کر کے وہ اُس واجب الوجود اَور شہنشاہِ حقیقی کے جمال کے جلووں کا عرفان و معرفت سے جلوہ کرے، جب سالک پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے تو وہ محوِ نظارہ ہو کر اَپنے آپ سے بےخود وَ بےگانہ ہو جاتا ہے۔ یہ عبادت کا لمحہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب وہ محبت و خوف و اُمید و اِطاعت کا پیکر بن جاتا ہے خدائے ذوالجلال کے لیے کسی مخلوق کے لیے نہیں، اور وہ بےاختیار ''مالک یوم الدین'' کہہ کر اُسی کی لازوال بادشاہت و حکمرانی

کا اِقرار کرتا ہے۔ آدابِ عبودیت اور اظہارِ عجز و انکساری اور بندگی و حکمرانی اس کے وجود کو مہکا دیتی ہے اور وہ حالت کشف میں ''ایاک نعبدُ'' کی خلعت کو پہن لیتا ہے۔ وہ جہاں مافیہا سے بے خبر ہو کر ''حیات جاودانی'' کے چشمۂ لازوال کو دیکھتا ہے۔ اُسی رب ذی الجلال کو حکمران، مالک، ناصر اَور معین سمجھتا ہے اور مانتا ہے اور نہایت عاجزی و خلوصِ قلب سے رِقت قلبی کے جلوؤں میں ''وایاک نستعین'' کا وِرد کرتا ہے۔ تمام خواہشات باطلہ و فاسدہ کو رَاہِ ہدایت کی رُکاوٹ اور دُوزخ کا ایندھن سمجھتے ہوئے وہ تائید و اِمدادِ ربّانی کا خواستگار بن کر صدق دل اور نورِ قلب سے ''اِہدنا الصراط المستقیم'' کی التجا کرتا ہے تو اُس کا نام بارگاہِ نبوّت کے مقربین میں لکھا جاتا ہے۔ جب دل پاکیزہ و منور ہو تو زبان پر صدق و سچائی کے سِوا کچھ نہیں آتا اَور یہ ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں، اور پھر بے ساختہ زبانِ صدق پر ''صراط الذین انعمت علیہم'' کی دُعا جاری ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی وجود عین صدق اور چشمِ یقین سے اُن لوگوں کو دیکھتا ہے جو خواہشاتِ نفسانی کے جال میں پھنس کر اَللہ کے باغی ہوئے اور اُس کے غیض و غضب کا شکار ہوئے اور اُن کی حالت رُسوائی و ذِلّت کو دیکھتے ہوئے وجودِ خالص میں اللہ کا ڈر ایک رو بن کر دوڑتا ہے اور وہ انتہائی عاجزی و انکساری اور خلوصِ نیت اور رَاست بندگی کے ساتھ اللہ سے اُن لوگوں میں شامل ہونے سے نجات مانگتا ہے۔

اللہ کی رضا، صراط مستقیم، اللہ کے انعام و اِکرام اور اُس کی نعمتوں اور نوازشوں اور اَسرارِ الٰہی کے خزانوں کی حصولیابی صرف صفائی قلب، حبِ الٰہی، یقینِ محکم اور پاکیزہ اعمال اور ماسوا اللہ سے دور ہو کر صرف اُسی کی طرف توجہ سے ہی ممکن ہے۔ عرفان و معرفت کی ابدی و سرمدی دولت اُن کے بغیر ممکن نہیں۔

نماز میں انسان کو اَللہ کا قرب حاصل ہو جائے اِس کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے دِل کو تمام وسوسوں اور پریشان خیالیوں سے پاک کر لے۔ کلامِ الٰہی کا عامل بن جائے اور تمام سیئات، خواہشات نفسانی و شرورِ شیطانی سے جو اِنسان کی جملہ تباہی اور بدحالی کا موجب ہیں، چھٹکارا حاصل کر لے۔ جب دِل اِن آلائشوں سے پاک ہو کر ذِکرِ الٰہی کا مرکز بن جاتا ہے تو اُسے سکون و اِطمینان نصیب ہوتا ہے۔ نفسِ اَمّارہ جب تک قابو میں نہ آئے راہِ نجات کا حصول ممکن نہیں۔ انسان جب اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے، اُسے جملہ کثافت سے پاک کرتا ہے اور نفسِ اَمّارہ پر لگام ڈال دیتا ہے تو اُس میں احساس عبودیت اور عجز و انکساری اور خلوص و ایثار پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔

عبادت کی لذّت اُس قلب کو نصیب ہوتی ہے جو مطہر و منور ہو کر، ہمیشہ آخرت اور اَللہ کے جلال و عظمت کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ دل ماسوا اللہ سے آلودہ ہو اَور اُمید یہ ہو کہ نماز میں وہ لذّت

حاصل ہوجائے جو اَولیا، واَتقیا کو حاصل ہوتی ہے ایک کارفضول ہے، تصفیہ قلب اور ذکرِ الٰہی سے ہی اللہ کی توجہ کا حصول ہوتا ہے۔ نماز نماز ہو تو وہ انسان کی نہ صرف وجودی و رُوحانی بلکہ بدنی کیفیات تک کو بدل دیتی ہے۔ امام المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطلق معصوم تھے۔ جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ کی کیفیت ایسی ہوجاتی تھی کہ جیسے کسی کو پہچانتے ہی نہ ہوں، یوں دنیا و مافیہا سے بے گانہ ہو کر ربِ کریم کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ امیر المومنین علی ابن طالب کا حال بے ماہی آب کی طرح ہوجاتا۔ آپ بے تاب و بے قرار ہوجاتے اور چہرۂ منور پیلا پڑجاتا۔ آپ کے احباب نے عرض کیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے تو فرمایا: ''ہائے میں کیا کروں!! اُس امانت کے ادا کرنے کا وقت آجاتا ہے جس کو آسمان اور زمین اور پہاڑ نہ اُٹھا سکے۔'' (۴۹)

حضرت سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے اس بحث کے آخر میں حدیث رسول کے حوالے سے اِس بات کو سامنے لایا ہے کہ نماز مومنین کو پاک کرنے والا عمل ہے۔ بشرطیکہ وہ کبیرہ گناہوں کا اِرتکاب نہ کرے۔ آپ نے کبیرہ گناہوں کی تحقیق کے عنوان سے ایک مختصر بحث کی ہے جو آگے آرہی ہے۔

''کبیرہ گناہ'' کا مسئلہ اسلامی تاریخ، تہذیبی سفر، فقہ، فلسفہ اور علم الکلام کا بہت ہی پیچیدہ مسئلہ رہا ہے۔ اسی مسئلے نے سیاسی و کلامی مکاتیب کی نشو و نما میں کلیدی کردار اَدا کیا۔ المیہ یہ ہے کہ اسی مسئلے کی تشریحات نے اُمّت کو بے پناہ اَور ناقابلِ تلافی نقصانات سے دوچار کیا اَور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اُمّت انتشار، افتراق اور گروہ بندیوں کا شکار ہوئی اور قتل و غارت گری کا ایک نہ رُکنے والا سلسلہ شروع ہوا۔ ہزاروں لاکھوں مسلمان مارے گئے۔ جائدادیں ضائع ہوئیں اور کفر و نفاق کی فتویٰ بازیوں کا ایک نہ بند ہونے والا سیاہ باب کُھل گیا۔

کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے؟ گناہ کی دو قسمیں ہیں: کبیرہ اور صغیرہ۔ کبیرہ گناہ ہر وہ فعل ہے جسے اللہ اور اَللہ کے رسول نے حرام قرار دیا اور اُس کے لیے دنیا میں بھی سزائیں مقرر کیں اور آخرت میں بھی۔ کبیرہ گناہ کا اِرتکاب کرنے والوں پر لعنت کی، اور اُنھیں عذاب الٰہی کی خبر دی۔ ہر کبیرہ گناہ اپنے آپ میں ایک ظلم ہے۔ یعنی شریعت مطہرہ کی حدود سے اِنحراف و بغاوت۔ اُسے آپ فسق، معصیت، اور فجور کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

صغیرہ گناہ وہ اعمال ہیں جو شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ اور مکروہ ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صغیرہ گناہ بھی کبیرہ گناہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ ''جب وہ دین کے استخفاف اور اَللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اَشکبار کے جذبے سے کیا جائے اور اُس کا مرتکب اس شریعت کو کسی اعتنا کے لائق نہ سمجھے جس نے اُسے ایک بُرائی قرار دیا ہے۔'' (۵۰)

ہر وہ عمل گناہ ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کو ناپسند ہو یہ مخالف الحسنہ ہے اور یہی سیئات یعنی عمل قبیح ہے، اور ہر وہ شئے جو اِنسان کو غم میں مبتلا کردے خواہ اُس کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے اور اُسی احوال نفس سے ہو یا احوال بدن سے عمل قبیح ہے۔ عزت اور مذہب کا زوال یا کسی عزیز کی موت بھی السوء ہے۔ عیب، عمل بداَور عذاب بھی اُسی کے معانی میں شامل ہے۔(۵۱) اور وہ ہر عمل کبیرہ گناہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو تلف کردے۔ یا اللہ سے بے خوف کردے۔ اُس کے احکامات کو جان بوجھ کر نظر انداز کردے اور شرمندگی وندامت کے بجائے اُن کے کرنے پر ڈھٹائی اختیار کرے، یا اُن حدود کو توڑ دے جن سے انسانی زندگی کا استحکام، پاکیزگی اور دُرستی زیروزبر ہو جائے۔ صوفیا کے ہاں صغائر سے اجتناب اسی لیے بہت اہم ہے کہ یہی انسان کو خدا سے دور کرتے ہیں۔ بلال بن سعید کا قول ہے کہ کسی گناہ کے صغیرہ ہونے کی طرف نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ تم کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو۔ فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ جس نسبت سے کوئی گناہ تمہارے نزدیک چھوٹا ہے اُسی قدر وہ خدا کے ہاں بڑا قرار پاتا ہے اور جس قدر کوئی گناہ تمہارے نزدیک بڑا سمجھا جاتا ہے اُسی نسبت سے خدا کے ہاں وہ چھوٹا قرار پاتا ہے۔(۵۲)

کبیرہ گناہوں کو قرآن پاک فواحش، منکر، ظلم، فسق، معصیت اور فجور کا نام دیتا ہے۔ اُن کو ہم تین منفی صفات کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں: (۱) بدی (۲) بے حیائی اور (۳) ظلم۔

اُن کے مقابل تین حسنات یا مثبت صفات ہیں: (۱) عدل واِحسان وصلۂ رحمی (۲) غیرت وحیا اور (۳) خیر۔ ''اللہ عدل اور اِحسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔''(۵۳) اِن احکامات کی انفرادی حیثیتیں بھی ہیں اور اِجتماعی بھی۔ یہ بحیثیت فرداَفراد کو اَور بحیثیت اجتماع پورے معاشرے کو درست کرتے ہیں اور اُنھیں ایک بھرپور نشوونما اور ترقی عطا کرتے ہیں۔ اُن کے خلاف جو بھی عمل ہے وہ انفرادی واجتماعی طور پر تباہ کن ہے۔ یہی تباہ کن اعمال کبیرہ گناہ کے زُمرے میں آتے ہیں۔

ان گناہوں کی جو شکل ہے وہ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ اُن کی تعداد کیا ہے؟ یا کون سے گناہ کبیرہ ہیں؟ اُن کی کوئی مخصوص تعداد شریعت مطہرہ نے بیان نہیں کی۔ کچھ ایک کا ذکر ضرور کلام مجید فرقان حمید اَور حدیث مبارکہ میں ہے۔ اُن میں شرک ونفاق، والدین کی نافرمانی، قتل وغارت گری، ڈاکہ زنی، قتل اولاد، حدود شریعت کی پامالی، زنا ولواطت، رشوت خوری، سود، اِرتداد، شراب خوری، محرمات سے زنا یا نکاح، بخل، باپ کی منکوحہ سے نکاح، بدعہدی، جھوٹ اور جھوٹا پروپگنڈہ، تہمت وبہتان طرازی، بداَمنی پھیلانا، اور اَیسے اعمال جن سے شریعت مطہریہ کی روح پامال ہو اَور سماج میں ناپاکی پھیل جائے جیسے یتیموں کا مال کھانا، ناچ گانا، برہنگی وعریانی، ناپ تول

میں بے ایمانی اور اسلامی حکومت کے خلاف خروج بہت واضح ہیں۔

اِس مسئلے پر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے مختصر مگر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے مطابق ہر وہ عمل جس کے متعلق قرآن پاک کنایتاً یا اشارۃً بھی نہی کا رویہ اختیار کرتا ہے اور جس کی سزا دُوزخ بتائی گئی ہے، یا اُس پر حد کا حکم ہے وہ کبائر گناہ کے زُمرے میں شامل ہے۔

شیخ ابوطالب مکی کے حوالے سے وہ اِس لفظ کے معانی یا معنوی جہتوں پر بحث کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ ''کبیرہ گناہ'' کا لفظ ''مبہم'' ہے۔ احادیث میں اِس کی کوئی تعداد نہیں بتائی گئی، ''اِس مسئلے پر اَحادیث باہم متعارض ہیں'' '' جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس صدر نشین دربار نبوت کا یہی ارادہ تھا کہ یہ معاملہ مبہم ہی رہے، کیوں کہ اگر گناہ کبیرہ محصور کیے گئے تو عام لوگوں کے دل سے خوف جاتا رہے گا۔ اپنی دلیل میں مزید وسعت اور جان پیدا کرنے کے لیے اُنھوں نے ''لیلۃ القدر'' اَور ''اسم اعظم'' کے مخفی رکھنے کی دلیل دی ہے، اور اُس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ لوگ اُن کی طلب اور تلاش میں ہر دَم کوشاں رہیں اور اِطاعت وعبادت میں اِنتہائی سعی کریں۔ اُنھوں نے اِس بات کا ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام نے کبائر گناہ کی جو تعداد بیان کی ہے اُس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود کے خیال میں کبائر گناہ چار، حضرت ابن عمر کے مطابق سات، اور حضرت بن عباس کے مطابق ستّر ہیں۔ بعض اکابر صحابہ کے مطابق جن کا نام سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے نہیں لیا ہے، کبائر نو ہیں۔

حضرت شیخ ابوطالب مکی کے حوالے سے جو بحث سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے کی ہے وہ بہت اہم ہے اور اُس بحث میں اعضائے بدنیہ کے حوالے سے گناہوں کی تفصیل دی ہے۔ حضرت ابوطالب مکی کے مطابق سترہ احادیث اُنھیں کبائر سے متعلق ملی ہیں۔ جن میں چار دل، چار زبان، تین پیٹ، دو فرج اور دو ہاتھ، ایک پاؤں اور دوسرے اعضا کے متعلق ہیں۔ شِرک، گناہ پر اِصرار کی نیت، رحمت خداوندی سے نا اُمیدی اور مواخذہَ اِلٰہی سے بےفکری وہ کبائر گناہ ہیں۔ جن کا تعلق دل سے ہے۔ جھوٹی گواہی، عیال دار پر زِنا کا اِلزام، جھوٹی قسم اور جادوٹونا کرنے کا تعلق زبان سے ہے۔

شراب نوشی، یتیموں کا مال کھانا، سودخوری جیسے کبائر کا تعلق پیٹ سے اور زِنا ولواطت کا تعلق فرج سے ہے۔ خون ناحق کرنا، چوری اور رَہزنی وڈاکہ زنی کا تعلق ہاتھوں سے ہے۔ جہاد سے بھاگنا بھی اِنتہائی کبائر گناہ میں ہے اور اُس کا تعلق پاؤں سے ہے۔ والدین کی نافرمانی اور سرکشی کا تعلق تمام بدن سے ہے۔

اگر اِس تقسیم پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ شیخ ابوطالب مکی نے اَعضا کے

حوالے سے جو تقسیم کی ہے، وہ اس کے عملی پہلو سے متعلق ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعمال (ثواب یا گناہ) کا بنیادی محور و مصدر دل اور دِماغ ہے۔ سوچ، جذبات و احساسات اور اُن کی مختلف جہتوں کا تعلق دل و دماغ سے ہے۔ کسی کی فکر اَور جذبات و احساسات ہی اُس کے تعلق، رشتوں اور اَعمال کی تدوین و ترویج کرتے ہیں۔ اسی لیے تطہیر و تزکیہ کا پہلا محور اَور ہدف دل و دماغ ہی ہوتے ہیں۔ فرض عبادات علی الخصوص نماز اَور ذکر کا تعلق بھی قلب سے ہی ہے۔ قلب پاکیزہ ہو تو اُسے اللہ کی یاد میں محو ہو کر ہی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ نماز تو فرض عین و اوّل ہے، اُس کا قصداً تارک کفر کے دائرے میں آتا ہے تو پھر اُس کے کبیرہ گناہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟

حوالہ جات

۱۔ ہمدانی، میر سید علی رحمہ اللہ ''ذخیرۃ الملوک'' (اُردو ترجمہ)، ص: ۵۸
۲۔ البوصیری، قصیدہ بُردہ شریف
۳۔ اقبال، کلیات اقبال (اردو)
۴۔ ایضاً
۵۔ احمد عزیز، اِسلامی ثقافت، ص: ۱۲۷-۱۲۶
۶۔ قرآن حکیم، الفاتحہ، ۷-۱
۷۔ البقرہ: ۲۰۱
۸۔ ابراہیم: ۴۰-۴۱
۹۔ نوح، ۲۸/ ۲۷
۱۰۔ اقبال، تشکیل جدید اِلٰہیات اسلامیہ، ص: ۱۳۹
۱۱۔ ابراہیم، ۲۴-۲۶
۱۲۔ تفہیم القرآن، جلد: دوم، ص: ۴۸۴
۱۳۔ عوارف المعارف، باب: نماز، ص: ۵۴/ ۳۵۰
۱۴۔ دائرۂ معارف اسلامیہ، جلد: ۲۱، باب: معراج، ص: ۳۴۸
۱۵۔ کیمیائے سعادت، ص: ۱۴۴
۱۶۔ التوبہ، ۱۰۸/ ۹
۱۷۔ عوارف المعارف، ص: ۴۴۹
۱۸۔ کیمیائے سعادت، ص: ۱۵۱
۱۹۔ ذخیرۃ الملوک، ص: ۶۸

۲۰۔ ذخیرۃ الملوک، ص:۶۸
۲۱۔ البقرہ، ۳/۲
۲۲۔ البقرہ، ۴۶-۴۵/۲
۲۳۔ البقرہ، ۸۳/۲
۲۴۔ البقرہ، ۱۱۰/۲
۲۵۔ البقرہ، ۳۹-۳۸/۲
۲۶۔ مزمل، ۲۰/۷۳
۲۷۔ النحل، ۳/۲۷
۲۸۔ الحج، ۷۷/۲۲
۲۹۔ مریم، ۵۹/۱۹
۳۰۔ توبہ، ۱۸/۹
۳۱۔ انفال، ۴-۳/۸
۳۲۔ العنکبوت، ۴۵
۳۳۔ النساء، ۱۰۳
۳۴۔ طبرانی وبیہقی
۳۵۔ البقرہ، ۱۵۲/۲
۳۶۔ تفہیم القرآن، جلد: سوم، ص:۷۰۸
۳۷۔ ذخیرۃ الملوک، ص:۶۲
۳۸۔ الماعون، ۴/۱۰۷
۳۹۔ مریم، ۵۹/۱۹
۴۰۔ النساء، ۱۰۳/۴
۴۱۔ الرعد، ۲۸/۱۳
۴۲۔ ذخیرۃ الملوک، ص:۶۱
۴۳۔ الانعام، ۸۶/۴
۴۴۔ ہود، ۱۱۴/۱۱
۴۵۔ انفال، ۴-۳/۸
۴۶۔ جن، ۱۸/۷۲

۴۷۔تفسیر مظہر القران، معارف القرآن
۴۸۔بیہقی، تدبر القرآن، تفسیر مظہری القرآن، تفہیم القرآن
۴۹۔ذخیرۃ الملوک، ص:۷۷
۵۰۔تفہیم القرآن، جلد:۵، ص: ۱۴-۲۱۳
۵۱۔راغب اصفہانی مفردات القرآن
۵۲۔دائرہ معارف، جلد:۱۱
۵۳۔النحل، ۹۰/ ۱۴

●●●

ڈاکٹر عبدالقدوس خان (۱)

شاہ ہمدانؒ: اُمرا اور علما وصوفیا کی رہنمائی واصلاح

اُمرا وعلما کی ایذا رسانیاں

سالارِ عجم، شاہ ہمدانؒ کو دین کی تبلیغ وترویج کی راہ میں سب سے زیادہ ملوک وامرا، علمائے سوء اور زُہادِ جہلا کی طرف سے رکاوٹوں اور مخالفتوں بلکہ عداوتوں کا سامنا رہا۔ نورالدین جعفر بدخشی ''خلاصۃ المناقب'' میں آپ کی زبانی یہ دلخراش داستان یوں بیان کرتے ہیں:

''بے شمار تکالیف جن کا ہمیں سفر وحضر میں سامنا کرنا پڑا اُن میں سے بعض فقہا وعلما کے ہاتھوں پہنچیں اور بعض بادشاہوں اور اُمرا کے باعث اور بعض کا سبب شاید ہمارے نفس کی شرارتیں ہوتی ہوں گی۔ اور وہ محبتیں اگرچہ ہم پر آزمائش کی صورت میں وارد ہوئی ہیں لیکن وہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا محض تھیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ مصیبتیں انبیا پر نازل ہوتی ہیں پھر اولیا پر پھر حسب مقام دوسروں پر۔(۱)

مذکورہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بااثر طبقات کی جانب سے پہنچنے والی کلفتوں اور دلسوزیوں پر آپ آزردہ خاطر اور مایوس نہیں ہوئے، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا بصورت بلا گردانتے رہے۔ ارشاد رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرنے سے اس امر کی عکاسی ہوتی ہے کہ آپ ان مصیبتوں کو جادۂ حق میں ناگزیر سمجھتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ عداوتوں کی گھنگور گھٹائیں اور مصائب کی ہیبت ناک فضائیں بھی آپ کے پایۂ ثبات میں کوئی لغزش نہیں لا سکیں، علما کے فتنوں کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''علما کے فتنے اگرچہ بہت ہوئے ہیں لیکن ان میں سے ایک انتہائی اقدام یہ تھا کہ اُنھوں نے

---

(۱) شعبۂ تقابل ادیان وثقافت اسلامیہ جامعہ سندھ

مجھے زہر کھلا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہلاکت سے محفوظ رکھا۔لیکن اس زہر کا اثر ابھی تک جسم میں باقی ہے یہاں تک کہ سال میں ایک بار تھوڑا ورم پیدا ہوجاتا ہے اور آبلہ بن کر اُس سے رسنا شروع ہوجاتا ہے پھر خشک ہوجاتا ہے۔(۲)

جناب سید نے زہر خورانی کے اسباب اور پورا واقعہ بھی بیان فرمایا جسے نورالدین بدخشی نے ''خلاصۃ المناقب'' میں نقل کیا،اس کا ماحصل یہ ہے کہ کسی مجلس میں آپ نے علماء کے روبرو اظہار حق میں کھری کھری باتیں کہیں، چناں چہ علما آپ کے دشمن ہو گئے. سازش کر کے آپ کو ایک دعوت میں بلایا گیا۔آپ دعوت میں تشریف لے جارہے تھے، کہ راہ میں ایک بزرگ نے آپ کو حب الملوک کے چند دانے کھلایے۔دعوت میں آپ کو شربت میں زہر ملا کر پلا دیا گیا۔آپ کو حقیقت حال کا علم ہوا تو واپس گھر تشریف لے آئے۔قے اور اسہال کے بعد طبیعت بحال ہوگئی۔ مگر علما آپ پر الزام تراشی سے پھر بھی باز نہ آئے۔(۳)

ملوک وامرا کی طرف سے بھی آپ کو بہت مشکلات ومصائب کا سامنا رہا۔نورالدین جعفر بدخشی نے ان میں سے ایک واقعہ نقل کیا کہ جناب سید کسی مقام پر تشریف لے گئے۔وہاں کے بادشاہ نے آپ کو بلایا مگر آپ نے انکار کر دیا چناں چہ اس نے تانبے کا ایک گھوڑا بنانے کا حکم دیا جب گھوڑا تیار ہوگیا تو اسے آگ میں رکھ کر سرخ کرایا گیا۔سلطان نے شہر میں تہدید کے ساتھ منادی کرائی کہ سید کو سلطان کی ملاقات کے لیے حاضر ہونا پڑے گا ورنہ اس گھوڑے پر بیٹھنا پڑے گا۔ چالیس روز تک یہی عمل ہوتا رہا مگر جب گھوڑے کو گرم کیا جاتا تو دوبارہ ٹھنڈا ہوجاتا آپ تہدید کے باوجود سلطان کے پاس نہ گئے چالیس روز بعد سلطان اپنے رویے پر نادم ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اعتذار پیش کیا۔(۴)

اسی طرح ماوراءالنہر میں بھی آپ کو ابتلائے شدید سے دوچار ہونا پڑا جس کے بعد آپ نے کشمیر کی جانب مہاجرت اختیار کی۔یہ غالباً تیموری فتنہ واستبداد تھا۔(۵)

امراوحکام کی رہنمائی واصلاح

ملوک، امرا وارکینِ دربارِ شاہی کے ہاتھوں اگرچہ آپ کو بہت تکالیف برداشت کرنا پڑیں لیکن آپ نے اس طبقہ کی رہنمائی واصلاح میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ ''الناس علی دین ملوکہم'' یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کی راہ اختیار کرتے ہیں۔اگر امراوحکام صالح اور عادل ہوں گے تو پوری سلطنت میں نیکی اور عدل کا چرچہ ہوگا جبکہ دوسری صورت میں تمام رعایا فتنہ وستم کا شکار ہوجائے گی،لہٰذا یہ گروہ زیادہ توجہ اور ہدایت کا مستحق ہے چناں چہ آپ نے دوسرے صوفیا کے برعکس اس طبقہ پر بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔

آپ کاروبارِ سلطنت وحکومت کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور اسی لیے اپنے والد جو ہمدان کے حاکم تھے کے کاروبارِ حکومت سے قصداً دور رہتے تھے مگر آپ نے ارفع مقاصد کی خاطر دربار شہنشاہی کا رخ کیا، کئی سلاطین و حکام آپ کے اشارہ ابرو کے منتظر رہتے تھے تاہم کسی تذکرہ نگار یا مورخ نے کسی ایسے واقعہ کی نشاندہی نہیں کی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ آپ نے حکام سے کوئی مالی منفعت حاصل کی یا کوئی وظیفہ طلب کیا۔ تبلیغ و اظہارِ حق کے معاملہ میں آپ کبھی مداہنت اور مصلحت آمیزی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ انتہائی بیبا کی اور جرات سے سلاطین و حکام کو ان کی غلط کاریوں پر متنبہ کرتے رہے آپ نے حاکم کونار سلطان طغان شاہ کو ایک خط ارسال کیا جس میں اسے ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

''اگر اس کا دل چاہتا ہے کہ اہل دیار اس ضعیف کے ساتھ وہ کچھ کریں جو یزید نے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ روا رکھا تو یہ بات میرے لئے آسان ہے اور اسے میں باعث سعادت سمجھتا ہوں اور سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ جو بھی حق بات کرتا ہے اور اظہارِ حق میں کوشاں ہوتا ہے تمام مخلوق اس کی دشمن ہو جاتی ہے۔''(۶)

سلطان غیاث الدین حاکم پکھلی کو بھی آپ نے ایک ایسا ہی بے باکانہ خط لکھا جس میں اس کے حال بد کی نشاندہی کی۔ مکتوب کے الفاظ یوں ہیں:

''اے عزیز تو نے اپنے آپ کو ایسے حال میں مبتلا کر دیا ہے کہ آسمانوں والے تیرے حال پر اَفسوس کرتے ہیں اور تمام اہل بدعت وضلالت کو تو نے خوش کیا ہے اور اَربابِ قلوب میں سے ایک اہل اللہ کو رَنجیدہ اور حالات کے سپرد کر دیا ہے اور حق تعالیٰ وجمیع انبیائے کرام و ملائکہ کو اپنا مخالف بنا لیا ہے جتنا اس بارگاہ سے تجھ پر زیادہ کرم ہوتا ہے تو اتنا ہی زیادہ کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے عذاب واقع ہونے کی تحدید نہیں سنی۔''(۷)

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ (۸)

ترجمہ: پس جب اُنھوں نے اللہ تعالی کی نصیحت کو فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے اس چیز پر جو اُنھیں دی گئی تھی، ہم نے اچانک اُنھیں اپنی گرفت میں لے لیا سو وہ مایوسی کا شکار ہو گئے ہیں۔

آپ نے سلاطین و حکام کو جو مکاتیب ارسال فرمائے اُن کی تعداد اور دوسری تفاصیل آپ کے رسائل کے ضمن میں بیان کی جائے گی ان میں کئی پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا، بادشاہ کی ذاتی سوچ، طلب دنیا کی قباحت، فرائض کی ادائیگی، رعایا پر احسان اور دیگر کئی موضوعات پر نصیحت

آموزانہ مشفقانہ اور تہدد آمیز انداز میں رہنمائی کی گئی ہے تاہم دو موضوعات کو التزام کے ساتھ مکتوبات میں بیان کیا گیا ہے۔

ا۔ حاکم کی ضرورت وفرائض: آپ نے سلطان غیاث الدین حاکم پکھلی کے لیے اپنے ایک مکتوب میں حکومت اور حاکم کی غرض وغایت بیان کی ہے اور سلطان کی توجہ اس طرف دلائی ہے کہ اس کا منصب کن ذمہ داریوں کا متقاضی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اے عزیز پاکیزہ نفوس وقلوب والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ نوح انسان کی طبائع جبلی خصوصیات کے باعث مختلف ہیں، چناں چہ لوگوں کے اقوال وافعال میں اختلاف رونما ہوا اور اخلاق رویہ اور صفات ذمیمہ جیسے ظلم وستم، بغاوت، حسد وغیرہ انسانی فطرت میں موجود ہیں۔

لوگوں کے مفادات ومقاصد مختلف ہیں، پس ذات متعالیہ عز شانہ نے اقتضا کیا کہ اپنی کمال مہربانی سے مخلوق کے درمیان ایک حاکم عادل اور مصلح ہونا چاہیے۔(۹)

پھر سلطان کو چند اہم فرائض کے بارے میں متنبہ کیا، اور نصیحت کی کہ وہ اقتدار کو خدا کی طرف سے ایک عنایت سمجھے اور خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے تا کہ محاسبہ کے فضیحت سے بچ جائے آپ فرماتے ہیں:

''جان لو کہ حضرت حق تعالیٰ نے آج اس عزیز کو اس کام کے لیے اختیار کیا ہے اور مخلوق کے امور میں نفاذ احکام کے لیے اپنا نائب بنایا ہے اور ایک جماعت کے معاملات کا اختیار اس کے دست قدرت میں دیا ہے۔(۱۰)

سلطان کو خدائے لم یزل کا یہ احسان جتلانے کے بعد اُسے قرآن حکیم کے احکامات کو عملاً نافذ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی صورت میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا ہے اور فرمایا: ''ورنہ جس روز پوشیدہ چیزیں سامنے لائی جائیں گی۔'' (۱۱) اس مجمع میں ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرے گا اور اُسے رسوائی سے بچنے کے بارے میں سوچنا چاہیے (۱۲) کہ جس روز مال اور اولاد کام نہ آسکیں گے۔ (۱۳)

سلطان مذکور کو ہی اپنے ایک مکتوب میں فرمایا:

''اور سلطان کو چاہیے کہ کمزور رعیت پر اِستبداد کر کے کفران نعمت نہ کرے اور اَدنیٰ لوگوں کو کمتر گر داننے کی بارگاہ قہار میں جرأت نہ کرے اور مہلت کے ایام کو ابدی نقصان اور سرمدی بدبختی کے غم کا باعث نہ بنائے۔(۱۴)

اسی نوعیت کا ایک خط اپ نے سلطان قطب الدین حاکم کشمیر کو بھی ارسال کیا جس میں بادشاہ کو تاکید فرمائی کہ وہ امر بالمعروف کرے۔ رعایا کے بزرگوں کا اپنے والد کی طرح احترام

کرے اور بچوں کے ساتھ باپ کی سی شفقت سے پیش آئے، ظالموں کی بیخ کنی کرے اور خود بھی حرام کاموں اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے سے احتراز کرے۔(۱۵)

سلطان غیاث الدین کے نام اپنے مکتوب میں قرآن حکیم میں مذکور حاکم کی اولین ذمہ داریوں اور فرائض تحریر کرتے ہوئے آیات قرآنی کی طرف سلطان کی توجہ مبذول کراتے ہیں:

''ان لوگوں کو چاہیے کہ اگر ہم اُنھیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز کے قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کرے اور ہر چیز کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔''(۱۶)

آپ نے نہ صرف مکاتیب کے ذریعے سلاطین و امراء کو فرائض کی ادائیگی کی یاد دہانی کرائی بلکہ اپنے تصرف باطن اور اخلاص موعظت کے ذریعے اُنھیں شرعی قوانین نافذ کرنے، رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنے، ظلم و تعدی سے باز رہنے اور صالحانہ روش اختیار کرنے پر بھی آمادہ کیا آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے اکثر سلاطین و حکام کی سوچ کے زاویے ہی بدل گئے۔

بدخشان کے حاکم محمد نے جناب سیدؒ کے حکم و تشویق سے رفاہ عامہ کے قابل قدر منصوبے سرانجام دئے۔ اسے آپ کے ساتھ بہت عقیدت تھی جس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اسی نے رسالہ واردات' کی تلخیص کی اور اسے پابندی سے صبح کے اوراد میں شامل کر کے پڑھتا رہا۔(۱۷)

رسالہ کے آغاز میں یہ دعائیہ شعر درج ہے:

الٰہی اگر از قبائح اعمال خود شرمسارم
بر سمت رحمت درکار تو امید وارم

طغان شاہ حاکم پکھلی کی درخواست پر آپ نے وہاں پر لوگوں کو دین اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ سلطان نے شہر میں منادی کرادی کہ جو شخص دینی احکامات پر عمل پیرا نہیں ہوگا اس سے باز پرس ہوگی۔(۱۸)

آپ کے فرمان کے مطابق سلطان قطب الدین والئ کشمیر نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دی (یہ دونوں سگی بہنیں تھیں) اسی طرح دوسرے شرعی قوانین بھی نافذ کیے۔

''رسالہ درویشیہ'' میں بھی سلاطین و حکام کا بنیادی فریضہ شرعی قوانین کا نفاذ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''قواعد اسلام کا استحکام اور بدعت و گمراہی و ظلم و عدوان کا قلع قمع کرنا سلاطین اور حکّام پر لازم ہے۔ اسی طرح شریعت کی تمام حدود کی پابندی بھی ان پر لازم ہے۔(۱۹)

۲۔ دنیا کی بے ثباتی: مکتوبات کا دوسرا اہم موضوع دنیا کی بے ثباتی ہے۔ درحقیقت ایوان اقتدار کی فضاؤں کو غرور و تکبر اور ظلم و عدوان سے مسموم کرنے میں اقتدار کو سدا بہار سمجھنے کی غلط فہمی

(بلکہ حماقت) اور اَنجام سے غفلت کا بڑا دخل ہے۔ظاہر ہے کہ جو حکمران، دنیوی حکومت کو چند روز اور ڈھلتی چھاؤں سمجھتا ہے، نخوت وعداوت کے جذبات اس کے دل میں راہ نہیں پا سکتے بلکہ اس کا کردار خلفائے راشدین کی سیرتوں کا پرتو ہوتا ہے۔ چناں چہ جناب سید نے سلاطین کو خطوط ارسال کرتے وقت اس پہلو کو بطور خاص ذکر کیا ہے کہ شاید دنیوی اقتدار کے زوال کا تصور اُنھیں راہ راست پر لانے یا قائم رہنے میں معاون ثابت ہو۔ چناں چہ سلاطین پکھلی کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: ''برحاکم بادشاہ واجب است کہ ... درسیر تھا سلاطین اسلام وخلفائے راشدین رحمہم اللہ تامل کند۔''(۲)

یعنی حاکم بادشاہ پر لازم ہے کہ سلاطین اسلام اور خلفائے راشدین کی سیرتوں میں غور وفکر کرے۔

ایک دوسرے مکتوب میں جو غالباً غیاث الدین حاکم پکھلی کے نام ہے، آپ فرماتے ہیں:

''حاکم اور بادشاہ پر واجب ہے کہ اپنے آپ کو آداب شاہی کے زیور سے عاری نہ کرے، دنیوی نعمت کو آخرت کی حسرت اور عذاب کا باعث نہ بنائے، اپنے کمزور ماتحتوں پر شفقت کرنے میں کوتاہی نہ کرے، فانی دولت پر بھروسہ نہ کرے، قیامت کی رسوائی اور باز پُرس کو یاد رکھے اور فرصت کے دنوں کو غنیمت سمجھے۔''(۲۱)

سلطان مذکور کے لیے ایک مکتوب میں آپ نے دولت دنیا کو ''باد'' اور اس کی نعمتوں کو ''خواب'' قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''عاقل اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو خواب پر فریفتہ نہ ہو اور خیالی باتوں پر مغرور نہ ہو جائے اور پہلے گذر جانے والے غافلوں سے عبرت حاصل کرے اور یقین کرلے کہ جو اشخاص دوسرے کے احوال سے عبرت حاصل نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے سامان عبرت بن جاتے ہیں۔''(۲۲)

اسی نوعیت کے مطالب پر مبنی ایک مکتوب میں آپ نے حاکم کشمیر سلطان قطب الدین کے نام تحریر کیا جس میں دنیا کے زوال اور تغیر پزیری کا یوں ذکر کیا ہے:

''اے عزیز! جس طرح آرام ودولت دنیوی نعمت ہے اور ان سب کا حاصل فنا ہے اسی طرح محنت ورنج اخروی نعمت ہے اور اس کا ثمرہ دار بقا میں خلعتِ کرامت ہے۔''(۲۳)

ایک دوسرے خط میں دنیا کو تماشا گاہ قرار دیتے ہوئے سلطان کو بچشم عبرت اس قرآنی آیت پر تدبر وتفکر کرنے کی تاکید فرمائی: اِعلَمُوا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنیَا لَعِبٌ وَّلَھوٌ وَّزِینَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَینَکُم وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔(۲۴)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور ظاہری آرائش ہے اور آپس میں

فخر اور خود ستائی ہے اور ایک دوسرے پر مال و اولاد میں زیادتی کی طلب ہے۔

پھر سلطان کو نصیحت کی کہ جس شخص کو دنیا میں حکومت ملتی ہے وہ سعادت اور شقاوت کے درمیانی معلق ہوتا ہے۔ اگر مخلوق کے حقوق عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے تو سرمدی نعمتوں کا سزاوار ٹھہرتا ہے، ورنہ دونوں جہانوں میں رسوا ہو جاتا ہے۔(۲۵)

سلطان علاؤالدین کے نام مکتوب میں قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ نقل فرمائی:

وَ مِنَ النَّاسِ مَن يُّعجِبُكَ قَولُهُ فِي الحَيٰوةِ الدُّنيَا وَ يُشهِدُ اللهَ عَلٰى مَا فِي قَلبِهٖ وَ هُوَ اَلَدُّ الخِصَامِ ۔ (۲۶)

ترجمہ: لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی (ہوتا) ہے کہ جس کی گفتگو دنیوی زندگی میں تجھے اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بھی بناتا ہے، حالاں کہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

سلطان علاءالدین کے نام مکتوب میں قرآن حکیم کی یہ آیت تحریر فرمائی:

اَفَرَءَيتَ اِن مَّتَّعنٰهُم سِنِينَ، ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ۔ (۲۷)

ترجمہ: کیا تو نے دیکھا ہے کہ ہم نے اُنھیں طویل عرصہ تک مال و متاع سے نوازے رکھا، پھر ان پر وہ چیز آ گئی جس کے بارے میں اُنھیں بتا دیا گیا تھا سو ان کا مال و متاع اُنھیں کام نہیں آیا۔

پھر اُس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا جن لوگوں نے اپنی زندگی دنیوی لذت میں گزار دی، فزع اکبر کے دن یہ دولت ان کے لیے حسرت اور وبال ثابت ہوگی۔

دولت گیتی کہ تمنا کند

با کہ وفا کرد کہ باما کند (۲۸)

آپ کی موعظت اور نصیحت کا بعض سلاطین پر اس حد تک اثر ہوا کہ اُنھوں نے دنیوی حکومت ترک کر کے اپنا تمام اثاثہ غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا اور خود سرمدی راحتوں کی جستجو میں آپ کے ساتھ ہو گئے۔ ''رسالہ مستورات'' میں اسی نوعیت کا ایک واقعہ درج ہے کہ جناب سید جب اردبیل تشریف لے گئے تو وہاں کا حاکم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، نذرانے پیش کیے اور عرض کی کہ میری ساری عمر اس تشویش میں گزر گئی کہ میں جنتی ہوں یا دوزخی، آپ نے فرمایا تو جنتی ہے۔ اس نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا کہ جب میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر حاضر ہوا تو اُنھوں نے ارشاد فرمایا کہ اردبیل جاؤ اور وہاں کے بادشاہ کو بتا دو کہ تم جنتی ہو، تا کہ اسے اطمینان خاطر نصیب ہو۔

یہ سن کر حاکم آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ آپ سے دعا کرائی اور اپنا تمام مال درویشوں

میں تقسیم کر کے جناب سید کے ساتھ چل پڑا راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر کے اُسے شہید کر دیا۔ آپ نے خود اس کی تجہیز و تکفین کی۔(۲۹)

ملوک و حکّام کے لیے کتب و رسائل

آپ نے ملوک وسلاطین کو مکاتیب ارسال کرنے کے علاوہ ان کی راہ نمائی کے لیے کتابیں اور رسائل بھی قلمبند کیے۔"ذخیرۃ الملوک"جس کا اساسی موضوع اصول جہانبانی اور خصائل سلاطنی ہے۔آپ نے بعض حاکموں اور بادشاہوں کی خواہش پر (یہ کتاب) ان کی راہ نمائی کے لیے تحریر کی۔اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ سیاست کے اسرار ورُموز پر آپ کی گہری نظر تھی۔علامہ اقبال نے آپ کی سیاسی بصیرت کو جاوید نامہ میں خوب سپاس عقیدت پیش کیا ہے:

مرشد معنی نگاہاں بودہ ای
محرم اسرار شاہاں بودہ ای

اسی طرح آپ نے"رسالہ بھرا شاہیہ"حاکم بلخ و بدخشاں کی راہنمائی اور موعظت کے لیے لکھا اور اسی کے نام سے منسوب کیا۔"رسالہ عقبات"سلطان قطب الدین والی کشمیر کے لئے لکھا۔علاوہ ازیں"رسالہ موچلکہ"بھی ایک امیر کے نام تحریر فرمایا(۳۰) یوں آپ نے اپنی تصنیفات و تعلیمات اور تبلیغ واصلاح کا بیشتر حصہ ملوک وسلاطین اور حکام وامرا کے لیے وقف کر دیا۔بقول علامہ اقبال:

مرشدآں کشور مینو نظیر
میر درویش و سلاطین را مشیر

علما وصوفیا کی رہنمائی و اِصلاح

شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اپنی دینی اور اصلاحی تحریک میں علما وصوفیا کے کردار کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھا اور اصلاح احوال کے لیے ان کی اہمیت کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔آپ کے نزدیک اخلاقی وروحانی امراض کے روز بروز پھیلنے کی ایک اہم وجہ علمائے صالحین اور صوفیائے کاملین کا فقدان ہے۔(۳۱) اکثر علما دنیا کی محبت اور مادی مالوت میں گرفتار ہیں۔اس لیے دوسروں کا علاج کرنے سے قاصر ہیں۔ان کی نصیحتیں اثر اندازی کے بجائے قساوت قلبی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔(۳۲)

"رسالہ سیر الطالبین" میں فرماتے ہیں:

"ایک آتش پرست نے حضرت سفیان ثوری کا پیشاب دیکھا تو اپنا زنار پھینک کر ایمان

لے آیا اور آج کل کے علما کی ہزار نصیحتیں سبزی فروش کو دکان سے مسجد تک نہیں لا سکتیں۔ یہ کیا ہے؟ وہ الہامی علم کی قوت کا نتیجہ تھا اور یہ کمزوری، بے خبر زبانی باتوں کا اثر ہے۔'' (۳۳)

آپ کی رائے میں علماء کی کوتاہی جہلا کی غلطی سے کئی گنا زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے چناں چہ فرماتے ہیں: ''عالم کی ایک غلطی جاہل کی سات غلطیوں کے برابر ہے کیونکہ خلاف ورزی کی سنگینی خلاف ورزی کرنے والے کی معرفت (علم) کے مطابق ہوتی ہے۔'' (۳۴)

علما کو اپنے اعلیٰ مرتبے، اہم منصب اور نازک ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لیے شاہ ہمدانؒ نے اپنے مختلف کتب و رسائل اور مکتوبات تحریر کیے جن میں آپ نے انتہائی صاف گوئی سے علما کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔

آپ ایسے علم کو فرسودہ قرار دیتے ہیں جس کا انسان کے کردار و عمل پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ہر وہ علم جو عمل کا باعث ثابت نہیں ہوتا اس سے بے علم ہونا بہتر ہے اس لیے کہ عمل سے عاری علم، صاحب علم کے خلاف حجت بنے گا۔

آپ نے علما کی مادی مالوفات سے بقدر ضرورت استفادہ کرنے اور عمر عزیز پر بھروسہ نہ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا:

''عقلمند شخص وہ ہے جو دنیائے فانی کے افسانوں میں کھو نہیں جاتا، مرکب عمر پر اعتماد نہیں کرتا اور آنے والے دن کے لیے فکر کرتا ہے، روز حساب کو یاد رکھتا ہے، دنیا کی نعمتوں کو شقاوت ابدی اور خسران سرمدی کا ذریعہ نہیں بناتا اور زمانہ گذشتہ کے متکبرین کے انجام سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ (۳۶)

مولانا نورالدین جعفر کو ایک مکتوب میں ابتلاء و مصیبت میں صبر کی تلقین کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث قدسی میں) ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اُسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اگر وہ صبر کرے تو اُسے چن لیتا ہے اور اگر وہ اس پر راضی رہے تو اسے برگزیدہ بنا کر مقرب بنا لیتا ہے۔ (۳۷)

اسی مضمون کا ایک خط آپ نے میرزادہ میرکا کو ارسال فرمایا جس میں آپ فرماتے ہیں:

''اے عزیز! جس طرح نعمت اور خزانہ دنیاوی انعام ہے اور اس کا انجام زوال و فنا ہے اسی طرح دکھ درد اخروی نعمت ہے اور اس کا ثمرہ دار فانی میں خلعت کرامت۔ امراض درحقیقت صابون عنایت ہیں جو مومن کے لباس کو جرائم کے میل سے پاک کر دیتے ہیں۔'' (۳۸)

آپ نے مولانا نورالدین کو ایک مکتوب میں فرمایا کہ دینی معاملات میں نصیحت کے معاملے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ (۳۹) آپ علما کے باہمی مجادلات اور غیر مفید علوم (منطق

وفلسفہ) میں عمریں کھپا دینے کی روش کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ ''رسالہ درویشیہ'' میں آپ نے علما کی اسی خامی کی نشاندہی کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ علما نے مجادلات کو علم قرار دے دیا ہے اور منطق وفلسفہ کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ جب کہ الہامی علوم قرآن وسنت کے اسرار ورُموز سے اعراض کر لیا ہے جس کے نتیجہ میں دنیا میں گمراہی زیادہ پھیل رہی ہے اور بے دین وزندیقیوں نے قوت حاصل کر لی ہے۔(۴۰)

آپ علما کو مشفقانہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث کے معارف واسرار میں غور وخوض کریں اور باہمی مناظروں اور جھگڑوں میں اپنے وقت کو ضائع نہ کریں۔آپ نے علما کو عاجزی وانکساری اور حلم وبردباری سے کام لینے کی تلقین کی ہے۔

''رسالہ سیر الطالبین''' میں آپ نے علما کو تکبر وغرور سے بچنے اور خود کو عوام سے افضل سمجھنے سے باز رَہنے کی تاکید فرمائی ہے۔(۴۱)

آپ نے علم کو بادشاہوں کی قربت کا ذریعہ بنانے اور تاویلات فاسدہ کے ذریعے حکمرانوں کے حرام کاموں کو سند جواز دے کر عوام وخواص کو گمراہ کرنے کی شدید مذمت کی ہے۔ ان لوگوں کو آپ نے مضل (گمراہ کرنے والا) قرار دیا ہے، جو خود بھی گمراہی کے گرداب میں پھنس کر ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی غرق آب کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

''اور کہتے ہیں کہ عالم کی لغزش کشتی غرق ہونے کی مثل ہے کہ جب کشتی غرق ہوتی ہے تو اپنے ساتھ مخلوق کو بھی غرق کر دیتی ہے۔''(۴۲)

آپ نے مولانا خوارزمی کے نام اپنے مکتوب میں اخیار کی صحبت اختیار کرنے اور فجار کی قربت سے بچنے کی تاکید کی ہے۔(۴۳)

آپ نے اپنے صاحبزادے میر محمد ہمدانیؒ کو ارشاد فرمایا تھا کہ کشمیر کے ایک بزرگ شیخ نورالدین ولیؒ اپنا گھر بار اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف نکل جائیں گے۔آپ اُنھیں جا کر بتانا کہ اسلام میں گھر بار چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی راہ لینا معیوب ہے۔جب میر محمد نے انہیں شاہ ہمدان کا پیغام پہنچایا تو شیخ صاحب نے اس پیغام کو صاد کیا اور چرار شریف میں مقیم ہو کر عوام کی ذہنی اور رُوحانی تربیت کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔(۴۴) اس مدرسہ اور خانقاہ نے آگے چل کر تصوف میں ایک جداگانہ مشرب کو متعارف کرایا جسے ''سلسلہ ریشیاں'' کہا جاتا ہے۔اس سے وابستہ افراد کو ''رشی'' کا نام دیا گیا ہے۔اس سلسلہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندو بھی اُسے نہایت احترام وعقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور چرار شریف کے آستانہ پر حاضری اپنے لیے باعث سعادت وبرکت سمجھتے ہیں۔یوں شاہ ہمدانؒ اور آپ کے صاحبزادے

کی رہنمائی نے کشمیر کے ایک تارک دنیا درویش کو مخلوق خدا کی اصلاح و فلاح کے مشن پر لگا دیا جس نے بعد ازاں ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔

حوالہ جات

۱۔ نورالدین جعفر بدخشی، خلاصۃ المناقب، ورق:۹۵
۲۔ ماخذ سابق، ورق سابق
۳۔ ماخذ سابق ورق:۹۵
۴۔ ماخذ سابق، ورق:۱۹۶-ب
۵۔ ماخذ سابق، ورق سابق
۶۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات (قلمی انجمن ترقی اردو کراچی، ورق:۳۹۱، ب ۳۹۲ ڈاکٹر محمد ریاض نے اس مکتوب کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سلطان غیاث الدین حاکم پکھلی کے نام تھا۔ (ملاحظہ ہو احوال و آثار میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر ریاض، ص:۱۲۲)
۷۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات، ورق:۱۸۹، انجمن ترقی اردو کراچی
۸۔ سورۂ انعام، آیت:۴۴
۹۔ سید علی ہمدانی مکتوب بنام غیاث الدین حاکم پچھلی در مجموعہ رسائل میر سید علی ہمدانی کتابخانہ گنج بخش اسد آباد، ورق:۹۲۷
۱۰۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوب بنام غیاث الدین حاکم پکھلی در مجموعہ رسائل امیر کبیر انجمن ترقی اردو کراچی، ورق:۱۹۰
۱۱۔ سورۂ طارق، آیت:۹
۱۲۔ سورۂ شعرا، آیت:۸۸
۱۳۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوب بنام غیاث الدین در مجموعہ انجمن ترقی اردو کراچی، ورق:۱۹۰
۱۴۔ ماخذ سابق، ورق سابق
۱۵۔ بحوالہ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، میر سید علی ہمدانی، ص:۱۱۸
۱۶۔ سورۂ حج، آیت:۴۱
۱۷۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، میر سید علی ہمدانی، ص:۱۲۰
۱۸۔ ماخذ سابق
۱۹۔ سید علی ہمدانیؒ، رسالہ درویشیہ، قومی عجائب گھر کراچی، ورق:۵
۲۰۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات، در مجموعہ رسائل ترقی اردو کراچی، ورق:۱۹۳

۲۱۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات در مجموعہ رسائل شمارہ: ۴۴۰۹، کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد، ورق: ۷۹۳-۷۹۴
۲۲۔ ماخذ سابق، ورق: ۳۴۸
۲۳۔ ماخذ سابق، ورق: ۳۴۹
۲۴۔ سورۂ حدید، آیت: ۲۰
۲۵۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات در مجموعہ انجمن ترقی اردو کراچی، ص: ۱۹۲
۲۶۔ سورۂ بقرہ، آیت: ۲۰۴
۲۷۔ سورۂ شعرا، آیت: ۲۰۵-۲۰۶
۲۸۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات در مجموعہ رسائل انجمن ترقی اردو کراچی، ورق: ۱۹۱
۲۹۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، میر سید علی ہمدانی، ص: ۱۲۰
۳۰۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، میر سید علی ہمدانی، ص: ۱۲۰
۳۱۔ سید علی ہمدانیؒ، مراۃ التائبین، ص: ۴۷-۴۸
۳۲۔ ماخذ سابق، ورق: ۳۸
۳۳۔ سید علی ہمدانیؒ، رسالہ سیر الطالبین، کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد
۳۴۔ سید علی ہمدانیؒ، رسالہ مراۃ التائبین، ص: ۳۳
۳۵۔ مصدر سابق، ص: ۱۲
۳۶۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات بنام میرزادہ مجموعہ رسائل ہمدانیہ انجمن ترقی اردو کراچی، ورق: ۱۹۵-۱۹۶
۳۷۔ ماخذ سابق، ورق: ۱۹۴
۳۸۔ ایضاً، ورق: ۱۹۴
۳۹۔ ایضاً، ورق: ۱۹۵
۴۰۔ سید علی ہمدانیؒ، رسالہ درویشیہ، قومی عجائب گھر کراچی، ورق: ٦
۴۱۔ سید علی ہمدانیؒ، رسالہ سیر الطالبین، کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد، ص: ٦۸۰
۴۲۔ سید علی ہمدانیؒ، مراۃ التائبین، ص: ۳۴
۴۳۔ سید علی ہمدانیؒ، مکتوبات در مجموعہ رسائل ہمدانیہ، کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد، ص: ۴٦۳
۴۴۔ سلیم خان گمی، کشمیر میں اشاعت اسلام، ص: ۸۷

●●●

ڈاکٹر عبدالقدوس خان (۱)

شاہ ہمدانؒ کا مسلک و مشرب

وسیع المشربی

شاہ ہمدانؒ کی دینی خدمات کا باب بہت طویل، جامع اور تابناک ہے۔ اس معمار ''تقدیر امم'' نے اپنی پوری زندگی ترویج دین متین کے لیے وقف کر دی۔ دیار روم، سراندیپ (سری لنکا) حجاز و بیت المقدس، شام و عراق، ہمدان و ختلان، بلتستان و کشمیر غرض کہ دنیا کے کم از کم ایک تہائی حصہ میں آپ نے دین حنیف کا پیغام اتنی خوبصورتی سے پہنچایا کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اشاعت اسلام کے اس عالمگیر مشن میں آپ کی مبلغانہ مساعی میں سب سے زیادہ نمایاں صفت آپ کی بلندیٔ فکر، وسعت خیال اور رواداری مسلک و مشرب تھی۔ آپ یقیناً اعتقادی اور فقہی لحاظ سے کسی مسلک و مذہب سے وابستہ تھے۔ تاہم یہ وابستگی تعصب اور تنگ نظری کی آلودگی سے منزا و مبرا رہی، آپ نے ربع مسکون کی سیاحت کسی ایک مسلک کے مبلغ کی حیثیت سے نہیں بلکہ آفاقی دین کے داعی کی حیثیت سے کی، اس بلندی پرواز کے نتیجے میں وہ ہر گروہ و مسلک کے لیے محترم و معزز قرار پائے۔

نظریاتی مسلک

آپ وسیع المشربی کے اس بلند مقام پر فائز تھے کہ اُنھیں ہر شخص اپنے مسلک کا مقتدا سمجھتا ہے۔ اہل تشیع اُنھیں حتمی طور پر شیعہ کہتے ہیں اور ذہبی سلسلہ کا اُنیسواں بڑا قطب مانتے ہیں۔(۱) متعدد شیعہ علما نے بالصراحت اُنھیں اپنے آئمہ اور اکابرین میں شمار کیا ہے۔ مثلاً سید نور

(۱) شعبۂ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ جامعہ سندھ

اللہ شوستری نے آپ کو شیعہ بزرگوں میں شمار کیا ہے اور آپ کے یہ چند اشعار بھی نقل کیے جن کے ایک ایک لفظ سے محبتِ اہل بیت ٹپکتی ہے۔

گر حب علیؓ وآل بتولت نبود
امید شفاعت از رسولت نبود
گر طاعة حق جملہ بجا آری تو
بی مہر علی ہیچ قبولت نبود (۲)

مرزا عبداللہ افندی الاصبہانی نے آپ کو شیعہ امامیہ کا بزرگ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''وہ صاحب علم و فضل مشائخ صوفیا اور آئمہ میں سے ہیں۔ آپ کا تعلق شیعہ امامیہ سے ہے۔'' (۳)

اہل تشیع نے اپنے اس موقف کو شاہ ہمدان کی تصنیفات و تعلیمات سے موید کرنے کی کوشش کی ہے اور ''رسالہ المودة فی القربیٰ''، ''رسالہ روضتہ الفردوس'' اور ''رسالہ اربعین امیریہ'' کی احادیث (جو اہل بیت اطہار کے فضائل کے بارے میں ہیں) اور چند دوسرے قرائن سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ کا تعلق علمائے شیعہ سے ہے۔

اس کے برعکس سنی محققین و مستند علما آپ کو اکابر صوفیا و علمائے اہل تسنن میں سے گردانتے ہیں اور آپ کو علوم ظاہری و باطنی کا جامع سمجھتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی جیسا عارف کامل آپ کے لیے رقمطراز ہے:

''امیر سید ہمدانی قدس اللہ سرہ علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہوئے ہیں۔'' (۴)

علاوہ ازیں علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ماہر اور علوم ظاہر و باطن کے جامع، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو محقق کامل تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے اورادفتحیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جو شخص حضور قلب کے ساتھ اُنھیں اپنے اوپر لازم کر دے اس کی برکت اور صفائی کا مشاہدہ کرے گا اور چودہ سو اَولیا کی ولایت سے حصہ پائے گا۔ (۵)

مجموعی اعتبار سے آپ کی کتب و رسائل کو پیش نظر رکھنے سے آپ کے سنی ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ چناں چہ ''ذخیرة الملوک'' میں فرماتے ہیں: ''ہر مومن پر واجب ہے کہ اپنے اہل کو امور دین میں اہل سنت کے عقائد کی تعلیم دے۔'' (۶)

اہل سنت کے معتقدات کی تعلیم کو واجب قرار دینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ کے ہاں محبت اہل بیت میں کچھ کمی ہے بلکہ حب علیؓ و اہل بیت کا بحر بیکراں آپ کے قلب صافی میں موجزن ہے۔ بقول سیدہ اشرف ظفر ان کا دل حب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہے اور ولائے علی رضی اللہ عنہ ان کی طبیعت میں رچی بسی ہوئی ہے۔ (۷) آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور دیگر اَہل بیت اطہار کے فضائل ومناقب کے چرچے میں رطب اللسان رہنے کواَپنے لیے وسیلہ نجات گردانتے ہیں۔''المودۃ فی القربیٰ'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''تاکہ اللہ تعالیٰ اس (اہل بیت کے مناقب کی احادیث جمع کرنے) کو میرے لیے ان کے قرب کا وسیلہ اوراُن کی برکت سے نجات کا ذریعہ بنادے۔''(۸)

آپ مودت آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے فضائل کی معرفت کو بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

''پس شرف باریابی اور راہِ قبول میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت اہل بیت بتول واجب ہے اور یہ سعادت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوراُن کے اہل بیت کے فضائل کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔(۹)

ابن الفارض کے''قصیدہ میمیہ'' کے اس شعر کی تشریح سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی والہانہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

لہا البدر کاس وہی شمس یدیر ہا
ہلال وکم یبدو بہا اذا مزجت نجم

شاید شاعر کی مراد اس سے اعیان خارجی یا حقائق نفسی ہیں۔ بر تقدیر اول بدر سے مراد روح ہوگی جو آفتاب احدیت کی مظہر اور کاسہ حقیقتِ محبت ہے اور ہلال سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں گے جو رب ذی الجلال کی محبت کی شراب محبت کے جام پلانے والے اور اُمید (وصال) کے بیابانوں میں سرگرداں پیاسوں کو وصال کے شیریں چشموں پر لانے والے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے، اور جیسا کہ ہلال، بدر کا مغائر نہیں ہے بلکہ اسی کا ایک جزو ہے۔(۱۰)

شاہ ہمدان کی اہل بیت اطہار کے ساتھ محبت وعقیدت، شیفتگی اور وارفتگی کی حد تک ہے۔ عام طور پر چوں کہ اہل تشیع کے ہاں محبت علیؓ میں شدت اور جنونی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس لیے علامہ اقبال نے آپ کے بارے میں فرمایا:

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا
تفضیل علیؓ ہم نے سنی اس کی زبانی

(بانگ درا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی اس غیر معمولی عقیدت ومحبت کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ آپ مولا علی رضی اللہ عنہ کی عظمتوں سے واقف ہیں۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں: من علی را

ہمہ دانم (یعنی میں علیؑ کو خوب جانتا ہوں)۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ تصوف کے اکثر سلاسل حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ بالخصوص سلسلہ فتوت میں آپ کو امام مطلق' کا مرتبہ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں نص قرآنی کی رو سے حب اہل بیت دراصل حب الٰہی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لازمی تقاضا اور ایمان کی علامت ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ (۱۱)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں تم (صحابہ و دیگر اہل ایمان) سے اپنے قرابت داروں کی محبت کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا۔ لہٰذا اگر حب علی رضی اللہ عنہ کا نام تشیع ہے تو یقیناً حضرت شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ اس اعزاز پر نازاں ہوں گے۔ بقول امام شافعیؒ:

لوکان رفضا حبّ آل محمدؐ

فلیشہد الثقلان انی رافض

یعنی اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی محبت رفض ہے تو تمام جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ تاہم حب آل محمدؐ میں استغراق کے باوجود آپ اصحاب رسول کو کبھی فراموش نہیں کرتے بلکہ اہل بیت کے ساتھ آسمان رشد و ہدایت کے ان درخشندہ ستاروں کو ہمیشہ سپاس عقیدت پیش کرتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ رسالہ ذکریہ میں فرماتے ہیں:

''اور صلوٰۃ بے حد آپ کے اہل بیت پر کہ جو عالم حقیقت کے آفتاب ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو آسمان طریقت کے ستارے ہیں۔'' (۱۲)

۲۔ بے حد صلوٰۃ آپ کے اہل بیت پر جو سلسلہ ولایت کے مقتداء ہیں اور آپ کے صحابہ پر جو ہدایت کے راستوں کے ستارے ہیں۔ (۱۳)

۳۔ آپ بالخصوص خلفاء راشدین کو بہترین مخلوق ماننا اور اُن کی خلافت کو تسلیم کرنا ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ ''ذخیرۃ الملوک'' میں فرماتے ہیں:

''اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے اصحاب بہترین مخلوق ہیں اور ان میں افضل ترین خلفائے راشدین ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اس قدر علی سبیل الاجمال ایمان کے مبادیات کا علم ہر مسلمان پر واجب ہے اور جو حقائق ایمان سے اتنا بھی واقف نہیں ہے۔ اس کا ایمان خطرے میں ہے۔ (۱۴)

آپ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی نہایت احترام و تقدس سے لیتے ہیں وہاں خلفائے ثلاثہ کے اسمائے مبارکہ کو بھی بالترتیب القابات و امتیازات کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

چناں چہ خطبات میں ارشاد فرماتے ہیں:

اللهم صل على محمد.وخلفاء الراشدين المهديين من بعده خصوصاً على الخليفة المسمى با لعتيق الامام المقدم ابى بكر الصديق وعلى العادل...الناطق بالصواب عمر بن الخطاب وعلى ذى النورين السديد عثمان بن عفان الشهيد وعلى مثبت قواعد الاحسان بدر سماء العرفان قطب دائرة اهل الايقان صاحب المناصب والمناقب المرتضى على ابن ابى طالب۔ (۱۵)

ترجمہ: اے اللہ! رحمتیں نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اُن کے بعد ہدایت کے پیکر خلفائے راشدین پر، خصوصیت کے ساتھ اس خلیفہ رسول پر جن کا اسم گرامی عتیق سب سے پہلے امام ابوبکر صدیق ہے۔ (اور رحمتیں نازل فرما) عدل کے پیکر درست گفتگو فرمانے والے عمر بن خطاب پر، (اور رحمتیں نازل فرما) دونور والے سیدھی راہ کے مسافر شہید عثمان بن عفان پر (اور رحمتیں نازل فرما) احسان واخلاص کی بنیاد کو مضبوط فرمانے والے، افقِ معرفت کے چمکتے چاند، اہل ایمان ویقین کے دائرہ کے مرکز ومحور، بے شمار مناصب ومناقب کے دھنی علی بن ابی طالب پر رضی اللہ عنہ۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ کا دل اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عقیدت ومحبت سے لبریز تھا اور ان نفوس قدسیہ کے مابین کسی تفریق کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یوں بھی آپ کا صوفیانہ مشرب اس نوعیت کے تعصّبات کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر نے آپ کے عارفانہ مذاق کے تناظر میں آپ کی وسیع المشربی پر مبنی برحقیقت تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ہماری رائے میں سید علی ہمدانی ایک عارف انسان تھے۔ جو مذہبی تعصّبات اور فرقہ وارانہ خصومات سے بالاتر تھے۔ ان کے دل میں بزرگان دین کی بے پناہ محبت وعقیدت تھی۔ خاندان رسالت سے غیر معمولی مودت کے قائل تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ نے اہل بیت عظام کو عالم حقیقت کا درخشندہ آفتاب اور صحابہ کرام کو آسمان طریقت کے چمکتے ستارے کہا ہے۔'' (۱۶)

دلیل کے طور پر موصوفہ نے رسالہ ذکریہ سے جناب سید کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''اہل بیت او کہ شموس عالم حقیقت اند وصحابہ کرام کہ نجوم فلک طریقت اند۔'' (۱۷)

فقہی مسلک

نظریاتی مشرب کے لحاظ سے جس طرح آپ کے ہاں وسیع النظری پائی جاتی ہے، ویسے ہی فقہی مسالک میں بھی آپ رواداری اور وسیع المشربی کے قائل ہیں۔ آپ مذاہب اربعہ میں سے شافعی مسلک کے مقلد تھے۔ مگر حنفی مسلک اختیار کرنے پر آپ نے کبھی ناگواری کا اظہار

نہیں فرمایا۔ پروفیسر محب الحسن آپ کے مسلک کے متعلق لکھتے ہیں: ''ان کے ایک مرید جعفر بدخشی کا قول ہے کہ آپ حنفی تھے مگر بعد میں شافعی ہو گئے تھے۔ مگر اپنے کسی مرید کے حنفی ہونے پر آپ کو اعتراض نہ تھا اور نہ کشمیر میں حنفی قانون کی اُنھوں نے مخالفت کی۔'' (۱۸)

مصنف ''سالار عجم'' نے ''رسالہ مستورات'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ حنفی قانون پر تھے۔ (۱۹) لیکن اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ آپ نے ''رسالہ فقہ'' میں جو احکامات درج کیے ہیں۔ وہ شافعی مسلک کے عین مطابق ہیں۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

ا۔ **وضو میں چھ فرائض ہیں:** اول نیت کرنا، دوم چہرہ دھونا، سوم دونوں ہاتھوں کو کلائی تک دھونا، چہارم بعض سر کا مسح کرنا، پنجم پاوں کا دھونا، ششم ترتیب قائم رکھنا۔

ب۔ **غسل کے دو فرائض ہیں:** اول نیت کرنا، دوم سارے بدن کا دھونا

ج۔ **تیمم کے پانچ فرائض ہیں:** اول پاک مٹی کا قصد کرنا، دوم نیت طہارت، سوم چہرے کا مسح۔ چہارم ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح، پنجم ترتیب

د۔ نماز میں آمین بالجہر کہنا سنت ہے۔

ھ۔ سفر مباح کے دوران نماز قصر کی رخصت ہے۔

و۔ نماز عیدین سنت ہے۔ (۲۰)

یہ تمام مسائل حنفی فقہ کے مغائر اور شافعی فقہ کے موافق ہیں۔ (۲۱)

اس کے باوجود جب آپ کشمیر میں تشریف لے گئے تو یہاں آپ کے پیش رو مبلغین چوں کہ خود حنفی مسلک کے پیرو تھے اور اُنھوں نے نو مسلموں کو فقہ حنفی کے مطابق ہی تعلیم دی تھی۔ اس لیے آپ نے شافعی فقہ کو اپنی ذات اور اَپنے رفقا (جو شافعی مسلک کے پیرو تھے) تک ہی محدود رکھا۔ ورنہ اگر آپ چاہتے تو کشمیر میں فقہ شافعی کو رواج دے سکتے تھے۔ کیوں کہ کشمیر کی رعایا اور سلاطین آپ کے عقیدت مند تھے اور آپ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم رہتے تھے۔ مگر آپ نے لوگوں کو فقہی مسلک کی موشگافیوں اور اِختلافات سے دور رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ آپ کے مریدین و اولاد نے بھی اس روش کو قائم رکھا، یہی وجہ ہے کہ آج کشمیر میں عوام کی اکثریت فقہ حنفی کو ماننے والی ہے۔

آپ مسلک کے اختلاف کی بنیاد پر کسی امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے احتراز کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ہر کسی کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ خواہ امام فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ ''رسالہ توحید'' میں فرماتے ہیں: **و یجوز الصلوۃ خلف کل بر و فاجر۔**

یعنی ہر صالح اور فاسق شخص کی اقتدا میں نماز جائز ہے۔ (۲۲)

البتہ! آپ اختلافی مسائل میں طلب رخصت کی شدید مذمت کرتے ہیں، اور اس کو تقوٰی کے منافی سمجھتے ہیں۔ چناں چہ ''ذخیرۃ الملوک'' میں رقمطراز ہیں:

''پس جو شخص احکام شرعی اور اختلاف فقہا میں اپنی خواہش کے مطابق رعایت تلاش کرتا ہے اور احتیاط وتقوٰی پر مبنی زیادہ صحیح مسئلہ کو ترک کر دیتا ہے وہ اس سعادت (اطاعت رسول) سے محروم ہے۔'' (۲۳)

صوفیانہ مشرب

جس طرح آپ کے ہاں مسلکی نظریات اور فقہی اُمور وجزئیات میں وسیع النظری اور صلح کلی کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے، اسی طرح سلسلہ سلوک میں آپ جامع السلاسل اور صفوۃ الاصفیاء معلوم ہوتے ہیں۔ اس آفاقی وسعت خیال ومشرب میں آپ کی راہ سلوک میں مسلسل اِکسٹھ سالہ ریاضت، تین بار ربع مسکون کی سیاحت اور چودہ سو اَولیائے کاملین سے کسب فیض وحصول علم وعرفان کا بڑا دخل ہے۔ اس پر مستزاد بلا واسطہ عالم واقعہ میں سلطان العارفین امام رضا، شیخ المشائخ حضرت نجم الدین کبروی، مرجع تصوف ومنبع فتوت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام الاصفیاء حضرت سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ معارف اور جذب انوار وتجلیات ہے۔ (۲۴)

نور الدین جعفر بدخشی آپ کی غزل کے ایک شعر کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیادت مقام اطلاق میں ہیں اور مقام اطلاق تنزہ عارف اور صفات الٰھیہ سے متصف ہونے سے عبارت ہے۔'' (۲۵)

گویا آپ مجاہدہ وریاضت اور توفیق الٰہی سے ایسے مقام پر فائز ہو گئے تھے جہاں پہنچ کر عارف تعصّبات وتعینات کے محدود دائروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی صفات جمالیہ کا مظہر بن جاتا ہے اور صِبْغَةَ اللهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً۔ (۲۶) کا اس پر ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کے قالب بشریت سے انوار احدیت کا ظہور ہوتا ہے۔

رنگ عارف رنگ معروف است و بس
رنگ معروف نہ پیش است نہ پس (۲۷)

اسی مقام کے حصول پر شاہ ہمدان نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا تھا:

''ہمدانی گنجی یافت کہ از افہام وعقول مبرا است۔'' (۲۸)

ترجمہ: ہمدانی نے وہ خزانہ پایا ہے جو افہام وعقول سے بالا ہے۔

ان ارفع واز کی مقامات وتجلیات کے حصول نے آپ کی وسیع المشربی کو آفاقی وسعتوں سے ہمکنار کر دیا۔ یوں تو آپ سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے، تاہم آپ کی تعلیمات وافکار سے

اشارہ ملتا ہے کہ آپ کسی ایک سلسلہ کے تمام نظریات وتعلیمات کے مکمل پابند نہیں تھے بلکہ ذاتی مشاہدات اور قلبی واردات کے نتیجہ میں آپ عرفانی حقائق کو جس طرح ملاحظہ کرتے ویسے ہی بیان فرمادیتے تھے۔ آپ کی روحانی پرواز میں لحہ بہ لحہ کیفیات متجدد رونما ہوتی تھیں ان کا اظہار کسی نہ کسی پیرائے میں ہوجاتا تھا۔

عام طور پر آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ وحدت الشہود کے قائل تھے اور ''رسالہ وجودیہ'' سے یہی مترشح ہوتا ہے لیکن ''حل الفصوص'' کے مقدمہ میں مذکور چند اَشعار سے وحدت الوجود کی طرف رجحان کا عندیہ ملتا ہے۔(۳۰)

جی ایم ڈی صوفی نے آپ کو سلسلہ سہروردیہ کا بزرگ قرار دیا ہے۔(۳۱) جب کہ ''نگارستان فارس'' میں آپ کو سلسلہ قادریہ کے ائمہ میں شمار کیا گیا ہے۔(۳۲) شیعہ حضرات آپ کو سلسلہ ذہبیہ کا قطب مانتے ہیں۔ مگر آپ کی تعلیمات میں سلسلہ نقشبندیہ کی جھلک بھی موجود ہے۔ ذکر جہری اور ذکر خفی کی بحث میں آپ بزرگان نقشبندیہ کے ہمنوا معلوم ہوتے ہیں۔(۳۳)

ڈاکٹر صابر آفاقی نے آپ کو نقشبندی سلسلہ کا امام قرار دیا ہے۔ موصوف کے بقول:
''آپ خواجہ بہاوالدین نقشبندؒ اور سید جلال الدین بخاریؒ کے معاصر تھے۔ بعد میں آپ نقشبندی سلسلے کے بانی کی تعلیمات سے متأثر ہوئے اور پھر خود اس کے پیشوا بن گئے۔''

''رسالۃ الاوراد'' میں ''ذکر'' کی بحث میں آپ حسن صوت کے ساتھ مناسب آواز میں ذکر کرنے کو پسندیدہ اور زیادہ اجر وثواب کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ جو مشائخ چشت کے طریقے کے مطابق ہے۔ گویا آپ تمام مسالک ومشارب کے طریقوں کو حسب حال ونیتِ ذاکر قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آپ نے ''اورادفتحیہ'' میں درج اوراد جن چودہ سو اولیائے کبار سے حاصل کیے، ان میں تمام سلاسل کے بزرگ شامل ہیں۔ آپ نے ان اوراد کو پڑھنے کے لیے اذن عام دی ہے اور اُن کے بے شمار فضائل وفوائد بیان کیے ہیں، جس سے آپ کی وسیع المشربی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، امیر کبیر سید علی ہمدانی، ص:۱۶۶
۲۔قاضی سید نور اللہ شوستری، مجالس المومنین، ج:۲، ص ۱۴۰
۳۔میرزا عبداللہ افندی الاصبہانی، ریاض العلماء وحیاض الفضلاء، ج:۴، ص:۲۸۵
۴۔مولانا عبدالرحمن جامی، نفحات الانس، ص:۲۹۰
۵۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، ص:۱۲۵

۶۔سیدعلی ہمدانی، ذخیرۃ الملوک،ص:۱۷۲
۷۔ڈاکٹرسیدہ اشرف ظفر،امیر کبیر سیدعلی ہمدانی،ص:۱۶۶
۸۔سیدعلی ہمدانی،المودۃ فی القربیٰ (قلمی) برات لائبریری، بلتستان،ورق:۲
۹۔سیدعلی ہمدانی،المودۃ فی القربیٰ (قلمی) برات لائبریری بلتستان ورق ا،ب
۱۰۔سیدعلی ہمدانی،مشارب الاذواق درمجموعہ احوال وآثار میر سیدعلی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض،ص:۴۰۲
۱۱۔سورۂ شوریٰ،آیت:۲۳
۱۲۔سیدعلی ہمدانی،رسالہ ذکریہ،قومی عجائب گھر کراچی،ورق:۱
۱۳۔سیدعلی ہمدانیؒ،رسالہ ذکریہ،قومی عجائب گھر کراچی،ورق:۵
۱۴۔سیدعلی ہمدانیؒ، ذخیرۃ الملوک،ص:۱۸
۱۵۔خطبات سیدعلی ہمدانیؒ درمجموعہ رسائل ہمدانیہ،ص:۵۱۵
۱۶۔ڈاکٹرسیدہ اشرف ظفر،امیر کبیر سیدعلی ہمدانیؒ،ص:۱۶۵
۱۷۔سیدعلی ہمدانیؒ،رسالہ ذکریہ،قومی عجائب گھر کراچی،ورق:۲۷۹
۱۸۔پروفیسر محب الحسن، کشمیر سلاطین کے عہد میں (اردوترجمہ)،ص:۸۱
۱۹۔ڈاکٹرسیدعبدالرحمن ہمدانی،سالار عجم،ص:۷
۲۰۔سیدعلی ہمدانی،رسالہ فقہ (قلمی) درمجموعہ رسائل ہمدانیہ،ص:۱۸۵-۱۸۷
۲۱۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہدایہ،جلد:۱
۲۲۔سیدعلی ہمدانیؒ،رسالہ توحید (قلمی) درمجموعہ رسائل ہمدانیہ،ص:۵۳۴
۲۳۔سیدعلی ہمدانی، ذخیرۃ الملوک،ص:۳۱-۳۲
۲۴۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خلاصۃ المناقب،ورق:۱۵
۲۵۔نورالدین جعفر بدخشی،خلاصۃ المناقب (قلمی)،ورق:۸۳
۲۶۔سورۂ بقرہ،آیت:۱۳۸
۲۷۔نورالدین جعفر بدخشی،خلاصۃ المناقب (قلمی)،ورق:۸۳
۲۸۔نورالدین جعفر بدخشی،خلاصۃ المناقب (قلمی)،ورق:۸۵
۲۹۔سیدعلی ہمدانیؒ،رسالہ وجودیہ (قلمی)،ورق:۲۸۷
۳۰۔سیدعلی ہمدانیؒ،حل الفصوص (قلمی مخطوطہ) خانقاہ گولڑہ شریف پنڈی،ورق:۱
۳۱۔جی ایم ڈی صوفی، کشمیر،ج:۱،ص:۸۹

۳۲۔ڈاکٹر سید عبدالرحمن ہمدانی، سالار عجم، ص:۷، بحوالہ نگارستان فارس، ص:۶۷۲

۳۳۔سید علی ہمدانی، رسالہ ذکریہ (مخطوطہ) قومی عجائب گھر کراچی، ورق: ۱۴/اور ڈاکٹر صابر آفاقی، تاریخ کشمیر اسلامی عہد میں، ص:۶۵

نوٹ: کتاب میں شامل ڈاکٹر عبدالقدوس خان صاحب کی یہ دو تحریریں دراصل جامعہ سندھ میں پی ایچ ڈی کے لئے پیش کئے گئے ان کے ضخیم تحقیقی مقالے 'شاہ ہمدانؒ کی دینی و علمی خدمات' سے ماخوذ ہے اور جملہ حقوق اسی میں محفوظ ہیں۔

●●●

غلام حسن حسنو (۱)

شاہِ ہمدانؒ کا سفر کشمیر و بلتستان

صاحبُ الکشف والکرامات، زبدۃُ العلماء والسادات، قدوۃُ العارفین، برہانُ المحققین، سلطانُ الواصلین، خلاصۂ خاندان مصطفوی، سلالۂ دودمان مرتضوی، حضرت امیر کبیر میر سید علی المعروف بہ شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ وہ گوہر ملکوتی ہیں جن کی تمام علما و مشائخ نے توصیفیں اور تعریفیں کی ہیں کیوں کہ آپ خود آسمان فضل و ولایت کے دُرِ شہوار تھے بھلا اُن کی عظمت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس جامعیت اور اکملیت کے مقام پر آپ فائز تھے وہ آپ ہی کا خاصہ تھا۔ زندگی کے جس حسین گوشے کو دیکھئے آپ کی شخصیت وہاں مہر تاباں نظر آتی ہے۔ آپ شاعر رنگین نوا بھی تھے اور اَدیب ژرف نگار بھی۔ مبلغ دلپذیر بھی تھے اَور مقرر شعلہ بیان بھی۔ درویش بے نوا بھی تھے اور ختلان کے اَمیر کبیر بھی۔ عالم شریعت بھی تھے اَور شیخ طریقت بھی۔ سیار ملکوت بھی تھے اور طیار جبروت بھی۔ سیاح ربع مسکون بھی تھے اور وَاصل عالم غیب بھی۔

آپ کے والد سید شہاب الدین ہمدانی ہمدان کے انتظامی سربراہ تھے اور آپ کا خاندان ایک علمی اور بارُسوخ سیاسی خاندان تھا۔ چناں چہ آپ کی بہترین انداز میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ ۷۲۰ھ میں ۷/سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اَور ۷۲۵ھ تک ۱۲/سال کی عمر میں علوم مروجہ سے فراغت حاصل کی۔ علوم مروجہ سے فراغت کے بعد آپ کے والد چاہتے تھے کہ اپنے ہونہار بچے کو اُمور جہانبانی کی تربیت دے، تاکہ وہ اُن کی جگہ سنبھال سکے مگر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کو دنیا اَور دنیا کے معاملات سے نفرت تھی، چناں چہ ہمدان پر حکمرانی کرنے کے گُر سیکھنے کی بجائے مخلوق خدا کی گردنوں پر حکم چلانے کی تربیت اور ٹریننگ لینے لگے۔ اپنے مہربان اور شفیق ماموں حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانی کی ہدایت پر اُن کے تین نامور مریدین شیخ تقی الدین علی دوستی،

(۱) مدیر ماہنامہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل، بلتستان

شیخ محمود مزدقانی اور شیخ محمد اذکانی سے کسب فیض کرنے لگے۔

روحانی تربیت ہی کے سلسلے میں آپ کے شیوخ نے سیاحت کی ہدایت کی، چناں چہ ۲۱/سال کی عمر میں آپ وطن مالوف سے نکل کھڑے ہوئے۔ اُس وقت کی معلوم دنیا کا تین بار طوفانی دورہ کیا۔ ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) اَولیائے عصر سے فیض اور ۳۴/مشائخ سے خرقۂ دَرویشی حاصل کی۔ مختلف تذکروں اور آپ کی اپنی تصانیف میں متعدد شہروں اور ملکوں کا ذکر ملتا ہے جہاں سے آپ گزرے تھے، اس دوران آپ بھوک و پیاس، خوف و دہشت اور بے کسی و بے بسی کا شکار ہوئے۔ غول بیابانی، شیاطین واَرواح خبیثہ کا سامنا ہوا۔ چین اور سری لنکا میں حضرت آدم علیہ السلام کے قدم گاہ کی زیارت کی۔ بیت المقدس میں نماز پڑھی اور ''اَورادِفتحیہ'' جمع کیا۔ روم (ترکی) میں عیسائی علما کے ساتھ مناظرہ کیا۔ اسی دوران متعدد اِسلامی اہم شہروں کے ساتھ ساتھ کشمیر و بلتستان سے آپ کا گزر ہوا۔ اِن علاقوں کے مکینوں کو دعوت حق دی اور تاریخی بے مثال کامیابی حاصل کی۔

۷۵۳ھ میں آپ نے دوبارہ اپنے وطن مالوف مراجعت اختیار کی، اُس وقت آپ کی عمر تقریباً چالیس سال ہوچکی تھی، چناں چہ آپ نے ہمدان ہی میں شادی کی۔ ۷۵۳ھ سے ۷۷۳ھ تک بیس سال کا عرصہ آپ نے ہمدان اور اُس کے مضافات میں گزارا۔ اپنے مرشد حضرت شیخ محمود مزدقانی اور شیخ محمد اَذکانی سمنانی سے استفادہ کرتے رہے، اس دوران آپ ختلان بھی آتے جاتے رہے۔ ۷۶۶ھ میں آپ کے پیر و مرشد حضرت شیخ محمود مزدقانی کا ہمدان میں انتقال ہوا، اور ۷۷۳ھ میں آپ نے وطن مالوف کو چھوڑ دیا اَور مستقل طور پر آپ ختلان منتقل ہوگئے، اُسی سال آپ نے نورالدین بدخشی کو اَپنی دو کتابوں ''مشارب الاذواق'' اور ''حل الفصوص'' درساً پڑھایا۔(۱)

اگر چہ شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی گونا گون کارناموں سے عبارت ہے، آپ کی حیات میں جو واقعات پیش آئے وہ ایک سے بڑھ کر ایک رُوح پرور اَور ایمان افروز ہیں، مثلاً دوران تربیت آپ کی سخت کوشی، دینی اور مروجہ دونوں علوم میں تبحر، ۱۷۰/سے زائد کتب ورَسائل کی تصنیف و تالیف، ''اَورادِفتحیہ'' کی جمع آوری اور اِجرا، مختلف موقعوں پر کرامات کا ظہور اور لداخ و بلتستان جیسے دشوار گزار علاقے کے طوفانی تبلیغی کامیاب دورے وغیرہ۔ لیکن اُن میں سب سے درخشاں کارنامہ کشمیر اور بلتستان کا تبلیغی سفر اَور پورے علاقے کو مشرف بہ اسلام بنانے کی کامیاب مساعی ہے۔ جس کے نتیجے میں تب سے اَب تک پورا علاقہ عالم اِسلام کا ایک ممتاز خطہ ہے اور کروڑوں لوگ آج مسلمان ہیں۔

اگر چہ آپ کی کشمیر آمد سے پہلے کشمیر میں دین اسلام کی اشاعت محدود پیمانے پر ہوچکی تھی

اور کشمیر اُور اُس کے گرد ونواح کے علاقوں میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت بھی قائم تھی لیکن ہندوؤں کی اکثریت واَثر ورُسوخ اور ثقافتی پہلوؤں کی وجہ سے یہاں اسلام برائے نام تھا حتیٰ کہ بادشاہ بھی ہندوانہ لباس پہنتے اور نشست و برخواست، رسوم ورواج اور بود وباش میں ہندوؤں کا طور وطریقہ اپناتے تھے، کشمیر کے مسلمان بادشاہ سلطان نے دو سگی بہنوں سے عقد کر رکھا تھا۔ جب بادشاہ کا یہ حال ہوتو عوام میں ہندودھرم کے اَثر ونفوذ کا کیا عالم ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور کشمیر جانے کا حکم: ۷۷۴ھ میں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ ہمدان سے مستقل طور پر ختلان منتقل ہوئے۔ رسالہ مستورات میں سرزمین پاک و ہند کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مصنف لکھتا ہے کہ قوام الدین، شاہ ہمدان کے ہمراہ تھے اور اَصحاب کے ساتھ طعام سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ دُور دراز سے آئے ہوئے تھے، جناب سیادت مآب پر غیبت کی کیفیت طاری ہوئی۔ آنحضرت سفر وحضر میں ہمیشہ رو بہ قبلہ بیٹھتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں:

اے فرزند! کشمیر جاؤ اُور وہاں کے رہنے والوں کو مسلمان بناؤ، اگرچہ بعض کشمیری مشرف بہ اسلام ہیں مگر کافروں سے بدتر اُور مشرک ہیں۔ (۲)

جب صبح ہوئی تو سیادت مآب نے زبان مبارک سے فرمایا: ہم کشمیر جائیں گے، قوام الدین کا کہنا ہے کہ جب ہم کشمیر گئے تو دیکھا کہ اُس سرزمین میں ایمان اور اسلام ذرّہ بھر نہیں، شہر میں تو مسجد کی بجائے ہر جگہ بت خانے نظر آئے۔ (۳)

حضور اَکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ حکم پاکر آپ نے اُسی وقت کشمیر جانے کا فیصلہ کیا۔ کچھ عرصے سے اَمیر تیمور کو آپ کے اُثر ورُسوخ سے خطرہ محسوس ہورہا تھا، امیر تیمور سمرقند سے ختلان آیا اور حکم دیا کہ علی ہمدانی رحمہ اللہ کو دَربار میں حاضر کیا جائے۔ آپ خود دربار میں حاضر ہوئے، تیمور بول اُٹھا: میں نے سنا ہے کہ حکومت وقدرت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ جواب میں فرمایا: مجھے دونوں جہاں سے کوئی دلچسپی نہیں، دنیا اور دنیوی دولت مجھے قبول نہیں۔ اس ملاقات کے بعد اَمیر تیمور، شاہِ ہمدان کے جواب سے مطمئن ہوا۔ اُس نے شاہِ ہمدان رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ وہ اُنہی علاقوں میں رہیں لیکن آپ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ میں حق جل وعلا کی جانب سے مامور ہوں کہ کشمیر جاؤں اور اُس ملک کے باشندوں کو اِسلام کی دعوت دوں، شاید کہ وہ مشرف بہ اسلام ہوجائیں۔ (۴)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے کشمیر ہجرت کی تھی۔ یہ درست نہیں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے ہمدان سے ختلان ہجرت کی تھی جس کی وجہ ہمدان اور اُس سے ملحقہ علاقوں میں ختم نہ

ہونے والی شورشیں اور ختلان کے طوطی علی شاہی خاندان کی شاہِ ہمدان کو پُرخلوص دعوت ہے۔ چناں چہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے ختلان ہی کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ سمرقند کے سفاک حکمران اَمیر تیمور کی مخاصمت پر بھی اُس کو خیر باد نہیں کہا بلکہ عمل کے ذریعے اُس کے تحفظات کو دُور کردیا۔ البتہ! یہ درست ہے کہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے تبلیغ واشاعت اسلام کے لیے کشمیر اور اُس کے گرد ونواح کے علاقوں پر خصوصی توجہ دی۔ آپ نے ختلان ہی سے مختلف علاقوں میں اپنے عزیز مریدوں کو رَوانہ کیا کہ وہ حالات دیکھ کر اِطلاع دیں تاکہ تبلیغ اسلام کے لیے مؤثر اقدامات کیے جاسکیں۔ آپ نے سید حسین سمنانی اور سید تاج الدین سمنانی کو یکے بعد دیگرے کشمیر روانہ کیا جن کی حوصلہ اَفزا رِپورٹ پر آپ نے کشمیر کا تبلیغی دورہ کیا۔

چناں چہ ۷۷۴ھ میں بعہد سلطان شہاب الدین شہمیری آپ رحمہ اللہ کشمیر آئے اور چند ماہ تبلیغ واِرشاد کے بعد بہ نیتِ حج کشمیر سے روانہ ہوئے۔

شاہ ہمدان کے دورۂ کشمیر کی تفصیلات: پہلی بار ۷۷۴ھ میں ماوراءالنہر (ترکستان) سے براستہ بلخ وبدخشان بعہد سلطان شہاب الدین آپ کشمیر آئے اور چند ماہ تبلیغ واِرشاد میں مصروف رہے۔ اس وقت سلطان شہاب الدین اپنے بھائی قطب الدین کو کشمیر میں اپنی جگہ قائم مقام چھوڑ کر پنجاب فتح کرنے نکلا تھا، دریائے ستلج کے کنارے دہلی کے حکمران سلطان فیروز شاہ تغلق کی فوج کے ساتھ برسر پیکار تھا اور دونوں طرف مسلمان لقمہ جنگ بن رہے تھے۔ شاہ ہمدان نے بنفس نفیس میدان جنگ جا کر نہ صرف اُن میں صلح کرایا بلکہ اُن میں رشتہ داریاں قائم کرکے صلح کو پائیدار بھی بنادیا۔ (۵)

آپ نے سری نگر میں محلہ علاوالدین پورہ میں اپنے لیے رہنے کی جگہ کا انتخاب کیا اور ساتھ ہی وہیں سے تبلیغ واِرشاد کا آغاز کیا۔ ساتھ ہی ایک ہندو جوگی رہتا تھا جو مکر واِستدراج میں کافی مہارت اور شہرت کا مالک تھا، اُس کے ساتھ آپ کا بحث ومناظرہ ہوا۔ پھر اپنے اپنے کمالات دکھانے کی باری آئی، تو رُؤسائے شہر اور عوام الناس کی موجودگی میں آپ رحمہ اللہ کا ایک جوگی کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ جوگی بولا: ''ہم دونوں کا مقصد خدا کی تلاش ہے۔ اب تم مجھے ڈھونڈو۔ اگر میں مل گیا تو سمجھو خدا مل گیا ورنہ تمھیں خدا کیا ملے گا۔''

اِتنا کہنا تھا کہ وہاں سے جوگی غائب ہوگیا۔ شاہِ ہمدان نے باطنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ وہ آسمان میں پرواز کررہا ہے، چناں چہ آپ نے اپنی جوتیوں کو فضا میں اچھالا۔ دونوں جوتیاں فضا میں بلند ہوتے ہوئے جوگی کے برابر پہنچ گئیں اور پھر یکے بعد دیگرے جوگی کے گالوں پر پڑنے لگیں اور جوگی کو نیچے اُترنے پر مجبور کردیا۔ جوگی بصد ذلت وخواری نیچے اُتر آیا اور حضرت امیر کبیر

رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں گر کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ جوگی کے قبول اِسلام کے ساتھ ہی وہاں موجود سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔

''تحفۃ الاحباب'' کے مطابق: وہاں موجود لوگ مشرف بہ اِسلام ہوئے لیکن جوگی کو توفیق نہیں ہوئی اور اَپنا سامان لے کر وہاں سے چلتا بنا۔ اُس جگہ کو ہموار کر کے آپ نے وہیں نماز اَور جماعت قائم کی۔(۶)

بعد میں اُسی جگہ پر آپ کے فرزند میر محمد ہمدانی نے خانقاہ تعمیر کی، جو اَب بھی اہل کشمیر کی دینی اُمنگوں کا مرکز ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ اُن دنوں کشمیر ہندوؤں کا گڑھ تھا اور ایک ہندو سادھو شاپور کے زیر اَثر تھا۔ آپ کی کوششوں سے وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ آپ نے اُس کا نام ''شیخ محمد'' رکھ دیا۔ اُس دن آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد ۳۷ ہزار تھی، اُن کے گلے سے جوزُنّار اَور جینؤ اُتار کر نذرِ آتش کیا گیا اُن کا وزن ۱۲ من (۲۴ سیر) تھا۔(۷)

یہ تو کشمیر میں ایک دن مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد ہے، باقی دنوں میں کئی ہزار لوگ حلقۂ دین اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے۔ ادھر اَہل بلتستان اور ترکستان بھی آپ کی ہی تبلیغ اور اِرشاد کی بدولت دینِ اسلام میں داخل ہوئے ہیں، یوں یہ تعداد لاکھوں کو پہنچ جاتی ہے۔(۸)

اِس دفعہ آپ نے کم وقت کے لیے کشمیر میں قیام کیا۔ تقریباً چار (۴) سے چھے (۶) ماہ کشمیر میں مصروف رہ کر بہ نیتِ حج کشمیر سے روانہ ہوئے اور پکھلی بلخ اور بدخشان کے راستے ماوراء النہر واپس ہوئے۔

سات سال بعد ۷۸۱ھ میں آپ دوبارہ کشمیر آئے اور تقریباً چار سال کشمیر اَور کشمیر سے ملحقہ علاقوں میں تبلیغ واشاعت اسلام میں سرگرم رہے۔ ۷۸۳ھ میں لداخ اور بلتستان کے راستے ترکستان اور ختلان پہنچے، تقریباً ڈیڑھ سال ترکستان میں مصروف رہے اور پھر ۷۸۵ھ میں آپ بلتستان کے راستے کشمیر پہنچے۔ ان علاقوں میں بھی کچھ دنوں تک مصروف رہے اور شوال ۷۸۶ھ میں کشمیر سے ختلان روانہ ہوئے۔ جب آپ پکھلی پہنچے، تو وہاں کے بادشاہ سلطان محمد نے کچھ عرصہ ٹھہرنے کی درخواست کی، جسے آپ نے قبول فرمالیا اَور ماہِ ذوالقعدہ وہیں گزارا۔ یکم ذوالحجہ کو ساتھیوں سمیت خلوت میں بیٹھے کہ اُسی دن بیمار ہوئے اور بالآخر ۶ رذوالحجہ کو جاں بحق ہوئے۔

شاہِ ہمدان دوسری بار ۷۸۱ھ میں واردِ کشمیر ہوئے، اُس وقت سلطان شہاب الدین فوت ہو چکا تھا اَور اُس کا بھائی قطب الدین کشمیر کا حاکم تھا، اُس دوران درج ذیل واقعات پیش آئے:

سلطان نے دو سگی بہنوں سے عقد کر رَکھا تھا، جب شاہِ ہمدان کو اِس کا علم ہوا تو سلطان کو

اِس خلاف شرع عمل پر سخت تنبیہ کی اور واضح طور پر بتایا کہ شریعت میں اِس کی کوئی گنجائش نہیں، چناں چہ سلطان نے اُنھیں طلاق دے دیا اور عدت پوری ہوجانے کے بعد چھوٹی بہن سے عقد کیا۔(۹)

ایک دن دیکھا کہ سلطان قطب الدین کافرانہ لباس زیب تن کررکھا ہے، اِس پر آپ نے اُسے تنبیہ فرمائی، سلطان کے اِس عمل کی رعایا پر اثرِ بداَور اُس کی قبیح صورت سے سلطان کو آ گاہ فرمایا، چناں چہ سلطان نے ہندو کافرانہ لباس کو ہمیشہ کے لیے ترک کردیا۔(۱۰)

بادشاہ کشمیر سلطان قطب الدین نے ایک روز نماز ظہر کے بعد حضرت امیر سے پوچھا کہ حدیث نبوی میں مروی ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہے، فرشتے درود و سلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس پر پہنچاتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں ملک سے یہ درود وسلام بھیجا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود پڑھنے والے کو اُسی وقت جواب دے دیتے ہیں۔ درج بالا حدیث میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے بے شمار لوگوں کو ایک ہی وقت میں درود وسلام کا جواب کیسے دے سکتے ہیں جب کہ درود وسلام کسی لمحہ رُکے بغیر دن رات بھیجے جاتے ہیں؟

حضرت امیر فرمانے لگے کہ اِس سوال کا جواب عشا کے وقت دیا جائے گا۔ اِس کے بعد حضرت امیر نے نمازِ مغرب سے پہلے اعلان کردیا کہ جس کسی کو ہمیں، بادشاہ اَور دوتین خادموں کو دعوت دینے کی تمنا ہو ہم اُن کی دعوت کو قبول کریں گے لیکن دو شرط ہوں گے:

اول یہ کہ نماز مغرب کے بعد سب اپنے اپنے گھروں میں چلے جائیں اور ہمیں دعوت کھلانے کے بعد خانقاہ واپس آجائیں۔

دوم یہ کہ اپنے گھروں میں جو کچھ حاضر ہو اُسی سے ہمارے لیے کھانا تیار کریں، پس آپ کے حسب حکم نماز مغرب کے بعد تمام عقیدت منداَپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ جس شخص کو حضرت اَمیر اَور بادشاہ کو ضیافت دینے کا ارادہ تھا وہ ایک ایک کر کے خانقاہ میں آیا اور اُنھیں دعوت دیتا گیا اور وہ دعوت قبول کرتے رہے۔ حضرت امیر ہر ایک کے گھر گئے، جو کچھ حاضر تھا تناول فرمایا، کھانے سے فراغت کے بعد دعا فرمائی اور اَللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ایک ایک غزل زبان مبارک سے ادا فرمائی۔ اُن اشعار کو آپ کے محرم راز خادم شیخ قوام الدین بدخشی جو کہ آپ کے ہمرکاب تھے، یادگار کے طور پر تحریر کرتے رہے۔ عشا کی نماز کے لیے تمام مرید حاضر ہوگئے، سب ایک دوسرے پر فخر کرتے اور کہتے کہ الحمدللہ! آج فضل الٰہی شامل حال ہوئی، چوں کہ حضرت امیر سمیت بادشاہ اور خدام ہمارے ہاں تشریف فرما تھے۔ سننے والے اُس کی بات مسترد

کر دیتے اور کہتے کہ جھوٹ مت بولو۔آپ نے ہمارے ہاں قدوم میمونت فرمائی تھی اور یہ شعر بھی آپ نے فرمایا ہے۔یوں ہی ایک بولتا، دوسرا اُس کی بات کورَ د کر دیتا۔اس طرح خانقاہ میں ایک شور بلند ہوا۔حضرت امیر کبیر نے فرمایا کہ بادشاہ سلامت کو تحقیق کرنا چاہیے، اَصل معاملہ کیا ہے اور اُن کے پاس کیا ثبوت ہے؟ چناں چہ سلطاں قطب الدین نے تحقیقات کا آغاز کیا اور دعوی کرنے والوں کے پاس ثبوت کے طور پر موجود تمام اَشعار جمع کر لیا، اُن سب کو شیخ قوام الدین کے لکھے ہوئے اشعار سے موازنہ کیا۔اِس طرح ہر ایک کا دعویٰ ثبوت کو پہنچ گیا۔بادشاہ نے حیران ہو کر حضرت امیر سے دریافت کیا کہ یہ کتنا عجیب معاملہ ہے؟ حضرت امیر فرمانے لگے کہ یہ بادشاہ کے اُس سوال کا جواب ہے جو عصر کے وقت اِستفسار کیا تھا، چوں کہ یہ فقیر اُس درگاہ رسول کی خاک پا ہے، اِس قسم کے کرامات خداوند کی طرف سے مرحمت اور عطا ہوئی ہے کہ ایک ہی وقت میں اکتالیس (۴۱) مریدوں کے ہاں سے ضیافت کھائی۔ہر ایک کے پاس مختلف مضامین پر مشتمل ایک ایک غزل پڑھا۔جب کہ اُس حبیب اللہ کے لیے تو فرش سے عرش تک ہر چیز مسخر کر دیے گئے ہیں، تو اِس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ ایک ہی وقت میں ہر دُرود پڑھنے والے کو جواب دیں۔(۱۱)

منقول ہے کہ آپ نے کشمیر کے بادشاہ سلطان سکندر کو اَپنے ہاتھوں سے بنا ہوا کلاہ مبارک عطا کیا، وہ خود اَور اُس کے جانشین جب تک اُس کلاہ کی عزت وتکریم کرتے رہے اور تاجِ شاہی کے نیچے پہنتے رہے اور شاہمیری سلطنت قائم رہی۔لیکن سلطان فتح شاہ جو آپ کے دور کے ڈیڑھ سو سال بعد گزرا ہے، جب مرنے لگا تو وصیت کی کہ کلاہ مبارک اُس کی لاش کے ساتھ دفن کیا جائے، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ادھر شاہِ ہمدان کسی بزرگ کو خواب میں نظر آئے اور بتایا کہ شاہمیریوں نے میری عطا کردہ کلاہ دفن کر دی ہے۔لہٰذا اَب اُن کی سلطنت بھی دفن ہو جائے گی۔کسی شاعر نے یوں موزون کیا ہے: ''تاج شاہی از سر شاہان کشمیر برفتاذ'' اِسی کے کچھ برسوں بعد شاہمیری سلطنت کا زوال شروع ہو گیا اور کشمیر میں چک اور اُس کے بعد مغل برسر اقتدار آ گئے۔(۱۲)

''ذخیرۃ الملوک'' کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہِ ہمدان کے اپنے دور کے حکمرانوں سے اچھے تعلقات استوار تھے، جو اِس موضوع پر کچھ تحریر کرنے کی استدعا کرتے رہتے تھے۔آخر الامر ایک خاص عزیز کی درخواست پر آپ نے اِسے لکھ لیا ہے، اس خاص عزیز کا نام آپ نے نہیں لیا۔ہمارے خیال میں یہ عزیز کشمیر کے سلطان قطب الدین، پکھل کے سلطان محمد اور بدخشان کے سلطان خضر شاہ اور کنہار کے بہرام شاہ میں سے کوئی ایک ہیں۔ہمارے خیال میں سلطان قطب الدین حاکم کشمیر ہی وہ عزیز ہے۔

آج اِس کتاب کے ریسرچ لائبریری، سری نگر، کشمیر میں ۲۶ رمخطوطات ،علامہ اقبال لائبریری سری نگر میں ۱۱رقلمی نسخے اورعبدالرحمن گھوٹو، سری نگر، کشمیر کے پاس ۵ رنسخے ہیں۔اِن میں قدیم ترین نسخہ ۸۳۳ھ میں لکھا نسخہ ہے۔

آپ کشمیراور اُس کے گردونواح کے ممالک میں اشاعت ونفاذ اِسلام کے لیے پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔جب آپ پکھلی ،کنہاراَور بدخشان کے بادشاہوں کی طرف سے اس سلسلے میں تساہل محسوس کرتے ہیں اوراُن کے اُمرا کی جانب سے روڑے اَٹکاتے ہیں تو اُنھیں خطوط کے ذریعے تنبیہ کرتے اورفرائض یاد دِلاتے ہیں۔''مکتوبات امیریہ''میں ایسے کئی خطوط موجود ہیں۔

انہی ولولہ انگیز خوبیوں اور اِیمان افروز اَوصاف کی بنا پر میر سید محمد نوربخش رحمہ اللہ نے جوخود بھی بڑے ولی اللہ تھے،آپ کو اِن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

پس از شاہ مردان چوسید علی

بدین جامعیت نیامد ولی(۱۳)

شاہ مردان شیر یزدان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ جیسا جامع الصفات اللہ کا ولی کوئی نہیں آیا۔

میر سید محمد نوربخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سلسلۂ فقر وسلوک کے بارے میں لکھا ہے:

''بظاہر و باطن جامعیت صوری ومعنوی و مکاشفات واطواردل وحقائق مجموع نزد این مظہرغیر سلسلۂ علی الثانی یافتہ نشد سلسلہ وی اقوی ازجمیع سلاسل اولیا۔''(۱۴)

میرے نزدیک ظاہری و باطنی مظہر،جامع اور مکاشفات واطواردل اور مجموعہ حقائق سلسلۂ علی ہمدانی کے سوا کوئی نہیں،آپ کا سلسلہ سلاسل اولیا میں سب سے قوی واستوار ہے۔

چناں چہ آپ مسلمانوں کو''سلسلہ ہمدانیہ'' سے وابستہ ہونے اور اِس سلسلے کے مشائخ سے تمسک کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

میری معلومات کے مطابق شاہ ہمدان کے بارے میں اب تک ۲۷ رکتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔(۱۵)

شاہ ہمدانؒ کے دورۂ بلتستان کی تفصیلات: کشمیر میں شاہ ہمدان کے دورے کی تفصیلات نہیں ملتےلیکن بلتستان میں نہ صرف شاہ ہمدان بلکہ میر سید محمد نوربخش اور میر شمس الدین عراقی کے دوروں کی بھی تفصیلات بھی مل جاتی ہیں۔اِس ضمن میں ہماری خوش قسمتی سمجھئے کہ بعض تفاصیل پر مشتمل کتاب''تحفۃ الاحباب''(۱۶)،قلمی رسالہ مولوی محمد ابراہیم مرحوم، چق چن،خپلو (۱۷)اور قلمی رسالہ مملوکہ مولوی محمد علی مرحوم، غربو چینگ ،خپلو (۱۸) ہماری دسترس میں ہیں، جن میں اِن

تینوں بزرگوں کی الگ الگ کاوشوں کا جستہ جستہ تذکرہ درج ہے۔ہم یہاں صرف شاہ ہمدانؒ کے تبلیغی دوروں کی تفصیلات دیتے ہیں:

حضرت امیر کبیر رحمہ اللہ نے بلتستان کا دو بار تبلیغی دورہ کیا تھا۔اُنھوں نے بلتستان اور ترکستان میں مجموعی طور پر پانچ سال گزارے۔آپ پہلی دفعہ کشمیر سے زوجی لا (Zojila Pass) کے راستے بلتستان آئے۔(۱۹)

آپ بالکل خالی ہاتھ تھے،کل متاع سفر ایک عصا اور ایک گلیم تھی۔

زکشمیر بہ تبت رسید آں ولی
بدستش عصا بود و بربرگلیم (۲۰)

اگرچہ مؤرخ شاعر نے صرف عصا لے کر بلتستان پہنچنے کا ذکر کیا ہے جو درست نہیں۔ حضرت امیرؒ اکیلے سفر نہیں کرتے تھے۔مریدوں اور دوست واَحباب کی ایک بڑی تعداد ساتھ ہوتی تھی۔اسی طرح آپ کا کتاب خانہ بھی ساتھ ہوتا تھا۔فرصت کے اوقات میں آپ مطالعہ کرتے،ضرورت مندوں کے سوالات کا جواب بھی تحریری طور پر دیتے اور ساتھ ہی تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا۔

شاہ ہمدانؒ سکردو میں: میر سید علی ہمدانی نے ''غبیارسا'' یعنی سطح مرتفع دیوسائی کے ذریعے سکردو پہنچ کر لوگوں اور بادشاہ وقت کو اِسلام پیش کیا۔آپ کی تبلیغی مساعی سے لوگ کافی متأثر ہوئے اور اِسلام قبول کرنے لگے۔چناں چہ حسین آبادی صاحب رقمطراز ہیں:

آپ کی تبلیغ سے رفتہ رفتہ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔یہاں تک کہ آپ نے سب سے پہلے کھری ڈونگ پر ایک مسجد تعمیر کرائی،پھر گمبہ سکردو میں جامع مسجد تعمیر کر کے جمعہ قائم کی۔(۲۱) کھری ڈونگ اب بھی موجود ہے مگر یہاں مسجد کے کوئی آثار موجود نہیں،کھر پھوچے میں موجود مسجد ''مسجد میر خاتون''بعد میں بنی ہے لیکن گمبہ سکردو کی جامع مسجد مقامی لوگوں کے شیعہ ہوجانے کے بعد متروک ہوکر منہدم ہونے کے قریب تھی،پاس ہی ایک بڑا امام باڑہ مکمل آباد تھا لیکن خانۂ خدا ویران۔۱۹۷۹ء میں ایران میں برپا ہونے والے انقلابِ اسلامی نے شیعوں کو نماز اَور رُوزے وغیرہ کی جانب متوجہ کرالیا،جس کے نتیجے میں مسجدوں کی تعمیر اور جمعہ وجماعت کے قیام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔چناں چہ انجمن امامیہ سکردو نے اِس جامع مسجد کی تعمیر نو کا کام شروع کر کے مکمل کرلیا ہے اور ۱۸۸۸ء سے ۱۹۸۴ء تک تقریباً سو سال غیر آباد رَہنے کے بعد اَب وہاں جمعہ کی نماز ادا کی جارہی ہے۔

سکردو سے میر سیّد علی ہمدانی علیہ الرحمہ موجودہ حسین آباد پہنچے جو پہلے کھفچوں کہلاتا تھا۔

یہاں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رَکھی جو اَب بھی یہاں کے ''محلۂ بیورسنگ'' میں موجود ہے اور جس کی تعمیر نو ہو چکی ہے، وہاں سے آپ شگر چلے گئے۔ (۲۲)

شاہِ ہمدانؒ شگر میں: جب آپ شگر پہنچے تو شگر میں بہت بڑا میلہ لگا ہوا تھا۔ اس موقع پر لوگوں کا ایک جمِ غفیر میدان چوگان بازی میں منہمک تھا اور چوگان بازی (Polo) کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے اُس مجمع کو غنیمت جان کر دین حق کی آواز بلند کی اور لوگوں کو دعوت دینے لگے۔ رُؤسائے شگر نے آپ سے کرامت دکھانے کا مطالبہ کر دیا اور قبول اِسلام کو کوئی کمال دکھانے کے ساتھ مشروط کیا، استفسار پر اُنھوں نے بتایا کہ میدانِ چوگان بازی میں اُبھرا ہوا چٹان ہے، وہ نہ صرف اُن کی اپنی جان بلکہ اُن کے گھوڑوں کے لیے بھی سخت خطرہ ہے، جسے ختم کرنے کی کافی کوششیں کی گئیں مگر ہم لوگ اُسے ختم نہ کر سکے، بس آپ اُسے ختم کر دیں تو وہ اِسلام قبول کرنے کے لیے ہم لوگ تیار ہیں۔ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے اُن کے اُس مطالبے کو قبول فرمایا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اَپنا عصا مبارک اُس چٹان پر دے مارا۔ کہتے ہیں کہ عصا کی ضرب پڑتے ہی وہ چٹان زمین میں دھنسنے لگی، تا آں کہ زمین ہموار ہوگئی۔ (۲۳)

شگر میں آپ نے دو مساجد کی بنیاد بھی رَکھی۔ ایک چھ برونجی کے محلے میں اور دوسری امبوڑک کے محلے میں۔ دونوں مساجد اَب تک موجود ہیں۔ اول الذکر مسجد میں اہل محلہ نماز پڑھتے ہیں، جس میں آپ نے بخط جلی سورۂ مزمل تحریر کی تھی۔ آپ نے اُسے مسجد کی اَندرونی دیوار پر مشرقی دروازے سے شروع کر کے چاروں جانب چکر دے کر اُسی جگہ مکمل کیا ہے، شاید یہ تحریری کام آپ نے دوسری بار آمد ۷۸۵ھ/ ۱۳۸۳ء میں کیا ہوگا، یہ تحریر زمانۂ حال تک موجود تھی لیکن اہل محلہ نے مسجد کی اُوپر کی دیواروں کو اُکھیڑ کر دوبارہ بنایا، اُس وقت اندر سفیدی کروادی جس کی وجہ سے اَصل تحریر سفیدی کے نیچے آ گئی ہے۔ دوسری مسجد نہایت خستہ حالت میں تھی جسے عالمی تنظیم یونیسکو کی فنی و مالی اعانت پر آغا خان کلچرل سروس پاکستان نے بہترین اَنداز میں بحال کر دیا ہے لیکن یہاں کوئی محلہ نہیں ہے، چناں چہ یہ مسجد غیر آباد ہے لیکن یہ نہایت شاندار اَور بے مثال شاہکار تاریخی عمارت ہے جس میں اِیران، کشمیر، بلتستان اور چینی فن تعمیر کے دلکش اور نادر نمونے ملتے ہیں۔

شاہِ ہمدانؒ تھلے اور بلغار میں: میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ شگر میں تبلیغی خدمات سر اَنجام دینے کے بعد تھلے لا (Thalay pass) کی ذریعے موضع تھلے میں پہنچے۔ موضع تھلے کے دلتر (Daltir) گاؤں کے پار بید کا ایک بڑا درخت ہے یہاں کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ درخت دراَصل سید علی ہمدانی رحمہ الل کا عصا تھا، جسے آپ نے اُس مقام پر رَکھا تھا لیکن وہ پودا بن گیا تھا۔ یہاں کے لوگ اُس درخت کو متبرک سمجھتے ہیں اور اُس کا ادب کرتے ہیں، اور یہ بھی دعوی

کرتے ہیں کہ اُس کی شاخ سیدھے اُلٹے جس طرح بھی بطور نرسری لگائی جائے وہ سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں یہاں پر ایک عالیشان مسجد تعمیر کی گئی ہے کیوں کہ یہاں ایک ہائیڈل پاور سٹیشن یعنی پن بجلی گھر بنایا گیا ہے اور مستقبل قریب میں چند اَور پاور سٹیشن بننے کے امکانات بھی ہیں جس کے لیے دور سے پانی کا پختہ کوہل تعمیر کیا گیا ہے۔ پانی پہنچنے کی وجہ سے یہ بنجر میدان لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل ہو گیا ہے، مستقبل قریب میں یہاں ایک بڑا محلہ قائم ہونے کے روشن اِمکانات بھی ہیں۔

ربیع کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ آپ کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی ایک کھیت میں چند عورتیں گوڈی کرنے اور گھاس پھونس اُکھیڑنے میں مصروف تھیں۔ شاہ ہمدان علیہ الرحمہ نے پانی پلانے کو کہا، تو اُن میں سے ایک عورت نے کہا کہ ''بھائی صاحب! آپ کسی اور سے کہیں، ہم یہاں کھیتوں میں مصروف ہیں، ہم آپ کو کچھ پانی پلا نہیں سکتیں۔'' یہ سننا تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ بات نکل گئی کہ ''خدا تم سب کو ہمیشہ مصروف رکھے۔'' اِس کے بعد سے اُس علاقے میں عورتوں کی درگت بنی ہوئی ہے، جس قدر گھاس پھوس اُکھاڑا جاتا ہے اُس سے کہیں زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔(۲۴)

یہاں کے باشندوں کو بذریعۂ تبلیغ مسلمان بنانے اور جامع مسجد و خانقاہ واقع موضع چنڈو جو کہ دونالوں کے سنگھم پر واقع ہے، کی بنیادوں کی نشاندہی کرنے کے بعد سید علی ہمدانی رحمہ اللہ موضع بلغار پہنچے اور تبلیغ اسلام میں مشغول ہو گئے۔(۲۵)

موضع بلغار کے عوام کی طرف سے سرکردگان اور شرفا کا ایک وفد میر سید علی ہمدان علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچا اور بخوشی اسلام قبول کرلیا۔ پھر اُنھوں نے عرض کیا کہ بلغار کی آخری سرحد پر ''فونگ نق'' (۲۶) کے قریب ایک کالا اژدھا رہتا ہے، جو اَہالیان بلغار کو یہاں سے گزرنے نہیں دیتا، لہٰذا وہاں سے اُس بلا کو ہٹا دیا جائے۔ میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ اُن کی اُس مشکل کو حل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ آپ نے ہاتھ میں عصا لیا اور چل دیے۔ فونگ نق میں واقعی وہ کالا اَژدھا بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی وہ آپ پر حملہ آور ہوا، آپ نے اپنا عصا اُس کے سر پر دے مارا، عصا کی ضرب پڑتے ہی اَژدھے نے جھرجھری لی اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ یہاں سے آپ موضع ڈوغنی گئے اور موجودہ خانقاہ کے بنیاد کی نشاندہی کی۔(۲۷)

شاہ ہمدان خپلو میں: خپلو میں تبلیغ کے بعد آپ چھوربٹ روانہ ہوئے۔ جگہ جگہ لوگوں کو مسلمان بناتے، بدھ مت اور بون چھوس کے مراکز کی جگہ مساجد بناتے گئے۔ آپ نے سرموں اور کواُس (موجودہ اَمیر آباد) میں ایک ایک مسجد کی بنیاد رَکھی، جن کی تعمیر نو اَور توسیع ہو چکی ہیں۔

آپ چھوربٹ کے موضع چولونگ پہنچے۔ یہاں سے نالہ چولونکھا (CHHOLUNGKHA) کے ذریعے سلتورو میں داخل ہوئے۔(۲۹)

یہاں آپ کو سخت پیاس لگی۔ ایک عورت پاس ہی موجود کھیت میں گوڈی کر رہی تھی۔ آپ نے اُس سے پیاس کا ذکر کیا، وہ عورت خنداں وفرحاں گھر گئی اور دودھ و لسی لے آئی اور آپ کی خوب خاطر مدارات کی۔ آپ اُس کی خوش اخلاقی سے متاثر ہوئے اور دعا فرمائی کہ ''اللہ تعالیٰ تم سب کو اُس کام کی کلفت سے نجات دلائے اور سب کو شاداں وفرحاں رکھے۔'' کہتے ہیں کہ اُس وقت سے آپ کی دعا کی برکت کے سبب وہاں گوڈی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جونہی گوڈی کرنے کا موسم آجاتا ہے ساری گھاس پھوس خود بخود گھل سڑ کر کھاد بن جاتی ہے۔(۳۰)

کسی معتقد شاعر نے اُس واقعے کو نظم کیا ہے۔ اُس نظم میں اُس عورت کی خدمت کا تو ذکر ہے لیکن جگہ کا نام مذکور نہیں ہے۔ پھر شاعر اُس واقعے سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے:

ازان واقعہ پند گیر ای جو ان
سخاوت و خدمت بیاموز ازان (۳۱)

یعنی اے جوان! اُس واقعے سے سبق حاصل کرو اور اُن عورتوں سے سخاوت وفیاضی اور خدمت گری سیکھ لو۔

ایک مقامی روایت کے مطابق ایک کرامت سلتورو (SALTORO) موضع غہ یار (GHAYAR) میں پیش آیا جہاں کسی عورت نے اپنی بیار (BAYAR) زومو (زومو یا زونو مقامی دودھ دینے والی یاک نسل کا ایک جانور ہے) کا دودھ پیش کیا تھا۔ آپ نے دودھ نوش فرمانے کے بعد اُس کے حق میں دعا کی۔ کہتے ہیں کہ اُس واقعے کے بعد چار سال تک وہ زومو اُسی طرح دودھ دیتی رہی۔ یہ زوموکا غیر معمولی فعل تھا کیوں کہ عموماً بلتستان کے زوموا اور گائے بچہ دینے کے زیادہ سے زیادہ دو سال تک دودھ دیتی ہیں، جسے بلتی زبان میں بیار (BAYAR) کہتے ہیں۔ کیوں کہ اُس عورت کی زومو چار سال بعد بھی دودھ دیتی رہی اور جس سال یہ واقعہ پیش آیا وہ بھی اُس کا بیر ہی تھا۔ اِس طرح پانچ سال مسلسل دودھ دیتی رہی، چناں چہ یہ غہ یار یعنی پانچ سال تک دودھ دینے والی مشہور ہوئی جس جگہ واقعہ پیش آیا تھا اَب اُس کا نام ''غہ یاری'' ہے۔ غہ کا معنی پانچ، یار کا معنی دودھ اور ری کا معنی چراگاہ یعنی پانچ سال تک دودھ والی چراگاہ۔(۳۲)

اس دورے کے دوران آپ موجودہ کندوس (KUNDOS) بھی گئے تھے۔ جہاں تھولدی اور برق کھور کے درمیان یولی فو کٹاشی نامی کسی آدمی نے آپ کو دعوت دی۔ موصوف نہایت بخیل

آدمی تھا، اُس نے ایک کتے کو ذبح کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اُس گوشت کو گھور گھور کر دیکھتے رہے۔ چناں چہ آپ کی کرامت سے وہ کتا زندہ ہو گیا اور بھونکتا ہوا بھاگ گیا۔ کچھ مدت کے بعد سیلاب آ گیا اور وہ جگہ اور یولی فوکٹا شی سمیت سب کو بہا کر لے گیا۔ اس وقت سے تا حال یہ جگہ غیر آباد چلی آ رہی ہے۔ (۳۳)

اِسی طرح مسجد حضرت امیر موضع پھڑاوا کی بنیاد آپ نے رکھی تھی، جو اَپنی نوعیت کی خوب صورت مسجد تھی۔ بدقسمتی سے یہ مسجد ۱۹۷۷ء میں آگ لگ جانے کی وجہ سے شہید ہو گئی ہے اور اُس کی بچی کھچی باقیات سے جدید عمارت بنا دی گئی ہے۔

ان علاقوں میں اشاعت اسلام کے بعد آپ سیاچن گلیشئر کے ذریعے ترکستان کے شہر یارقند پہنچے۔ یارقند میں اشاعت اسلام تو بہت پہلے ہو چکی تھی۔ آپ نے وہاں دین اسلام کو استحکام پہنچایا۔ (۳۴)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ وہاں سے ختلان (موجودہ تاجکستان کا ایک بڑا علاقہ) چلے گئے، جہاں آپ نے زمین خرید کر اَپنا گھر، مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کی تھی۔ غالباً اُن دنوں آپ کی اہلیہ اور بیٹے سید محمد ہمدانی بھی وہیں مقیم تھے۔

شاہِ ہمدانؒ دوبارہ بلتستان میں: ترکستان اور ماوراءالنہر کے علاقوں میں ڈیڑھ برس کا عرصہ گزارنے کے بعد آپ رحمہ اللہ دوبارہ پھر بلتستان تشریف لائے۔ اس دفعہ آپ درّۂ قراقرم اور سیاچن کی بجائے درہ مضتاغ کو پار کرتے ہوئے۔ ۷۸۵ھ/ ۱۳۸۳ء میں شگر کے موضع برالدو پہنچ گئے۔ میر نجم الدین ثاقب نے اسے یوں نظم کیا ہے:

ازاں بعد براہ بر الدو شگر
بہ سال کہ یک ہا وذال ودومیم
غوری تھم کہ بد نام شاہِ شگر
نصیب شد باسلام زفضل کریم (۳۵)

یعنی ۷۸۵ ہجری میں شاہِ ہمدان برالدو کے ذریعے شگر پہنچ گئے اور وہاں کے بادشاہ غوری تھم کو دین اِسلام قبول کرنا نصیب ہوا۔

پہلی آمد کے موقع ۷۸۳ھ/ ۱۳۷۱ میں جن دو مسجدوں کی آپ نے بنیاد رکھی تھی وہ مکمل ہو گئی تھیں، چناں چہ آپ نے اُنھیں اپنا مرکز بنایا اور شگر کے تمام علاقوں میں دین اسلام کی اشاعت فرمائی۔ ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا کام بھی جو دَورانِ سفر بھی جاری رہتا تھا کرتے رہے۔ مؤرخین کا اِس ضمن میں بیان ہے: ''اسی دورے کے دوران میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ

نے شگر خاص سے نالہ برالدو و باشہ تک اسلام پھیلایا۔ مسجد امبوڑک اور مسجد چھ برونجی تعمیر کرائی ۔اسی دوران اپنی کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' اور ''المودۃ القربیٰ'' مکمل کیں۔''

قیام شگر کے دوران مسجد چھ برونجی مکمل کرائی اور اُس کی دیواروں پر سورۂ مزمل کو بخط جلی سیاہی سے تحریر فرمایا۔ دروازۂ شرقی سے شروع کر کے چاروں طرف چکر دے کر اُسی جگہ ختم کر دیا۔ مولوی حشمت اللہ کے دوران وزارت تک یہ تحریر موجود تھی۔(۳۶)

مورخین بلتستان کا اتفاق ہے کہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے قیام شگر بلتستان کے دوران اپنی دو کتابیں ''المودت القربیٰ'' اور ''ذخیرۃ الملوک'' تصنیف کی ہیں۔(۳۷)

اِس سلسلے میں اس حقیر و فقیر کا خیال ہے کہ شاہ ہمدان نے اپنے دو دوروں کے دوران پورے بلتستان میں تقریباً ایک سال قیام کیا ہے۔ ایک سال میں ان دو کتابوں کو مکمل کرنا ممکن نہیں، لامحالہ یا تو اِس دوران اُن کتابوں کی تحریر و تسوید کا سلسلہ جاری رہا ہوگا یا اُن کی نقلیں تیار کرائی ہوں گی۔ اِس بات کی اِس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ اس کتاب کے کئی نسخے بلتستان میں موجود ہیں۔ نیز برٹش میوزیم اور برلن میں موجود دونوں نسخوں کا کاتب بھی بلتستان ہی کے خطاط میر عبداللہ عراقی شگری ہیں۔

قیام شگر کے بعد آپ اس دفعہ تھلے لا کی بجائے کریس کے راستے خپلو تشریف لے گئے۔ تھوڑا عرصہ خپلو اور اُس کے مضافات میں گزارنے کے بعد چھور بٹ تشریف لے گئے۔ چھور بٹ میں ٹیاقشی میں آپ کا بدھ لاما سے مقابلہ ہوا۔ لاما اَپنے سحر و اِستدراج کی بنا پر فضا میں پرواز کر گیا۔ حضرت امیر ایک دامن کوہ میں بیٹھ کر مناجات خداوندی میں مصروف ہوئے اور اپنی دونوں جوتیوں کو ہوا میں اُچھال دیا، وہ جوتیاں فضا میں بلند ہوئیں اور لاما کے مقابل پہنچ کر اُس کے دونوں رخساروں پر یکے بعد دیگرے پڑنے لگیں، تا آں کہ بہ ذلت و خواری اُس کو نیچے اُترنے پر مجبور کر دیا۔(۳۸)

وہاں سے آپ لداخ گئے جہاں مسجد شاہ ہمدان شیئے کی بنیاد رکھی اور پھر کشمیر کا رُخ کیا۔ یہ آپ کا آخری سفر بلتستان تھا۔ آپ نے اپنے معتقدین اور یہاں چھوڑے جانے والے مرید ساتھیوں کو نصیحت فرمائی جسے کسی عقیدت مند نے یوں نظم کیا ہے۔ مریدوں نے اِن الفاظ میں اِستدعا کی:

شگر تا بچھور بت مر ید ان او
عر ض کر د ہر یک مر ادان باو
کہ یا پیر ما ر ا نصیحت بکن
زادنا س و آثام منز ہ بکن

شگر سے چھور بٹ تک پھیلے ہوئے مریدوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پیر و مرشد! ہمیں نصیحت فرمائیں اور گناہوں کی آلودگیوں سے ہمیں پاک و منزہ کریں۔

یہ سن کر میر علی ہمدانی علیہ الرحمہ اپنے مریدوں کو اِن الفاظ میں نصیحت فرماتے ہیں:

قناعت گزینید میا زار ناس
خصوصًا باکل و شرب و لباس

دگر آں کہ سستی بر امر دین
مباش و مشوخوش برھم چنین

ازان بعد تاکید بر ذکر کرد
بہ بینای مسجد ترغیب کرد

قناعت بہر حال اولیٰ بود
بقانع رضاہای مولیٰ بود

و لیکن بعلم و رضای خدا
قناعت گزیدن باشد خطا

بدامانِ عالم بگیر استوار
ز عالم بود دین و دنیا قرار

زعالم ہمان کس عالم بدا
کہ علمش جسد شد تقوی روان

ز علم رسو می قانع مشو
بنفس و ہوایت تابع مشو

باذکار و اوراد و صوم و صلوۃ
بہ تسبیح و تہلیل و فطر و زکوٰۃ

بحلم و حیا و صبر و شکور
بجوئید ہمیشہ رضای غفور

ز ظلم و زنا و کذب و دغا
زا نمام و غیبت صبح و مسا

بباید حذر پس بباید حذر
خود و دیگران از دخت و پسر
ہمیں پندہای چون در بگفت
ھمان سا ل اسپش بکشمیر بر فت (۳۹)

اِن پندونصائح کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔علم اور رَضائے الٰہی کے حصول کے سوا باقی تمام اُمور میں قناعت گزینی اختیار کی جائے، تعلیم اور خوشنودیٔ مولیٰ تعالیٰ کے سلسلے میں قناعت اختیار کرتے ہوئے ناخواندہ اور غافل رہنا فاش غلطی ہے۔

۲۔لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور ہر کسی کی دل شکنی اور دل آزاری سے پرہیز کیا جائے۔

۳۔کھانے پینے اور لباس کے معاملے میں فضول خرچی کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کنجوسی سے کام لو۔

۴۔دینی معاملات اور مذہبی احکامات کے معاملے میں سستی کا مظاہرہ نہ کیا کرو، اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہوا جائے۔

۵۔ذکر وفکر میں مواظبت اختیار کی جائے اور مساجد جا بجا تعمیر کی جائیں۔

۶۔ہر چیز میں قناعت اَولی ہے، مرضی مولیٰ اُسی سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر علم کے معاملے میں قناعت خطائے محض ہے۔

۷۔علم اور عالم دین کے دامن سے وابستہ رہنے میں دین و دنیا کی بھلائی ہے، مگر عالم وہ ہے جس کا جسم علم اور رُوح تقویٰ ہو۔

۸۔روحانی علوم سے کبھی قانع نہیں ہونا چاہیے، اسی طرح نفس و ہوا کے تابع بھی کبھی نہیں ہونا چاہیے۔

۹۔ذکر واَوراد ائے صوم وصلاۃ، تسبیح وتہلیل اور زکاۃ وفطرہ وغیرہ میں مصروف رہے۔

۱۰۔حلم وحیا اور صبر وشکر کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

۱۱۔ظلم وستم، بے شرمی و بدمعاملگی، کذب ودغا اور غیبت وغیرہ سے ہر وقت بچا رہے۔

شاہِ ہمدان مریدین کو نصیحتیں کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ تم خود اِن پر عمل کرو اَور اپنی اولاد کو بھی اِن پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرو۔

بلتستان اور مضافات بلتستان میں اشاعت اسلام کے بعد آپ کشمیر چلے گئے۔ سری نگر

سے بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے روانہ ہوئے اور پکھلی (موجودہ نام نوکوٹ واقع ضلع مانسہرہ) کے مقام پر پہنچے جو اُن دنوں ولایت پکھلی کا دارالحکومت تھا، وہاں کا حاکم سلطان محمد شاہ، شاہِ ہمدان کا انتہائی عقیدت مند تھا، اُنھوں نے کچھ دن وہاں ٹھہرنے کی درخواست کی، اُن کی استدعا پر آپ وہاں ٹھہر گئے، اسی دوران بیمار ہوئے اور ۶/ذوالحجہ بروز جمعرات ۷۸۶ھ/۱۹ جنوری ۱۳۸۵ء مالک حقیقی سے جا ملے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

ہمیں معلوم ہے کہ ۷۶۶ھ میں اُن کے مرشد شیخ محمود مزدقانی کی وفات کے بعد شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے ہمیشہ کے لیے ہمدان کو خیر باد کہا اور ۷۷۴ھ میں مستقلاً ختلان منتقل ہو گیا، اُسے مرکز بنا کر گردونواح کے علاقوں کے غیر مسلموں میں اشاعت اسلام اور مسلمانوں میں اثر و نفوذِ اسلام کی تحریک چلائی۔ شاہ ہمدان کے اَعزہ اور نامور مریدین پورے علاقے میں پھیل گئے جنھوں نے اُن علاقوں میں ایک انقلاب بپا کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں اشاعت و ترویج اسلام کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر و رُسوخ بڑھ گیا، امیر تیمور کی مزاحمت اور رُکاوٹیں بھی شاہ ہمدان کی تحریک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں۔

شاہ ہمدان رحمہ اللہ تین بار کشمیر آئے۔ پہلی بار ۷۷۴ھ میں ماوراء النہر (ترکستان) سے براستہ بلخ و بدخشان بعہد سلطان شہاب الدین آپ کشمیر آئے۔ چند ماہ تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہے اور اُسی راستے ماوراء النہر واپس گئے۔ دوسری بار ۷۸۱ھ میں ماوراء النہر سے کشمیر اور کشمیر سے لداخ و بلتستان کے راستے ماوراء النہر واپس گئے اور تیسری بار ۷۸۵ھ میں ماوراء النہر سے بلتستان و لداخ کے راستے کشمیر وارد ہوئے، اُن دنوں کشمیر اور ماوراء النہر آنے جانے کے راستے پکھل و بدخشان یا لداخ و بلتستان سے گزرتے تھے۔ اسی دوران اُن علاقوں کے حکمرانوں سے شاہِ ہمدان کے دینی و رُوحانی تعلقات قائم ہوئے جن کی درخواست پر عظیم الشان کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' ۷۶۶ھ سے وفات شاہِ ہمدان ۷۸۶ھ کے درمیانی عرصے میں منصۂ شہود پر آئی۔ کیوں کہ سفر و حضر میں شاہ ہمدان کے ساتھ مریدین باوفا کی پوری جماعت ہوتی تھی اور ایک وقیع کتاب خانہ ساتھ ہوتا تھا، جس کا منتظم سید کاظم نامی کوئی مرید ہوتا تھا۔ دوران سفر مطالعہ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہتا تھا، شاہ ہمدان کے بیسیوں رسالے ایسے ہیں جو مختلف مریدوں کے سوالات کے جواب میں یا درخواست پر لکھا گیا۔ بتایا جاتا ہے شاہِ ہمدان مختلف لوگوں کو جو کچھ لکھ کر دیتے مولانا قوام الدین اُس کی ایک نقل تیار کر کے آفس کاپی کے طور پر رکھ لیتے تھے۔ بہر حال! اِس کتاب کی بلتستان میں تحریر و تسوید گویا اُس علاقے میں شاہ ہمدان کے مبارک ہاتھوں تصنیف و تالیف کے افتتاح کی حیثیت رکھتی ہے۔ اہل بلتستان کو بالعموم اور

نوربخشیوں کو بالخصوص شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے روحانی ورثے کے امین ہونے کے ناطے سے اِس کتاب کی قدر کرنی چاہیے۔

حواشی وتوضیحات

۱۔خلاصۃ المناقب،ص:۲۰۳
۲۔رسالہ مستورات بحوالہ احوال وآثار واشعار اَز میر سید علی ہمدانی،ص:۳۹
۳۔آثار شاہ ہمدان،ص:۲۶ بحوالہ شیخ محمد اسماعیل ساحلی
۴۔احوال وآثار واشعار اَز میر سید علی ہمدانی،ص:۴۱
۵۔ایران نامہ،ص:۱۶۳،کشمیر میں اشاعت اسلام،ص:۶۷
۶۔تحفۃ الاحباب،ص:۵۴۴،شاہ ہمدان کا بدھ لاماؤں کے ساتھ اسی سے ملتا جلتا واقعہ بلتستان کے خپلو اور ٹیاکشی اور چینی ترکستان کے یارقند میں بھی پیش آیا ہے،دیکھیے۔
۷۔ذکر شاہ ہمدان،ص:۹۷،تحائف الابرار،ص:۱۴
۸۔کشمیر، بلتستان، ترکستان اور اُن سے ملحقہ علاقوں میں اشاعت اسلام کی کوششوں کے سلسلے میں میری کتاب ''تاریخ بلتستان، جلد: اول اور اِبراہیم عبداللہ یوگوی کی تحقیقی کتاب ''بلتستان میں اشاعت اسلام کا تحقیقی جائزہ'' ملاحظہ فرمائیں۔
۹۔تاریخ کشمیر مسلم عہد،ص:۵۶،تاریخ کشمیر فوق،ص:۳۳۲
۱۰۔احوال وآثار واشعار اَز میر سید علی ہمدانی،ص:۵۲-۵۳،تذکرہ شعرای کشمیر،جلد: دوم، ص:۸۹۲-۸۹۳،تاریخ کشمیر مسلم عہد،ص:۵۶
۱۱۔مقدمہ چہل اسرار،ص:۳۹،خلاصۃ المناقب،ص:۱۸۱
۱۲۔ذکر شاہ ہمدان،ص:۵۰،تاریخ کشمیر فوق،ص:۳۳۲
۱۳۔صحیفۃ الاولیا اَز میر سید محمد نوربخش،ص:۷۴-۷۵
۱۴۔انسان نامہ از میر سید محمد نوربخش،ص ۷۴-۷۵
۱۵۔اِن کتابوں میں اہم ترین تحقیقی کتاب سیدہ اشرف ظفر کی میر سید علی ہمدانیؒ ہے، جنھوں نے سب سے پہلے شاہ ہمدان پر پی ایچ ڈی کیا ہے،اُن کے تحقیقی کتاب کی اشاعت کے بعد شاہ ہمدان کے بارے میں تحقیقی کاموں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔اُن کے بعد ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے زبردست کام کیا۔اِس موضوع پر اُن کی تین کتابیں اور کئی مقالے شائع ہوئے ہیں اور چند کتابوں کے تحقیقی متن اور کئی اُردو ترجمے بھی چھپ چکے ہیں۔تیسرے نمبر پر ڈاکٹر شمس الدین احمد آتے ہیں۔اُن کی کتاب ''شاہ ہمدانؒ: حیات اور کارنامے'' شاہ ہمدانؒ پر شائع ہونے والی

سب سے اہم کتاب ہے۔شاہ ہمدانؒ کی اولاد میں سید عبدالرحمن ہمدانی، آغا حسین ہمدانی اور پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی نے آپ کی حیات اور خدمات پر الگ الگ کتابیں لکھ کر شائع کی ہیں۔الحمدللہ! شاہ ہمدان پر سب سے زیادہ کام کرنے کا اعزاز اِس حقیر فقیر کو حاصل ہے۔

۱۶۔یہ کتاب اصل میں میر شمس الدین عراقی کی سوانح عمری ہے ضمنی طور پر یہ نویں و دسویں صدی ہجری کے دوران مسلک نوربخشیہ کی بہترین تاریخ ہے۔ یہ ۱۹۹۲ء میں پہلی بار برادرم محمد رَضا صاحب نے شائع کیا تھا۔ ۲۰۰۹ء میں یہ دوبارہ شائع ہوئی ہے۔اس کا فارسی تحقیقی متن ڈاکٹر غلام رسول جان نے سری نگر یونیورسٹی سے شائع کیا ہے جس کی اصل راقم کے پاس موجود نسخہ ہے۔

۱۷۔یہ کتاب مولوی صاحب کی یادداشتوں اور مختلف مسائل پر تحقیقات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے، جو اَب بھی شاید اُن کے نامور پوتے مولانا محمد اِسحاق کے پاس موجود ہوگی۔

۱۸۔یہ مولانا محمد علی مرحوم کی یادداشتوں پر مبنی ایک مسودہ تھا جو اَب بھی اُن کے بیٹوں میں سے کسی کے پاس موجود ہوگا۔اِن دونوں کتابوں کی اہمیت اِس لیے زیادہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ بڑے ثقہ عالم دین اور ذمہ دار تھے، جو بالترتیب جامع مسجد چق چن اور خانقاہ معلیٰ باقرپی گوند کے میر واعظ و امام تھے اُنھوں نے اِن واقعات کو مقامی لوگوں کی زبانی سن کر ضبط تحریر میں لایا تھا۔

۱۹۔بلتستان پر ایک نظر،ص:۱۲۵

۲۰-نورالمومنین،ص:۴۴۴

۲۱- بلتستان پر ایک نظر،ص:۴۶

۲۲-نسخہ مولوی ابراہیم

۲۳-نسخہ مولوی ابراہیم و مولوی علی

۲۴۔نسخہ مولوی ابراہیم و مولوی محمد علی

۲۵۔نسخہ مولوی ابراہیم اس خانقاہ میں مرکزی تھلے کے نوربخشی جمعہ قائم کرتے ہیں۔حال ہی میں اس کی توسیع ہوئی ہے اور اُس کی عالیشان عمارت مکمل ہوئی ہے، اُس کے پاس ہی دینی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ ''دارالعلوم نصرت الاسلام صوفیہ نوربخشیہ'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔

۲۶۔فونگ نق خپلو سکردو شاہراہ پر کھرفق کے بالمقابل واقع وسیع علاقے کا نام ہے، جو کالے رنگ کی بڑی بڑی چٹانی تودوں سے اَٹا پڑا ہے، غالباً یہ تودے کھرفق کے پہاڑ سے گلیشیر کے سبب ٹوٹنے والا ملبہ ہے۔ماضی میں موجودہ شاہراہ بننے سے پہلے خپلو سے بذریعۂ کریس سکردو و شگر یا بذریعۂ کھرمنگ کشمیر جانے والے یہیں سے گزرتے تھے۔

۲۷۔نسخہ مولوی ابراہیم

۲۸۔ مولوی ابراہیم، قراقرم ہندوکش، ص: ۲۰۳، چق چن اَصل میں شخ چن ہے، جس کا معنی منصف، انصاف کرنے والا اور عادل ہے کیوں کہ ماضی میں لوگ اپنے تنازعات کے لیے اس کی قسمیں کھاتے یا چق چن میں جا کر بیان دیتے تھے اور جس کے نتیجے میں حقدار کو اَپنا حق مل جاتا تھا اور ناحق اپنے کیے کی سزا پاتا تھا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے یہ شخ چن سے چق چن بن گیا۔ آج بھی اس مسجد کا تقدس و احترام برقرار ہے اور لوگ اس کی قسمیں کھاتے اور حقدار ہونا ثابت کرتے ہیں۔

۲۹۔ مکمل معلومات کے لیے دیکھئے تاریخی مسجد چق چن

۳۰۔ مولوی محمد علی

۳۱۔ مولوی ابراہیم

۳۲۔ ۱۹۸۴ میں سیاچن گلیشئر پر بھارتی پیش قدمی کے بعد پاک فوج نے بھی ان علاقوں میں پیش قدمی کی اور فوجی یونٹوں کی تعیناتی عمل میں آئی۔ چوں کہ یہ فوجی غیر مقامی تھے، چناں چہ اُنھوں نے غہ یاری کو رُومن انگلش میں GHAIARI لکھا، چناں چہ اب یہ ''گیاری'' کہلاتا ہے۔

۳۳۔ نور المومنین، ص: ۴۴۶، زاد الجنان، ص: ۱۶۴، مولوی ابراہیم۔ یہ جگہ اَبھی تک غیر آباد ہے۔

۳۴۔ تفصیل کے لیے مضافات بلتستان میں اشاعت اسلام کا باب ملاحظ فرمائیں۔

۳۵۔ نور المومنین، ص: ۴۴۴

۳۶۔۔ بلتستان پر ایک نظر، ص: ۴۶

۳۷۔ دیکھیے تاریخ بلتستان، ص: ۱۷۶

۳۸۔ تاریخ جموں، ص: ۵۷۹

۳۹۔ مولوی ابراہیم

کتابیات

۱۔ آثار شاہ ہمدان از مولوی محمد رضا، برات لائبریری، خپلو

۲۔ احوال و آثار واشعار از میر سید علی ہمدانی، ڈاکٹر محمد ریاض خان، باردوم، اسلام آباد

۳۔ انسان نامہ از میر سید محمد نوربخش/ غلام حسن حسنو لاہور

۴۔ ایران نامہ از ڈاکٹر گوہر نوشاہی، لاہور

۵۔ ''بلتستان میں اشاعت اسلام کا تحقیقی جائزہ'' ابراہیم عبداللہ یوگوی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۶۔بلتستان پر ایک نظر اَز محمد یوسف حسین آبادی
۷۔تاریخ مکمل کشمیر اَز محمد الدین فوق کاشمیری، مشتاق بک کارنر
۸۔تاریخی مسجد چق چن، غلام حسن حسنو ایم اے
۹۔تاریخ بلتستان، جلد: اول، بلتستان کی دینی اور رُوحانی تاریخ، غلام حسب حسنو ایم اے
۱۰۔تاریخ جموں، مولوی حشمت اللہ لکھنوی
۱۱۔تاریخ کشمیر مسلم عہد، ڈاکٹر صابر آفاقی، سنگ میل پبلکیشنز، لاہور
۱۲۔تحائف الابرار
۱۳۔تحفۃ الاحباب، محمد علی کشمیری، اردو ترجمہ اخونزادہ محمد رضا، باردوم، ۲۰۰۹ء
۱۴۔تذکیرۂ شاہ ہمدان از شیخ محمد اسماعیل ساحلی
۱۵۔تذکرہ شعرائے کشمیر، جلد دوم، پیر حسام الدین راشدی، اقبال اکیڈمی
۱۶۔چہل اسرار
۱۷۔ذکر شاہ ہمدان، فیض الحمن ہمدانی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور
۱۸۔رسالہ مستورات، حیدر بدخشی قلمی، ملکیت علامہ اقبال میموریل لائبریری، سری نگر، کشمیر
۱۹۔زاد الجنان، اخوند سلطان بلغاری (مخطوطہ)
۲۰۔زبدۃ المناقب اردو ترجمہ خلاصۃ المناقب، نورالدین جعفر بدخشی/سیدہ اشرف ظفر بخاری، ندوۃ اسلامیہ، کراچی
۲۱۔صحیفۃ الاولیا، میر سید محمد نوربخش (مخطوطہ)
۲۲۔قراقرم ہندوکش، منظوم علی
۲۳۔کشمیر میں اشاعت اسلام، سلیم خان، گمی، لاہور
۲۴۔میر سید علی ہمدانی، سیدہ اشرف ظفر بخاری، شاہ ہمدان پر اَولین تحقیقی تھیس پی ایچ ڈی
۲۵۔''میر سید علی ہمدانی حیات اور کارنامے'' ڈاکٹر شمس الدین احمد، سری نگر
۲۶۔مخطوطہ مولوی ابراہیم، یہ کتاب مولوی محمد ابراہیم مرحوم میر واعظ چق چن کی یادداشتوں اور مختلف مسائل وتحقیقات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے۔
۲۷۔مخطوطہ مولوی علی، یہ مولانا محمد علی مرحوم اور میر واعظ خانقاہ نوربخشیہ باقرپی گوند خپلو کی یادداشتوں پر مبنی ایک مسودہ ہے۔
۲۸۔نور المومنین، مولوی حمزہ علی خپلوی، مطبوعہ راولپنڈی

●●●

مولانا خورشید احمد قانون گو(۱)

شاہ ہمدانؒ بحیثیت سیاحِ عالم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل فہم کو زمین کے اطراف و اکناف میں اس وجہ سے سیر و سیاحت کرنے کی ترغیب دی، تاکہ عجائبات عالم پر تفکر، حصول علم، ملاقات اولی الالباب، خدمت خلق، فکر تعمیر اخلاقِ عالم، تدبیر منزل، سیاست، مدنیہ اطاعت گذار اور نافرمان لوگوں کی سرگذشتہ کی پوری واقفیت حاصل کر کے اپنی تخلیق و مقصد پر غور و فکر کرے کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا علیہا السلام کی زندگی بھی سیر الی الجنۃ و ہبوط فی الارض میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار حکمتیں پوشیدہ رکھی تھیں۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عالم عشق بے کنار ہے اور دُنیا کی سیر اُس کا پہلا قدم ہے، مثلاً:

در سیر سرِ عالم بے منتہائے عشق
گام نخست برسر ایں تنگنائے زند

انسان کا وجود بھی ایک عالم ہے بلکہ بعض صوفیائے کرام نے اُس کو ''عالم اکبر'' قرار دیا جس نے وجود کے اندر تمام منازل طے کرتے ہوئے منزل طمانیت تک پہنچایا، اُس نے مشاہدۂ حق کے سامنے بقیات کو ایک دانے کے برابر سمجھا اور دنیا کی کسی چیز نے اُن کو دھوکہ نہ دیا، منزل مقصود پانے کے لیے اور اِس طویل جدوجہد میں اُن کی استقامت روکنے میں کوئی چیز حائل نہ ہوئی۔ سفر و حضر میں صعوبتوں کا برداشت، لذت تلاش و جستجو میں تحمل کر کے فراموش کرنا۔ اُخوت و محبت دوران سیاحت عقائد دین، اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لیے سیاحت کا اصل مقصد ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کو اَپنے مرشد اولین نے بائیس سال کی عمر میں تکمیل رُوحانی کے بعد اُس سیر و سیاحت کا مکلف بنایا۔ اہل کشمیر بھی اس سیر و سیاحت کی وجہ سے مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت

---

(۱) صدر اَنجمن حمایت الاسلام، سری نگر، کشمیر

شاہ ہمدان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین بار رُبع مسکن کی سیر کی اور سیر رُوحانی کے بعد مجھے سیر جسمانی فی الارض کا حکم ملا۔

برہمائے قاف قربی بال ہمت برکشا
درفضائے لامکان باقد سیاں انبا ز شو

حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روحانی طور مجھے اِس سفر میں اپنے جدِ محترم حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود نگراں تھے، ہر مشکل کے وقت میری غیبی رہنمائی ہوتی تھی کیوں کہ اس سفر کا مقصد صرف خدمتِ خلق، تبلیغ اشاعت اسلام وشریعت مطہرہ کی ترویج تھی۔ اس سیر وسیاحت پر اگر طائرانہ نظر سے دیکھا جائے تو حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم سیر وسیاحت بشکل سیر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پھر تمام ہفت آسمانوں واُن کے ماورا کا مشاہدہ سے نوازا گیا اور یہ سیر وسیاحت بروح بجسد تھی اور انبیا میں سے کوئی بھی اُس مقام تک نہیں پہنچ سکا، اگرچہ انبیائے کرام کو بھی اپنے مرتبہ کے مطابق سیر وسیاحت ومعراج سے نوازا گیا، حضرت یونس، حضرت اویس، حضرت سلیمان علیہم السلام وغیرہ بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عجائبات عالم دیکھنے کی عزت بخشی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر زمین ومعراج عالم بالا میں تا قیامت عجائبات عالم احوال قیامت، جنت وجہنم کا مشاہدہ۔ اطاعت گزاروں کی عظمت نافرمانوں کی حالت زار دکھائی گئی، اسی طابع میں ایک مومن کو بھی سیر فی الارض کا حکم دیا گیا بلکہ صاحب استطاعت کے لیے زیارت کعبۃ اللہ کی فرضیت کے بعد اُس سفر محمود کا مقصد فلسفہ یہی ہے تا کہ رُبع مسکن کے لوگوں سے مل کر اپنی ملت کے لیے غور وفکر کر سکو گے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

جب حضور برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو اُس وقت ہزاروں صحابہ اقوام عالم میں تبلیغی غور وفکر کے مشن میں مصروف العمل تھے، خود صحابۂ کرام نے قوم ثمود، قوم عاد، اور بے شمار واقعات کا مشاہدہ کر کے فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَار کی آیت پر عمل کیا، تا کہ ایک انسان ہمہ وقت اپنے ظاہر وباطن کے فساد واِصلاح سے باخبر رَہے۔ تصوف کے عالم میں سب سے پہلے سبع اطوار کی سیر کرنا ضروری ہے تا کہ ایک انسان جو کچھ بھی سیاحت عالم میں دیکھے اس پر پوری غور وفکر کرنے کی صلاحیت حاصل ہو، حضرت علامہ خاکی رحمہ اللہ دستور السالکین میں پوری وضاحت کے ساتھ بحث کرتے ہیں، طور نفس، طور دل، طور سر، طور نیستی، طور رُوح، طور خفی اور طور غیب الغیب پر ید طولیٰ کا جوہر پا کر اِنسانی کیفیات طے زمان طے لسان اور طے مکان سمجھ سکتا

ہے کیوں کہ سیر وسیاحت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ لمبے سفر کو اَپنے حکم سے قلیل بھی کرتا ہے جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری حضرت آصف بن برخیا کو ستائیس سومیلوں کے طویل سفر کے باوجود تخت بلقیس کو ایک جھپک میں لانے کی استعداد بخشی گئی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر ہوائی کو طے زمان ومکان سے سرفراز کیا گیا تھا بعض اولیا کو اَپنے ملک کے اندر ہی اُس کے اطراف واَکناف کی سیاحت برائے تبلیغ وتعمیر اخلاق کے لیے مکلف بنایا جیسے کہ حضرت محبوب سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ بغداد میں، حضرت شیخ العالم کو کشمیر میں لیکن عالم اِسلام میں بہت سے علماے ربانیین واَولیائے عظام کو رُبع مسکن کی سیر کرنے کا موقعہ ملا۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کو اِس سیر وسیاحت میں ایک ممتاز حیثیت ہے اور اُس سیر وسیاحت میں تبلیغ خدمت خلق اور رِفاہی اعمال کو اَنجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بدخشان، ختلان، خطا چین، ختن کاشغر، سمرقند، تاشقند، تبت، ماوراء النہر، سراندیپ، مکہ، مدینہ، بغداد، شام، روم، ہندستان، افغانستان بالخصوص کشمیر کا سفر قابل ذکر ہے جہاں اُنھوں نے لاکھوں بنی نوع انسانوں کو دولت ایمان، علم دین، تہذیب وتمدن، ثقافت، صنعت وحرفت سے نوازا۔

ہمیں گویند سیر ربع مسکون
بصورت از دہ کرت کرد افزوں
بمعنی در نور دیدے بیکدم
ہمہ روئے زمین نہ آسمان ہم
تنش زیر زمین چسپیدہ اما
گرفتہ نور براوج نہ فلکہا

اس سیر وسیاحت کے دوران اُن کے ہمراہ عارف باللہ حضرت سید اشرف جہاں گیر سمنانی تھے۔ ’’لطائف اشرفی‘‘ میں آپ کے سیر وسیاحت کے واقعات قلمبند کیے گئے بلکہ اکثر جگہوں پر خود کی طرف اشارہ کر کے اِس طرح فرماتے ہیں کہ مجھ درویش کو آپ کے ہمراہ ایسے عجائبات عالم دیکھنے کا موقعہ ملا، عظیم صحراؤں کے حصوں میں اکابرین سے ملاقات کی توفیق نصیب ہوئی۔

یمن میں حضرت امام عبداللہ یافعی سے ملاقات کی، حضرت سلطان ابوسعید کے دربار میں چودہ سو (۱۴۰۰) اولیائے کبار سے ملاقات ہوئی بلکہ ’’اورادفتحیہ‘‘ کے اکثر کلمات اُنھیں مجالس سے حاصل ہوئے ہیں۔

سفر میں حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے حضرت شیخ ابوسعید معمر حبشی سے ملاقات کی جن کی عمر کافی لمبی تھی۔ اُنھوں نے زمانہ حضرت عیسی علیہ السلام پایا تھا، اُس وقت حضرت کی مجلس میں

موجود تھا، جب اُنھوں نے اپنی قوم کو بشارت حضرت محمد دے دی اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدار کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لمبی عمر کی اجابت دعا حاصل کی۔ حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی بلند نصیبی پاکر اُمت مسلمہ آل اطہار میں سے بلند پایہ کے مبلغین وداعیان اسلام کی بشارت سنی، اُن میں سے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ تھے جن کی ملاقات کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ ابوسعید معمر حبشی کو لمبی حیات بخشی (وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ) ختلان میں قریہ علی شاہ کو بارہ ہزار دینار میں خریدا اَور یہاں بطور شکرانہ نماز دوگانہ ادا کی، جب حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہو کر فرمایا: فرزند! یہ تمہاری آخری آرام گاہ مجھے بہت پسند ہے۔

کای ولد گرمرا بلاد عرب
جای آرام می نبود و طُرب
پس درین جا یکہ قرارم بود
مرقد خورد درین مزارم بود
ہست لازم ترا کہ اے فرزند
آوری برخود این مقام پسند

بدخشاں میں شیخ محمد عرب سے ملاقات کر کے حرزِ یمانی یعنی دعائے سیفی کی اجازت حاصل ہوئی جو یمن کے سفر کے دوران حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سکھائی اور تلقین فرمائی۔

سفر حج بیت اللہ کے دوران بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) دینار بحکم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوئے۔ جب محتاج افراد کے زادِ سفر پر سب خرچ کرتے اپنے لیے کچھ نہ بچا، روم پہنچ کر عیسائی پادریوں سے مجادلہ ہوا، اُنھیں دین اسلام کی دعوت دی تو اُنھوں نے شرط رکھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کے مانند ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے، کیا آپ ہمارے مُردوں کو زندہ کر سکتے ہیں؟ پھر عیسائیوں کے انتخاب پر ایک مقبرے سے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کہا تو مُردہ زندہ ہو گیا، اس طرح پوری جماعت مشرف بہ اسلام ہوئی۔

خطا چین میں حضرت سید برہان الدین ساغرجی سے ملاقات کی جو قطب زمان تھے اور اُن کے مقام قطبیت پر ایک ''رسالہ قندیہ:: لکھا، اِس کے علاوہ طوس میں شیخ جبرائیل کردی، شیخ شیخان نظام الدین غوری، شیخ ابوبکر طوسی وغیرہم سے ملاقات کی۔

مشہد میں حضرت امام موسیٰ رضا کے روضے پر بروح بجسد ملاقات کا شرف حاصل کیا،

بغداد میں حضرت شیخ جنید بغدادی کے مزار مقدس پر اُن سے بالمشافہ ملاقات کی، حضرت منصور حلاج کا ذکر بھی ہوا ہے۔ سرانديپ سری لنکا میں حضرت آدم علیہ السلام کے عکس پائے مبارک کی زیارت کی، اس کٹھن سفر میں حضرت شیخ نجم الدین احمد الکبریٰ نے رُوحانی رہنمائی وتربیت دی اور اِستغفار کے خاص کلمات سے نواز کر اُس ملک کی سیر وسیاحت کو سہل بنایا۔

بخارا میں پہنچ کر بادشاہ وقت کے دربار میں تین سو چوبیس (۳۲۴) وزراوامرا نے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور چار مہینے تک قیام فرمایا۔ ہندستان پہنچ کر حضرت مخدوم جہاں حضرت شیخ یحییٰ منیریؒ کے دربار میں قیام کرکے اُن سے دست بیعت حاصل کرکے روحانی فیض ومقام صمدیت حاصل کی۔ حضرت ابوالحسن علی ندوی نے تاریخ دعوت وعزیمت میں حضرت شیخ یحییٰ منیریؒ کو بحیثیت مجدد اِسلام پیش کیا ہے اور اُن کی گراں قدر خدمت پر سیر حاصل بحث کرکے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ بیت المقدس، اصحاب کہف کے غار کا بھی بغور مشاہدہ فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے زندگی بھر کبھی بھی عید اَپنے گھر میں نصیب نہیں ہوئی۔ پوری زندگی سیر وسیاحت میں بغرض تبلیغ واقامت دین میں صرف کی۔ اِن تمام سیر وسیاحت کے واقعات میں سب سے زیادہ دلچسپ لائق غور وفکر سفرِ کشمیر ہے۔

میر سید علی شہ ہمدان
سیر اقلیم سبعہ کرد نکو
شد مشرف را مقدمش پاکش
اہل آں شہر از و پدید است جو

پہلی دفعہ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ ۷۷۴ھ میں وارد کشمیر ہوئے جب سلطان شہاب الدین کی حکومت تھی۔ سلطان شہاب الدین ایک جرأت مند جنگجو اور پُر استعداد وصلاحیت کے سلطان گزرے ہیں جن کی مدح میں علامہ اقبال یوں فرماتے ہیں: ''خاک ما دیگر شہاب الدین نژاد'' اس بادشاہ وقت نے پانچ لاکھ فوج پیادہ اپنے ساتھ لے کر فیروز شاہ تغلق سے برسرِ پیکار رہا۔ ان ایام میں سلطنت کشمیر کی وسعت بلتستان لداخ کاشغر ختن تنگاح موی وغیرہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے بروقت مداخلت کرکے دونوں بادشاہوں کے درمیان صلح کرائی، بلکہ فیروز شاہ کی دو لڑکیوں کو حضرت سلطان قطب الدین اور اَپنے برادر سید بہادر حسن کے عقد نکاح میں لایا۔ اس طرح دلی سے ہی حج بیت اللہ کو چلے گئے۔ حضرت سید تاج الدین ہمدانی سے حسین سمنانی کو کشمیر واپس بھیج دیا۔

دوسری بار حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ ۷۸۱ھ میں سات سو سادات کا روانِ اولیا لے کر

وارِدِ کشمیر ہوئے اور ڈھائی سال تک قیام فرمایا۔ ۷۸۳ھ کو ترکستان کے راستے واپس جا کر لداخ بلتستان و دیگر علاقوں میں تبلیغ کرتے ہوئے پھر ایک بار حج بیت اللہ کو نکل گئے۔

رشک گلزارِ ارم کشمیر شد
چوں مشرف از قدوم پیر شد

اور اَحکام شریعت اسلامی قوانین کا استحکام اجازت روحانی سے کشمیر کو منور فرمایا۔

تیسری بار حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے ۷۸۵ھ میں کشمیر کو اَپنے قدوم میمنت سے مشرف کیا اَور ۷۸۶ میں لداخ کے راستے سے واپس ہو کر پکھلی کے مقام پر بیمار ہوئے اور ۶/ذی الحجہ ۷۸۶ھ میں برزبان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصال کر گئے۔ اس طرح یہ عظیم سیر و سیاحت اختتام کو پہنچ کر جنت کے اعلیٰ علیین میں قرار کر گئی۔

●●●

ڈاکٹر محمد معروف شاہ

شاہِ ہمدانؒ کی بازیافت

دوستوویسکی نے اپنی شہرہ آفاق ناول The Brothers Karamazov میں اس بات کے کافی شواہد فراہم کیے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آج دنیا میں تشریف آور ہوں تو کلیسا اُنھیں قید کرکے اُنھیں خاموش رہنے کے لیے اقدام کرے گا، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کہانی اُنیسویں صدی کے کشمیر کے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے ورودِ مسعود کے متعلق بھی صحیح ہوسکتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جس کشمیر کو اُنھوں نے اپنے مقدس آنسوؤں سے سینچا وہ کشمیر آج موجود ہی نہیں ہے۔ اہلِ کشمیر اُن کو پہچاننے سے انکاری ہیں۔ اہل کشمیر کی اُن کے تئیں شدید جذباتی وابستگی کے باوجود میرا یہ اندیشہ کیوں ہے، اِس کی مختصر وضاحت اِس مضمون میں مطلوب ہے اور مجھے غلط ثابت کرنے کے لیے اَرباب اختیار کو بالخصوص اور عوام کو بالعموم کچھ اقدامات کرنے ہوں گے۔ ان الزامات کی فہرست سے چند اقتباسات پیش ہیں جو حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی طرف سے اہل کشمیر پر اُن کو اُن کے کام کو اور اُن کی علمی وراثت کو پسِ پشت ڈالنے کے مقدمے کے ذیل میں اربابِ حل وعقد کے سامنے پیش کیے جاسکتے ہیں:

ا۔ اہلِ کشمیر نے شاہ ہمدان رحمہ اللہ کو بھلا دیا ہے۔ شاہِ ہمدانؒ کی رحلت کے چھ سو سال سے زائد گزر جانے کے بعد بھی جب کہ ذرائع ابلاغ کے لاتعداد وَسائل میسر ہیں اور ہر سال کشمیر میں ہزاروں کتابیں شائع ہوتی ہیں، ہمارے پاس کلیات شاہِ ہمدان یا مجموعہ رسائل شاہ ہمدانؒ اپنی زبان یا تراجم کے ساتھ یکجا موجود نہیں ہے۔ نئی نسل کو شاہِ ہمدان کا نام پتا ہے، کام نہیں۔ اُن کے تجویز کردہ اجتماعی وظیفے ''اورادِ فتحیہ'' کے متعلق عقیدت اور علمی تعلق بہت کم ہے اور اَب اِس سلسلے میں عجیب قسم کی ''چہ میگوئیاں'' ہوتی رہتی ہیں۔ شاہِ ہمدانؒ کے نام پر کچھ ادارے، کچھ دکانیں یا سڑکیں تو ہیں لیکن اُن کے کام کی تعبیر و تفہیم کے حوالے سے ایک بھی بڑا اِدارہ نظر میں نہیں آ رہا

ہے۔لوگوں کوسلسلہ کبرویہ کے سرخیل حضرت نجم الدین کبریٰؒ اور شاہ ہمدانؒ کے دوسرے بڑے ممدوح شیخ اکبر کی عارفانہ بصیرت اور تفسیری کام اور دوسرے علوم جن میں Pneumatologyاور روایتی Astrology وغیرہ آتے ہیں کے بارے میں تحقیقی نظر تو کجا اجمالی تعارف بھی نہیں ہے۔ صنعت گری کیا چیز ہے اس کا روایتی تہذیب میں کیا مقام ہے اور کس طرح معاشیات ایک مابعد الطبیعیاتی اور دینیاتی سانچے کے ذیل میں ایک مختلف علم کے طور پر برتا اور جانا چاہیے، یہ سب ہمارے شعور کا حصہ ہی نہیں۔صنعت وحرفت کی بھی ایک مابعد الطبیعیات ہوتی ہے، کام عبادت ہے، وظیفہ ہے اور اُس کے ذریعے سے مقامِ احسان تک رسائی ممکن ہے۔ یہ باتیں ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتی ہیں۔شاہ ہمدانؒ کے نزدیک معرفتِ حق جو مابعد الطبیعیات کا موضوع ہے، پہلا یا بنیادی علم ہے اور اَہل کشمیر کو اُس علم کا اِس طور پر تعارف ہی نہیں کرایا گیا ہے۔ شاعری ہماری روایت کا ایک اہم جُز ہے کبار صحابہ سے لے کر ہمارے مدارس کے بڑے علما اور عوام میں ہردلعزیز صوفیا سب کے ہاں شاعری جُز ویست پیغمبری اور تعلیم و تعلم کا اہم وسیلہ رہا ہے لیکن نئی نسل میں شاعری محض تفنن طبع کا وسیلہ رہ گیا ہے اور اَیسا سمجھا جاتا ہے کہ اُسے حکمت وعرفان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے کشمیر میں اہل مدارس نے اسلام کی علمی وفکری ورُوحانی جہات کے تئیں وہ وابستگی اور گرم جوشی نہیں دکھائی جس کی وکالت سید السادات کا خاصہ ہے۔علم کلام، منطق، حکمت اور کچھ دوسرے علوم جو صدیوں سے مدارس کے نصاب میں بڑی سنجیدگی سے اور آزادانہ یا تخلیقی طور سے پڑھائے جاتے تھے، آج کم توجہی کے شکار ہیں۔عرفان اور حکمت واخلاق کے جامع تصوّرات اپنی تمام تر گیرائی اور گہرائی کے ساتھ مذہبی اور سیکولر دونوں طرح کے مدارس میں عدم توجہی کا شکار ہیں۔

شاہِ ہمدانؒ کو شایانِ شان طریقے سے پڑھنے والے اور پڑھانے والے شاید ہی کہیں پر ملیں گے۔ عام اہلِ کشمیر کو اُن کے بارے میں بہت ہی قلیل معلومات ہیں۔جن میں اقبال کے چند اَشعار، خانقاہ معلیٰ کی شکل وصورت ''اورادِ فتحیہ'' کے چند حصے اور کچھ واقعات وکرامات کا ذکر وغیرہ ہیں۔اُنھیں یہ نہیں معلوم کہ امیر کبیر کو اَمیرِ کبیر کیوں کہتے ہیں۔ ہمہ دان اور ہمہ دانی کے متعلق خود اُنھوں نے کیا نقطہ فرسائی کی ہے۔ کبروی سلسلے کی الگ پہچان کیا ہے وغیرہ۔

شاہِ ہمدان کا کشمیر مذہبی فرقہ پرستی میں اِس طرح اُلجھ گیا ہے کہ شاہ ہمدان کو اپنی تمام تر وسیع المشربی کے ساتھ قبول کرنے والے ڈھونڈنے پڑیں گے۔کشمیر میں تصوّف کے اکثر دعویداروں کو شریعت کے تئیں اُن کی شدید وابستگی کم ہی بھاتی ہے، اور جس طرح عام طور پر محفل سماع کا انعقاد ہوتا ہے یا قصّے کہانیاں اور مقامات کے بجائے احوال کی بحث کا چلن صوفیانہ محفلوں میں ملتا ہے،

شاہ ہمدان اُن کواَور وہ اِن کو کیا کہیں گے۔شافعی اور حنفی مسالک جس سلیقے کے ساتھ شاہ ہمدان کی زندگی میں گھل مل گئے تھے،اُس کی مثال آج کے کشمیر میں ڈھونڈیں تو بڑی دقت ہوگی۔اہلحدیث اور حضرات مقلّدین دونوں ایک دوسرے کو رَقیب سمجھتے ہیں جب کہ شاہ ہمدان کے ہاں یہ دونوں ایک دوسرے میں اور دونوں اُن میں گم ہیں۔اُنھیں امام ابنِ تیمیہ اور ابنِ عربی دونوں کا احترام ہے جب کہ یہاں شادی کے وقت یہ وابستگی فسخ نکاح کا موجب بن سکتی ہے۔آج کے کشمیر میں شاہ ہمدان پر اِعتراض کرنے والے یا اُن کی کتابوں میں بہت زیادہ مواد اِلحاقی ثابت کرنے والے بہت ملیں گے۔کچھ کو اُن کا ''فصوص الحکم'' پر کام اور اُن کی وجودی لے پریشان کرتی ہے اور کچھ کو اُن کا بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقی ہونا مخمصے میں ڈالتا ہے۔اُن کا زیارتوں پر حاضری دینا قابلِ مواخذہ یا کم اَز کم مزید اِنکوائری کا موضوع لگتا ہے۔قرآنی آیات کی صوفیانہ تفسیر جو اُن کے ہاں ہمیں پوری آب و تاب سے ساتھ ملتی ہے،علمائے ظواہر کے لیے جن کی تفاسیر کا زیادہ چلن ہے پریشان کُن ہے۔تصوّف کی مختلف اصطلاحات اور تصورات اپنے معروف معنی میں جس طرح اُن کے ہاں پائے جاتے ہیں (مثلاً قطب،کشف،الہام اور امام غزالی اور شیخ اکبر کے اہم صوفیانہ تصورات) ناقدین تصوف کے لیے شاہِ ہمدان کی قدو منزلت مشکوک بنا دیتے ہیں۔ شاہ ہمدان کو عالمی سطح پر متعارف کرانے اور اُن کے کام کی تفہیم و تعبیر کی سنجیدہ کوشش کی توفیق ابھی اہلِ کشمیر کو نہیں ملی۔

شاہِ ہمدانؒ پر جو تحقیقی کام ہوا ہے اُس کا بہت کم حصہ معیاری ہے۔اگر چہ اُن کے مصلحانہ، تبلیغی اخلاقی اور سیاسی فکر کے چند گوشے کسی حد تک موضوعِ بحث بن چکے ہیں،اُن کے کام یا فکر کے بنیادی ابعاد یا جہات پر کام جن کو فلسفیانہ یا حکیمانہ لہجے میں ہی engage کیا جا سکتا ہے، بڑی حد تک تشنہ ہے۔شاہ ہمدان سے ہم مکالمہ کریں تو کیسے کریں۔اُن کی مخصوص زبان،اُن کی روایت کا شعور،اُن کی شاعرانہ،حکیمانہ،محدثانہ،فقیہانہ،متکلمانہ اور عارفانہ جہات سب کا احاطہ کرنا ہمارے لیے روز بہ روز مشکل سے مشکل تر ہو رہا ہے۔اُن کے episteme کو جدید یا پسِ جدید حسیت سے مکالمہ کرانا بڑا مشکل کام ہے۔جدید فلسفیانہ یا فکری رویوں کے بارے میں کشمیری بہت عرصے سے بے اعتنائی برت رہے ہیں اور اَب بھی فلسفہ یا عرفان نظری کی تعلیم و تعلم کے لیے وسائل بڑی حد تک ناپید ہیں۔شاہِ ہمدان کی سب سے زیادہ معروف تصنیف ''ذخیرۃ الملوک'' کا صحیح مطالعہ اور اُس کا اسلام کی علمی روایت میں مقام متعین کرنے کے لیے فلسفہ سیاسیات کی جن گہرائیوں میں اُترنے کی ضرورت ہے اُس کے لیے غواص کہاں سے لائیں۔جولیس اِوولا،کارل شمٹ،لیوی

سٹراس، اِرک ووگلین اور جیارجیوا گامبن جیسے لوگوں کا بالاستیعاب مطالعہ ''ذخیرۃ الملکوک'' کے مطالعے کے حوالے سے کرنا پڑے گا۔ اہل کشمیر نے کیا اُس کا التزام کیا ہے؟

اگرچہ آج کی تاریخ میں اس مقدمے کا فیصلہ ہمارے خلاف صاف دکھائی دیتا ہے تاہم ایک دُو دہایوں میں تھوڑی سی توجہ سے ہم اپنا کیس اَز سرِ نو شنوائی کے لیے بھیج سکتے ہیں، مندرجہ ذیل اقدامات اس ضمن میں بارآور ثابت ہو سکتے ہیں:

۱۔ وقف بورڈ شاہِ ہمدان فیلوشپ شروع کرے جس میں ہر سال ایک لاکھ کی ۱۰ / فیلوشپس مدارس یا یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل باصلاحیت محققین اور ترجمہ کاروں کے لیے مخصوص رکھی جائیں، اُس سے دو تین برسوں میں ہی شاہ ہمدان کا دستیاب کام editاور ترجمہ ہو کر ایک جگہ ایک کثیر الجلد کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔

۲۔ اسی طرح کی ایک لاکھ کی دس فیلوشپس اُن کے کچھ اہم تصورات اور تقابلی مطالعے کے لیے مشخص کی جا سکتی ہیں۔ ہم دنیا بھر سے اِسکالرس کی جماعت ایسے ہی اور کچھ علمی کاموں کے لیے اَنگیج کرا سکتے ہیں۔

۳۔ فلسفہ اور سرّیت کی اعلیٰ سطح پر تعلیم اور تحقیق کے لیے فوراً اِقدامات کیے جائیں۔

۴۔ وقف بورڈ شاہِ ہمدان کے نام پر نہیں بلکہ اُن کے کام کی ترویج اور تحقیق کے لیے ایک عالمی مرکز بنائے جس میں عالمی شہرت کے حامل صفِ اول کے علما اور محققین کام کر سکیں۔

۵۔ شاہِ ہمدان کے مدوحین اور اُن کی دوسری جہات کی تفہیم کے لیے اس مرکز میں نجم الدین کبریٰ چیئر، شیخ اکبر چیئر، روایتی علوم چیئر وغیرہ قائم کی جائیں۔

۶۔ فلسفہ، سیاسیات، معاشیات، فنونِ لطیفہ اور مذاہبِ عالم پر اِسکالرشپس شروع کی جائیں تاکہ اعلیٰ سطح پر شاہِ ہمدان پر کام کرنا ممکن ہو سکے۔

۷۔ ہر ضلع میں، ہر بڑے اسپتال کے اردگرد مسافروں کے لیے رہنے اور کھانے کا انتظام کیا جائے۔

۸۔ عالمی سطح کا ایک مدرسہ یا دارالعلوم بنایا جائے جو اِسلامی علوم پر تدریسی کے بجائے تحقیقی کام کے لیے وقف ہو۔

۹۔ فکرِ شاہ ہمدانؒ کی تعبیر و تشریح کے لیے ملک و بیرونِ ملک سے ماہرین بلائے جائیں۔

۱۰۔ نئی نسل کو سیکنڈری اور ہایر سیکنڈری سطح پر شاہِ ہمدان کی اہم تحریروں کے اقتباسات سے اُن کے نمائندہ کام کا تعارف کرایا جائے۔

۱۱۔ بیوروکریٹس اور اہلِ سیاست governance کے حوالے سے شاہِ ہمدان کے کچھ اہم نقاط کا سنجیدہ مطالعہ کرنے کے لیے آمادہ کیے جائیں۔

۱۲۔ ہر کشمیری کم اَز کم ''منہاج العارفین'' اور کچھ رسائل اور ''ذخیرۃ الملوک'' کے کچھ ابواب کا مطالعہ ضرور کرے اور اُس کے لیے ایک یا دُو دن ہی کافی ہیں، اگرچہ ایک عمر بھی اُن پر غور وفکر کرنے کے لیے کم ہے۔

۱۳۔ کم اَز کم سال میں ایک سیمینار یا نشست ایک ہمدانی رسالے کی textual study کے لیے وقف کی جائے۔

۱۴۔ ہر سال شاہِ ہمدان کے کام اور تصوُّرات پر حکیمانہ اُسلوب و انداز میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا سے مضامین لکھوائے جائیں۔

۱۵۔ Essential Shah-i-Hamdan کا مختصر ایڈیشن تیار کیا جائے۔ اہل مدرسہ کو اِس سلسلے میں خصوصی طور پر شریکِ عمل کیا جائے۔

۱۶۔ ہم سب کو علمی، فکری، اخلاقی اور رُوحانی استعداد کی سطح بلند کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ شاہِ ہمدان کے لائق مرید بن سکیں اور اُن کی عارفانہ اور حکیمانہ کتب یا رسائل کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور دین و دنیا کی بہتری کی طرف گامزن ہو سکیں۔

●●●

غلام رسول دہلوی
مترجم: میر اِمتیاز آفریں

شاہ ہمدانؒ اور اُن کی مذہبی فکر

اہالیانِ کشمیر اَوّلاً اِسلام کے فروغ کے حوالے سے اور ثانیاً ثقافتی جہتوں کی نشوونما کے لیے شاہِ ہمدان امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقروض ہیں۔ شاہِ ہمدان نے اپنے رسالہ ''وجودیہ'' کے ذریعے اور اِبن عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کے حوالے سے ''فصوص الحکم'' اور ''الانسان الکامل'' کی شروحات تحریر فرمائیں۔ دیکھا جائے تو موجودہ جنوبی ایشیا میں، شاہِ ہمدان کی تصانیف اور تعلیمات سے علم وعرفان کے کئی چشمے پھوٹے ہیں۔ شہمیری خاندان کا ابتدائی دور یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ اُس میں وسطی ایشیا سے صوفیائے کرام کی ایک بڑی جماعت خصوصاً شیخ سیدعلی ہمدانی وارِدِ کشمیر ہوئے۔ اُنھوں نے کشمیر میں اسلام کی نشوونما میں بہت اہم کردار اَدا کیا اور یہ اُن ہی کا فیضان ہے کہ ''کشمیر پیرواری'' کے نام سے معروف ہوئی۔ شاہِ ہمدان کو ''اَمیر کبیر'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اور آپ کبرویہ سلسلے سے تعلق رکھنے والے چودھویں صدی عیسوی کے ایک عظیم صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ شاہِ ہمدان نے اپنی شاعری کے ذریعے خالق حقیقی اور اِنسان کے درمیان اُنس ومحبت کے والہانہ ربط کا اظہار کیا ہے اور فرد کی رُوحانی نجات پر زور دیا ہے، لہٰذا ہمیں اُس سے نہ صرف محظوظ ہونا چاہیے بلکہ اُس سے رہنمائی بھی حاصل کرنی چاہیے۔

شاہِ ہمدان کی شاعری انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو چھوتی ہے۔ یہ ہمیں زندگی کے عظیم اُصولوں سے متعارف کرواتی ہے اور فلسفہ حیات سے واقف کراتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عظیم مسلمان فلسفیوں کے زُمرے میں ایک منفرد جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ اُنھوں نے کشمیر میں اِسلام کو پھیلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے وادیٔ کشمیر میں مختلف علوم وفنون اور ثقافت وحرفت کے فروغ میں خاص رول ادا کیا اور تیار کیا اور ایران سے مختلف ماہرین،

دستکاروں اور صنعت کاروں کو بلا کر کشمیر میں اپنا فن پیش کرنے پر اُبھارا جس سے کشمیر میں ایک عظیم سماجی، ثقافتی اور معاشی انقلاب برپا ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ ۷۰۰ ر قابل اور باہنر ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے اور قالین بافی اور شال بافی کی صورت میں یہاں کے لوگوں کو ایک بہتر روزگار سے متعارف کرایا۔ ان باصلاحیت دستکاروں نے مقامی آبادی کو پشمینہ، ٹیکسٹائل اور قالین سازی کے رُموز سکھائے۔ ٹیکسٹائل صنعت میں اُن کی فعال شمولیت اور حمایت سے ریاست جموں و کشمیر خصوصاً لداخ کو زِیادہ فائدہ ہوا ہے۔ کشمیر میں ٹیکسٹائل انڈسٹری کی نشوونما نے اُن کی اہمیت میں اضافہ کیا، جس سے کشمیر سے لداخ کی طرف ہجرت کا رجحان پیدا ہوا، اُس کے نتیجے میں کشمیری مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد لداخ میں آباد ہوگئی اور اُنھوں نے وہاں لکھنے اور سکّے بنانے کا فن متعارف کیا۔ (جیکولین، ۲۰۰۸)

شاہِ ہمدان نے مختلف دستکاری سرگرمیوں کے فروغ میں اہم رول ادا کرتے ہوئے اُسے گھر گھر پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ اِس قسم کی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے باہنر اَفراد کی اَشد ضرورت تھی اور نتیجتاً سماج کے ایک بڑے حصے کو بہتر رُوزگار فراہم ہوا۔ حالاں کہ اُصولی طور پر ایک صوفی ہونے کی وجہ سے آپ اُمورِ دنیا کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے اور چھوٹی عمر سے ہی دنیوی معاملات کو ترک کر کے آپ نے اِسلامی تصوف کی آغوش میں پناہ لی تھی۔

اِسلامی علوم کے حصول اور تصوف میں کمال حاصل کرنے کے لیے آپ نے ابتدائی دور میں اپنے ماموں جان سید علاؤالدین سمنانی سے اکتسابِ فیض کیا جو کبروی سلسلے سے تعلق رکھنے والے ایک عظیم روحانی بزرگ کے طور پر تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ میں تصوف سے عملی رہنمائی حاصل کر کے داخلی اَفزودگی کے ساتھ ساتھ ہمہ گیر اِسلامی تعلیمات کی طرف خاص رجحان دیکھنے کو ملتا ہے۔ ابنِ عربی کے فلسفے پر بطور شارح شاہِ ہمدان کے کام نے اُنھیں جنوبی ایشیا کی ایک مشہور و معروف شخصیت بنانے میں کلیدی رول ادا کیا۔ اُنھیں جنوبی ایشیا میں اِبن عربی کے فلسفے کو پیش کرنے کا خصوصی اِعزاز حاصل ہے۔ معاشرتی، مذہبی اور معاشی میدانوں میں تنظیم سازی اور اِسلام کے بارے میں اُن کے متوازن نظریات قوموں کی باہمی رسا کشی کے درمیان ایک اُمید اَفزا علامت ہے۔ آج بھی اُن کا شمار اُن عظیم مصلحین میں ہوتا ہے جنھوں نے تلاشِ حق کے لیے معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے کا سفر کیا۔ (ارمٹراوڈ، ۱۹۹۷) اُنھوں نے چین، افغانستان، شام، ازبکستان اور ترکستان (نجفی، ۲۰۰۵) سمیت دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی تبلیغ کی۔ اُنھوں نے ہی کشمیر میں اسلام کو زِندہ کیا تھا۔ اپنی تحریروں اور حکمت عملی سے جس طرح اُنھوں نے دعوت دین کا کام کیا اُسے مسلم علما و دَانشوروں اور قرونِ وسطی کے نامہ نگاروں نے پوری دنیا میں بے حد سراہا۔ ہر جگہ اُن

کا احترام کیا جاتا ہے اور اُن سے محبت کی جاتی ہے۔ اپنی کتاب ''ہفت اقلام'' میں امیر اَحمد رازی لکھتے ہیں کہ شاہِ ہمدان نے تین مرتبہ دنیا بھر کا سفر کیا اور چودہ سو (۱۴۰۰) اَولیاءاللہ سے ملاقات کی۔ (راوَ، این ڈی)

شاہِ ہمدان کی نظر میں اِسلام کی غلط تعبیر اور اُس کی آڑ میں لوگوں کے ساتھ غلط سلوک کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اُنھوں نے ایسی تمام سرگرمیوں کے خلاف حرفِ احتجاج بلند کیا جو اِنسانیت کی اخلاقی بربادی کا باعث ہیں۔ وہ اسلام کے بنیادی اُصولوں سے بخوبی واقف تھے، اور یہاں تک کہ دنیا کے مختلف حصوں میں اپنی تبلیغ کے ذریعے بھی اُس کو آگے بڑھاتے رہے۔ تخلیق کے بارے میں اپنے بہتر فہم کی بدولت، آپ نے عالم انسانیت کی فلاح اور اُسے صحیح راستے پر رکھنے کے لیے ایمان کی افادیت اور خالق کائنات کی فرماں برداری پر خصوصی زُور دیا۔ اسلام کے ساتھ آپ کی بے پناہ عقیدت و وابستگی اور خدا کی بارگاہ میں آپ کی خود سپردگی کا اَندازہ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں سے کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ دورِ حاضر میں شاہِ ہمدانی مذہبی فکر پر اَز سرِ نو نظرِ ثانی کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، کیوں کہ آپ نے نہ صرف اسلامی تعلیمات پر بذاتِ خود من وعن عمل کیا بلکہ آزادانہ طور پر اِسلام کی آفاقی اقدار اَور اُس کے اصولوں کا دفاع کیا۔

فلسفے میں انسانی زندگی کی حقیقت اور اُس کے ساتھ منسلک رویوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تہذیبوں کا عروج و زوال اِس بات پر منحصر ہے کہ وہ سماجی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی حوالوں سے اپنے مذہبی فلسفے کو کس طرح سمجھتے ہیں اور اُس کی کیا تعبیر کرتے ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہ تمام اقوام زوال کی شکار ہوئیں جنھوں نے مذہب اور عظیم رہنماؤں کے افکار و نظریات کو نظر اَنداز کر دیا۔ پچھڑی ہوئی اقوام اور خاص طور پر جنوبی ایشیائی ممالک کو اَپنے سماجی، قانونی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی مسائل حل کرنے کے لیے شاہِ ہمدان کے نظریات پر غور و خوض کرنا چاہیے اور اُن کی روشنی میں درپیش مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

عالمِ اِسلام کو مسلم دشمن مغربی اقوام کے پھندوں سے باہر نکل کر اُن کے اِستحصالی عزائم کا اپنی داخلی قوت سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شاہِ ہمدان جیسی عظیم شخصیات کے نقوشِ قدم ہمارے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ضرورت اِس بات کی ہے کہ مسلم صوفیا کی تصانیف پر جدید اَسالیب میں تحقیق کی جائے اور عالم انسانیت کو اِس گراں قدر سرمایہ سے روشناس کرایا جائے کیوں کہ یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے دُور دَراز مقامات تک اپنے کردار اَور حکمت سے دعوتِ دین کا کام خوش اُسلوبی

سے اَنجام دیا۔

حوالہ جات

۱۔ بارزگر: کریم نجفی (۲۰۰۵): تیموری اور صفوی دور کے دوران فکری تحریکیں

۲۔ فیوکس، جیکولین ایچ (۲۰۰۸): شاہراہ ریشم کے ساتھ منسلک تجارت اور عصری سوسائٹی

۳۔ رفیع آبادی، حمید نسیم (۲۰۰۳) ''عالمی مذاہب اور اسلام: ایک تنقیدی مطالعہ''

۴۔ راؤ، وی ایس: کشمیر کی ایک تاریخ (۱۹۴۷) تک

۵۔ اسٹیلر یکٹ، ارمٹراوڈ (۱۹۹۷): حال میں ماضی

●●●

یعقوب محمد براہوی([1])

شاہِ ہمدانؒ سے منسوب آثار،تحریفات اور اُن کے اثرات

حضرت سید علی ہمدانیؒ ابن شہاب الدین جنھیں اہل کشمیر و پاکستان شاہِ ہمدان، مخدوم کشمیر اور اہل بلتستان حضرت امیر کبیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ راقم ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ انوار پر حاضری کے لیے تاجکستان پہنچا تو معلوم ہوا کہ اہل کولاب آپ کو حضرت امیر جان کہتے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں آپ کو سید السادات، سالارِ عجم کے القابات سے یاد کیا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے کشمیر و بلتستان کے علاقوں میں مختصر قیام کے دوران ظلمت میں گھرے ہوئے ہندومت اور بدھ مت کے باسیوں کو نورِ اسلام سے منور کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس خطے میں بسنے والے تمام مسلمان مسلکی قیود سے آزاد ہو کر حضرت شاہِ ہمدان سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ کشمیر و بلتستان کی مسجدوں سے ہر صبح آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف کردہ ''اورادفتحیہ'' با آواز بلند لاؤڈ اسپیکر پر سنائی دیتی ہے، اِن وادیوں سے گزرنے والے مسافر ہوں یا چرند و پرند ہر ذی روح ''اورادفتحیہ'' کی روح پرور آواز سے وجد میں آتا ہے۔ یہاں کی اکثریت ''اورادفتحیہ'' کی قاری ہے۔ ''اورادفتحیہ'' ہر زمانے میں یکساں مقبول و معروف رہی ہے۔ ترکی اور اُس کے سرحدی علاقوں میں اب بھی سلسلۂ کبرویہ ہمدانیہ عالیہ نوربخشیہ نقشبندیہ کے پیروکاروں کی کثیر تعداد ''اورادفتحیہ'' اور ''اورادعصریہ'' بلا ناغہ پڑھتی ہے۔ کولاب میں حضرت سعادت کے روضۂ انور پر حاضری کے دوران وہاں کے متولی سے معلوم ہوا کہ وہ گزشتہ ۲۰ ربرسوں سے ہر رُوز فجر کی نماز کے بعد روضۂ انوار پر بیٹھ کر ''اورادفتحیہ'' پڑھنے کا شرف رکھتے ہیں۔ تاجکستان کے دارالخلافہ دوشنبہ میں مسجد عثمان کے امام جو حضرت شاہِ ہمدان کے روضے پر حاضری کے لیے آئے

([1]) مدیر شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف، سویڈن

تھے، سے ملاقات ہوئی اور اُنھوں نے کہا کہ وہ سلسلہ نقشبندیہ سے بیعت ہیں اور حضرت شاہِ ہمدان سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں اِس لیے سال میں کئی مرتبہ روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور گزشتہ ۲۸/ برسوں سے ''اورادِ فتحیہ'' اور ''اورادِ عصریہ'' پڑھنا مستقل معمول بھی ہے۔

حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے پیروکاروں کے ساتھ دھوکہ وفریب بیسویں صدی کے آغاز میں حضرت شاہِ ہمدان کی تاریخ وصال اور میر سید محمد نور بخش کی ولادت سے ناآشنا، بلتستان کے ایک معروف شخص سید قاسم شاہ کھرکوئی نے تاریخی حقائق کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں۔ اُنھوں نے ایک صوفی بزرگ سے منسوب کتاب ''نور بخشیہ'' لکھ کر نگینہ پریس جالندھر سے شائع کی۔ موصوف کتاب ''نور بخشیہ'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی نے پہلے ''ذخیرۃ الملوک'' تصنیف فرمائی اور بعد میں رسالہ ''مودۃ فی القربیٰ'' لکھ کر اَپنی ہی کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' کو کالعدم قرار دیا، پھر آپ سلسلہ نور بخشیہ میں داخل ہو گئے۔

حالاں کہ تمام کتب تواریخ اور تذکروں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ ۷۸۶ھ کو بمقام کُنر وفات پا گئے۔ اُن کے وصال فرمانے کے ۹/ سال یعنی ۷۹۵ھ میں قہستان کے شہر قائن میں سید محمد نور بخش کی ولادت ہوئی۔ نومولود سید محمد کو شیر خواری، بچپن، لڑکپن، تعلیم وتربیت اور حضرت خواجہ اسحٰق ختلانی کے حضوری میں سخت ریاضت ومجاہدات کے تمام مراحل سے گزرنے اور سید محمد سے سید محمد نور بخش قہستانی بننے میں کم وبیش ۲۶/ سال کا عرصہ لگا۔ پھر شاید مرشد کریم کی شہادت کے بعد تحریک ''نور بخشیہ'' کا آغاز ہوا ہوگا۔ ایسے میں جو اِنسان دنیا میں آیا ہی نہیں اور اُس کی ولادت سے ۹/ سال قبل ملک عدم کی طرف رجوع فرمانے والے شاہِ ہمدان سلسلۂ نور بخشیہ میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟

حضرت شاہِ ہمدان کی تصانیف وتالیفات میں سے شہرہ آفاق ''ذخیرۃ الملوک'' واحد کتاب ہے جس کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں شاہِ ہمدان، علی ثانی کے ناموں سے معروف ہوئے۔ ''ذخیرۃ الملوک'' آپ کی مستند کتابوں میں سرفہرست ہے۔ ایسے میں یہ نظریہ کہاں سے آیا کہ آپ نے اپنی اس ضخیم کتاب کو کالعدم قرار دیا ہو؟

حضرت شاہِ ہمدان سے منسوب جعل سازی کتب ورَسائل کی صورت میں ہو یا خاندانِ ہمدانی کا لبادہ اُوڑھ کر، ہر زمانے میں آپ کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی بہت کوششیں ہوئی ہیں۔ جیسا کہ سرگودھا شہر سے منظور حسین ہمدانی نامی شخص خود کو حضرت شاہِ ہمدان کی اولاد ظاہر کر کے

بلتستان وارد ہوا۔ اُس نے وہاں اپنی شعبدہ بازیوں کے ذریعے جلد مقبولیت حاصل کی۔ مخلوط ذکر جلی کا انعقاد اَور دیگر غیر شرعی چیزوں کو رواج دیا، یہاں تک کہ اُس نے خود کو اِمام مہدی موعود کہنا شروع کیا۔ اُس کی بھیانک موت سے قبل تک اُس کے پیروکار ایک الگ فرقے کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ بلتستان میں اب بھی اُس فرقے کے پیروکار قلیل تعداد میں موجود ہیں۔

اِسی طرح سلجوقی اور عثمانی سلطنت کے سنہرے دور کی تاریخ پر بننے والی ترکش ڈرامہ سیریل میں شیخ ابو یوسف یعقوب ہمدانی کے کردار کو دکھایا گیا ہے لیکن ہمدانی کا نام سن کر سوشل میڈیا پر اُس کردار کو میر سید علی ہمدانی سے منسوب کر کے مضمون اور مقالات کے ذریعے تشہیر کیا جا رہا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔

دعوات صوفیہ: یہ کتاب عملیات و وظائف کا مجموعہ ہے جو بلتستان کے نوربخشیوں کے ہاں بے حد مقبول ہے۔ یہاں کے لوگ اُس کتاب کو حضرت شاہِ ہمدان کی مستند تصنیف مانتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اُس کے تمام اشاعتی نسخوں پر ''تصنیف اَز اَمیر کبیر میر سید علی ہمدانی'' تحریر ہے۔ حضرت شاہِ ہمدان کی دیگر کتب و رَسائل کے مخطوطات دنیا کے بیشتر مخطوطات والے کتاب خانوں میں دستیاب ہیں۔ لیکن ''دعوات صوفیہ'' بلتستان سے باہر کہیں بھی موجود نہیں ہے اور نہ ہی کسی محقق نے اُس کو شاہِ ہمدان کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اِس کتاب کے کم و بیش ۸۰/قلمی نسخے شاہِ ہمدان ڈیجیٹل لائبریری میں موجود ہیں۔ اُن میں کوئی بھی نسخہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ زیادہ تر نسخوں میں سفلی علوم کے طریقے اور تعویذ گنڈے شامل ہیں۔ اِس کے بارے میں محققین کا اتفاق ہے کہ اِس کتاب کا اَصل مصدر ''رسالہ اورادیہ امیریہ'' اَز میر سید علی ہمدانی تھا۔ لیکن فی زمانہ اُس میں تحریفات کرتے کرتے اب ایک ضخیم کتاب بن چکی ہے۔ اب اُسے ملا کی ڈائری کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اُس کتاب کے صفحہ نمبر ۲۹۵/میں زلزلے کے اسباب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ زمین کو یلہوت نامی ایک بیل نے اُٹھا رکھا ہے، جب وہ تھک کر زَمین کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر رکھتا ہے تو زمین کے کچھ علاقوں میں زلزلہ آتا ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی کئی مضحکہ خیز باتیں موجود ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ''دعوات صوفیہ'' کسی صورت حضرت شاہِ ہمدان کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ راقم کا اَصل وطن بلتستان ہے اور ایک نوربخشی گھرانے میں آنکھ کھولی اور میر سید محمد نوربخش کی روش پر عمل پیرا ہے، اِس لیے راقم کا اُن تحریفات پر لب کشائی کرنا محض تحریفات کا خاتمہ اور میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی اَصل تعلیمات کی طرف لوٹنا ہے۔

اَورادِ فتحیہ: ہم نے اَبھی تک ''اورادِ فتحیہ'' کے سیکڑوں قلمی نسخے دنیا بھر کے کتب خانوں

سے حاصل کیے ہیں۔ اُن میں کئی نسخے قدیم اور نادر بھی ہیں اور کچھ نسخوں کی کتابت میں سونے کا پانی بھی اِستعمال ہوا ہے۔ یہ تمام نسخے ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ البتہ! بلتستان سے جو نسخے ملے ہیں اُن سب میں سے خلفائے راشدین کے نام نکال دیے گئے ہیں۔ اِس سلسلے میں میرے ایک عزیز دُوست جو گزشتہ سال کورُونا وائرس (Corona Virus) کے باعث ملک عدم روانہ ہوئے۔ ایک بار اُن سے ''اورادفتحیہ'' کے بلتستانی قلمی نسخوں اور وہاں کے مروجہ ''اورادفتحیہ'' پر گفتگو ہوئی تو اُن کا کہنا تھا کہ خلفائے راشدین کا نام ''اورادفتحیہ'' میں نہیں ہے، میں نے پوچھا کہ آپ کے پاس اِس کا کیا ثبوت ہے؟ ہمارے پاس قدیم سے قدیم تر نسخے ہیں اُن میں کوئی فرق نہیں ہے، جب کہ صرف بلتستان والے نسخوں میں یہ فرق ہمارے لیے سوالیہ نشان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے بارے میں موجودہ نوربخشیوں کے خیالات اِس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ درآمدی عقائد ونظریات شامل ہونے کی وجہ سے ''اورادفتحیہ'' میں تحریف کی گئی ہے۔ اِس پر میرے دوست مرحوم ومغفور نے کہا کہ آپ ''اورادفتحیہ'' پڑھتے ہوئے اُن تینوں کے نام کو بھی ایک بار پڑھ کر دیکھیں، ایک دم ردہم (Rhythm) ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی ثبوت کافی ہے کہ اُن تینوں کا نام ''اورادفتحیہ'' میں نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ حضور والا! آپ نے صرف بلتستان والوں کے ''اورادفتحیہ'' پڑھنے کا انداز دیکھا ہے اِس لیے آپ کو ردم ٹوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آپ کی یہ دلیل نہایت کمزور ہے۔ چوں کہ اُس کو پڑھنے کے لیے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے کسی مخصوص انداز کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے کبھی کشمیر والوں کے پڑھنے کا انداز دیکھا ہے؟ یا پھر ترکی اور کردستان اور تاجکستان والے کیسے پڑھتے ہیں اُس کا مشاہدہ کیا ہے؟

شاہِ ہمدان ڈیجیٹل لائبریری میں ''اورادفتحیہ'' کے کچھ قلمی نسخے ایسے بھی ہیں جن میں ۱۲ر اماموں کے نام بھی شامل ہیں۔ دراَصل خطہ بلتستان قیامِ پاکستان سے ایک سال تک راجا گیری نظام کے ماتحت تھا اِس لیے اُن علاقوں کے راجاؤں نے اپنی رعایا کے عبادات وعملیات میں تفریق اور جہاں تک ممکن ہوا کتابوں میں من پسند تحریفات کو خوب رواج دیا اور عوام الناس کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا شروع کی کہ تم ہی حضرت شاہِ ہمدان کے اصل وارث ہو اَور تمہارے ہاں جو ''اورادفتحیہ'' اور دیگر تحریف شدہ شاہِ ہمدان سے منسوب کتب ورسائل ہیں وہی درست ہیں۔ باقی دنیا میں جو کچھ بھی شاہِ ہمدان سے منسوب مواد ملتا ہے وہ تحریف شدہ ہے۔ بلتستان میں موجود کتابوں میں تحریفات اور عوام کو شاہِ ہمدان کی تعلیمات سے ہٹانے میں ایک معروف نام سید علی کریسی کا ہے۔ وہ اپنی کتاب '' کاشف الحق'' میں لکھتے ہیں کہ بلتستان کے کریس، بلغار، خپلو اور شگر کے علاقوں کے نوربخشی عقائد اور اَعمال زیادہ تر اَہل سنت کے قریب تھے۔ یہاں کے علما

احیاءعلوم الدین، کیمیائے سعادت اورتفسیر حسینی کاشفی کے مطابق تبلیغ کرتے تھے۔

سیدعلی کریسی مزید لکھتے ہیں کہ میں نے سید محمد شاہ کو وضو کرتے وقت پاؤں کو دھوتے دیکھا تو اَپنے بھائی سید مختار کو اِس بارے میں باخبر کر دیا اور اِنحراف کے نتائج سے بھی اُنھیں آگاہ کر دیا کہ سید محمد شاہ کا اِنحراف نوربخشیوں کو بھی متاثر کرسکتا ہے کیوں کہ وہ اُنھیں اپنا پیراَور مرشد مانتے ہیں۔ایک اور جگہ سیدعلی کریسی لکھتے ہیں کہ اگر علما ہوش اور دُور اندیشی کے ساتھ تبلیغ کرتے تو کسی حد تک نوربخشیوں کو اپنی طرف جذب کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔لیکن اُنھوں نے ناعاقبت اندیشی سے کام لیا اور اُن کی کتابوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔میری علما سے درخواست ہے کہ نوربخشیوں کو بیگانہ نہ سمجھیں بلکہ اُن کی کتابوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ اُن کے مشائخ نے خود تقیہ اختیار کر رَکھا تھا۔

خلاصۃ المناقب: یہ کتاب اگرچہ حضرت شاہِ ہمدان کی تصنیف نہیں ہے لیکن اِس کتاب کو شاہِ ہمدان کی سوانح حیات کے چند پہلوؤں پر مشتمل ہونے کے سبب سب سے قدیم اور مستند کتاب کا مرتبہ حاصل ہے۔ یہ کتاب آپ کے کامل مرید شیخ نورالدین جعفر بدخشی نے آپ کے وصال کے فوراً بعد تالیف فرمائی۔ اِس کتاب پر سب سے پہلے ایک جرمن محقق نے تحقیق کی اور اِسے جرمن زبان میں شائع کر دیا۔ اِس کے بعد پاکستان سے ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر صاحبہ نے اِس کے متن کی تصحیح کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ہم ڈاکٹر صاحبہ کی اِس کاوش پر اُن کے شکر گزار ہیں۔لیکن اُس وقت اُنھیں ''خلاصۃ المناقب'' کے جو جو نسخے دستیاب ہوئے اُن میں سے زیادہ تر تحریف شدہ تھے۔اس وجہ سے اُنھوں نے اُن تحریف شدہ نسخوں کو درست قرار دے کر اَپنا مقالہ مکمل کیا۔ بعد میں ڈاکٹر صاحبہ نے کتاب کا اُردو ترجمہ کیا جو''ندویہ اسلامیہ صوفیہ نوربخشیہ'' کے پلیٹ فارم سے شائع بھی ہوا۔جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اُن کے مقالے کی وجہ سے تحریف پسند عناصر کو تقویت ملی ہے۔ اِس کے بعد اِس کتاب پر سب سے مستند اور معیاری کام سری نگر سے ڈاکٹر شمس الدین احمد مرحوم نے کیا۔شاہِ ہمدان ڈیجیٹل لائبریری میں ''خلاصۃ المناقب'' کے کئی قلمی مخطوطے موجود ہیں۔

رسالہ المودۃ فی القربیٰ: بیشتر تذکرہ نگاروں اور محققین نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ''رسالہ مودۃ فی القربیٰ'' کو میر سیدعلی ہمدانی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ایک اندازے کے مطابق ابھی تک اِس کتاب کے ۷ ر بار مختلف لوگوں نے اُردو ترجمے کیے ہیں، جو پاکستان، ہندوستان اور کشمیر سے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ معروف رسالہ حضرت شاہِ ہمدان سے منسوب ہے۔حقیقت میں یہ رسالہ کسی اور کی تالیف ہے جو فقہی اِعتبار سے اہلِ تشیع مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔اُس کا نام بھی

سیدعلی ہمدانی ابن شہاب الدین علوی ہے۔ یہ شخص تاریخ میں سیاہ پوش کے نام سے معروف ہوا۔ اُس کی تاریخ وفات ۸۳۰ھ ہے اور یہ ہمدان میں گنبد علویان جو سلجوقی دور کا ایک عظیم تاریخی ورثہ ہے، میں دفن ہے۔ ہم نام ہونے کی بنا پر اِشتباہ سے ''رسالہ مودۃ فی القربیٰ'' کو ہر آنے والے نے بلاتحقیق شاہِ ہمدان کی تالیف قرار دیا۔ حضرت شاہِ ہمدان کے نسب کے حوالے سے یہ بات مستند ہے کہ آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ نے کئی تصانیف کے مقدمے میں جہاں اپنا نام مبارک لکھنا ضروری سمجھا ہے وہاں آپ نے اپنا پورا نام سیدعلی ہمدانی ابن شہاب الدین تحریر فرمایا ہے۔ جب کہ اِس رسالے کے تمام قلمی نسخوں میں مؤلف نے اپنا نام سیدعلی ہمدانی ابن شہاب الدین علوی لکھا ہے۔ آپ کے مناقب پر اَولین کتاب ''خلاصۃ المناقب'' میں جہاں آپ کے والد بزرگوار کی طرف سے حسب ونسب کی عظمت کا ذکر فرمایا ہے وہیں پر آپ کے اِس مشہور قول کو بھی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ والدہ ماجدہ کی طرف سے میرا نسب ۱۷ر وسیلوں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے مناقب پر دوسری قدیم ترین مستند کتاب ''منقبت الجواہر'' میں بھی ''خلاصۃ المناقب'' کے مطابق حسب ونسب یوں بیان ہوا ہے۔

سیدعلی ہمدانی ابن سید شہاب الدین ابن محمد ابن علی ابن شرف ابن محب ابن محمد ابن جعفر ابن عبداللہ ابن محمد ابن علی حسین ابن حسن ابن جعفر ابن عبداللہ زاہد ابن حسین ابن علی زین العابدین ابن حسین الشہداء ابن علی مرتضی سلام اللہ علیہم اجمعین۔

رسالہ فی سواد اللیل ولباس الاسود: یہ رسالہ بھی سیدعلی ہمدانی علوی کا ہے جس سے میر سیدعلی ہمدانی المعروف شاہِ ہمدان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اِس میں مصنف نے سیاہ رنگ کے لباس پہننے کی فضیلت اور سیاہ رنگ کی توجیہات پیش کی ہیں۔ موصوف سیاہ لباس کے دلدادہ تھے، یہی وجہ ہے کہ تاریخی کتابوں میں وہ سیاہ پوش کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہاں بھی نام کے اِشتباہ کی وجہ سے ایرانی محقق جناب ڈاکٹر مہدی درخشان نے اپنی کتاب بزرگان وسخن سرایانِ ہمدان میں حضرت شاہِ ہمدان کو سیاہ پوش کہا ہے۔ اُن کے بعد کئی ایرانی مقالہ نگاروں نے حضرت شاہِ ہمدان کے لیے ''سیاہ پوش'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اس رسالے کا ایک نسخہ البیرونی اِنسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز تاشقند میں محفوظ ہے۔ گزشتہ سال کھوٹہ پاکستان سے جناب سید زبیر حسین شاہ بخاری صاحب نے اِس رسالے کے اُردو ترجمہ اور متن کی نظرثانی کے حوالے سے مزید قلمی نسخوں کی تلاش کے سلسلے میں ہم سے رابطہ کیا تھا۔ اِس سال پاکستان کے سفر کے دوران معلوم ہوا کہ موصوف کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اُنھوں نے وہ کتاب کس سے منسوب کرکے شائع کی ہے یا حقیقت جاننے کے بعد شائع

کرنے کا ارادہ ترک کیا ہے۔ واللہ اعلم

رسالہ درمعرفت مذہب اہلِ تصوف: اِس رسالے کے مصنف ایران کے مشہور شیعہ عالم دین بہاء الدین عاملی ہے جو شیخ بہائی کے نام سے معروف ہوئے۔ یہ رسالہ ایران میں اُنہی کے نام سے ذہبیہ والوں نے شائع کیا۔لیکن ایران کے ایک کتاب خانے میں لائبریرین نے اِس رسالے کے ایک قلمی نسخے کی تفصیل میں مصنف کو میر سید علی ہمدانی قرار دیا جو علمی خیانت یا اُس کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اُس مخطوطے کو پاکستان لایا گیا اور بڑی شان وشوکت سے اُردو ترجمہ کر کے حضرت شاہِ ہمدان کو اِمامیہ بنا کر پیش کیا۔ اس کتاب میں مصنف نے سب سے پہلے ۱۱ر سلاسل تصوف کا تعارف کرایا۔ پھر آخر میں امامیہ اثنا عشریہ کو ناجی باقی تمام کو جہنمی قرار دیا۔ اگر یہ رسالہ بالفرض شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف مان لی جائے تو اُن کی شخصیت پر کئی سوالات اُٹھیں گے۔ مثلاً حضرت شاہِ ہمدان نے اپنے دیگر رسائل میں حبیب عجمی اور دیگر سلاسل طریقت کی خوب تعریف کی ہے، جب کہ اِس رسالے میں اُن تمام سلاسل طریقت کو جن سے شاہِ ہمدان قلبی میلان رکھتے تھے جہنمی کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے۔ کیا حضرت شاہِ ہمدان ایسا کر سکتے ہیں کہ کئی رسائل میں اُن کی تعریف کریں اور ایک رسالے میں اُنھیں جہنمی قرار دیں۔ شاہِ ہمدان ڈیجیٹل لائبریری میں اِس رسالے کے ۳ مخطوطات موجود ہیں۔

جائے وفات: بیشتر تذکرہ نگاروں اور مقالا نگاروں نے حضرت شاہِ ہمدان کی جائے وفات پاکستان کے صوبے پختونخوا کے شہر مانسہرہ کو قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس مقام پر اَب ایک خوب صورت زیارت گاہ بن چکی ہے جہاں پر ہر سال پاکستان بھر سے شاہِ ہمدان کے عقیدت مندوں کے قافلے کثرت سے زیارت کے لیے مانسہرہ کا رُخ کرتے ہیں۔ حالاں کہ تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ اَصل جائے وفات کُنر ہے، یہ تاریخی جگہ کئی صدیاں گزرنے کے باوجود اَب بھی اِسی نام سے جانی جاتی ہے، اور جو موجودہ افغانستان میں واقع ہے، اِس بات کی تصدیق مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر نے اپنی کتاب ''تزک بابری'' میں کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ نورکل دریا کے مغرب میں ہے اور کُنر مشرق کی جانب۔ میر سید علی ہمدانی رحمۃ للہ علیہ نے یہاں جہاد کیا اور مقام کُنر سے ایک کوس اُوپر آپ نے انتقال فرمایا۔ حضرت کے مریدین جنازہ یہاں سے ختلان لے گئے۔ سال ۹۲۰ھ کو جب میں نے ''چغانی سرائے'' فتح کیا تو اُن کے مزار پر حاضری دی۔

حضرت شاہِ ہمدان کی جائے وفات کُنر ہونے کی تصدیق شیخ قوام الدین بدخشی کے خط سے ہوتی ہے جو حضرت شاہِ ہمدان کے موت وقت ساتھ تھے۔ ابھی تابوت ختلان کے سفر کو رَوانہ ہوئے صرف ۹ر دن گزرے تھے کہ اُنھوں نے حضرت شاہِ ہمدان کے محبوب ترین مرید شیخ نورالدین

جعفر بدخشی یجوا اپنے وطن بدخشان میں تھے اُنھیں خبردار کرنے کی نیت سے لکھا۔ اِس بارے میں ''خلاصۃ المناقب'' میں نورالدین جعفر بدخشی لکھتے ہیں کہ قوام الدین کے مکتوب کو پڑھ لینے کے بعد میں نے کُنر کے لیے رخت سفر باندھنے کی تیاری کی۔ لیکن میری قسمت اور تقدیر میں یہی لکھا تھا اِس لیے فتح ونصرت کے حامل بدخشان کے بادشاہ شیخ محمد نے مجھے سفر کرنے کی اجازت نہیں دی۔

نوکوٹ مانسرہ میں حضرت شاہِ ہمدان کی جائے وفات کے رَد میں ہزارہ یونیورسٹی میں آثارقدیمہ کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید کا مقالہ The Earliest Muslim Monument in Hazara: The so-called Tomb of Sayyid Ali Hamadani at Naukot near Mansehra غالباً سال ۲۰۱۱ میں شائع ہوا، اُس میں وہ لکھتے ہیں:

"We may deduce from the above discussion that the monumental enclosure at Naukot is not the actual burial place of Sayyid Shah Hamadan-on his way back to Afghanistan , Sayyid Ali Hamadani was welcomed warmly by Sultan Mohammad , the ruler of Pakhli, where he stayed for few days. From here, Sultan Mohammad accompanied him. On the way , the saint fell ill and died in Kunar (in Afghanistan) in 786H/1385CE."

سیدعلاؤالدین یا علاؤالدولہ سمنانی؟: حضرت شاہِ ہمدان میر سید علی ہمدانی خود فرماتے ہیں کہ میرے والد ہمدان میں حاکم تھے اور وہ سلاطین واُمرا کی طرف متوجہ رہتے تھے اِس لیے اُنھوں نے میری تعلیم وتربیت کے لیے مجھے میرے ماموں سید علاؤالدین کے سپرد کر دیا جو خدا کے دوستوں میں سے تھے۔ یہ اُن کی شفقت، محبت اور تربیت کا اثر تھا کہ مجھے کم سنی میں قرآن مجید حفظ ہو گیا۔ اکثر تذکرہ نگاروں ومقالہ نگاروں کو سید علاؤالدین کے نام سے اِشتباہ ہوا ہے کہ سیدعلاؤالدین ہی شیخ علاؤالدولہ سمنانی تھے۔ حضرت شاہِ ہمدان کے اِس واقعے سے واضح ہوجاتا ہے کہ سید علاؤالدین اور شیخ علاؤالدولہ دو مختلف شخصیات تھیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ۱۴۰۰/اَولیائے کرام کو پایا، اُن میں سے ۴۰۰/اَولیا سے فیض ایک ہی مجلس میں پایا۔ بادشاہ وقت کی خواہش پر خراسان اور عراق کے علما وفقرا جمع ہوئے، وہاں میرے والد اَور ماموں بھی موجود تھے۔ وہ اکابرین کے اُس مجمع میں مجھے بھی ساتھ لے آئے۔ بادشاہ کے دائیں جانب ۴۰۰/اہل تصوف حضرات بیٹھ گئے اور دیگر مشہور ومعروف علما بادشاہ کے بائیں جانب بیٹھے تھے۔ میرے والد بزرگوار نے میرا ہاتھ پکڑ کر اَہل مجلس سے دعائے خیر کی اِلتجا کی۔ جلسے میں موجود تمام

علما وفقرا نے میرے حق میں دعائے خیر کی، پھر میرے والد نے ایک اور اِستدعا کی کہ مجلس کے تمام علما وفقرا میرے اس فرزند کے لیے ایک ایک حدیث شریف بیان فرمائیں۔ اُن میں سب سے پہلے شیخ علاؤ الدولہ سمنانی نے مجھے حدیث سنائی اور سب سے آخر میں خواجہ قطب الدین نیشاپوری نے۔ اِس طرح اُس مجمع میں ۴۰۰ر احادیث مبارکہ سند کے ساتھ مجھ تک پہنچی۔

حضرت شاہِ ہمدان کے مناقب پر دوسری قدیم ترین کتاب منقبت جواہر ہے۔ یہ کتاب آپ کے وصال فرمانے کے کم وبیش ۶۰ر سے ۷۰ر سال بعد شیخ عبداللہ برزش آبادی کے مرید شیخ ملاحیدر بدخشی نے تصنیف کی۔ صاحب منقبت الجواہر حضرت شاہِ ہمدان اور شیخ علاؤ الدولہ سمنانی کے مرید شیخ علی دوستی سے ملاقات کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سعادت سید علی ہمدانی نے شیخ علی دوستی سے پوچھا کہ اے شیخ! اِس فقیر پر اِس قدر مہربان ہونے کی آخر کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ اے سید علی ہمدانی! ہم ایک بار سلطان الوقت شیخ علاؤالدولہ سمنانی کی خدمت میں حاضر تھے۔ فرمایا کہ اے علی دوستی! تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ جب بھی سید علی ہمدانی کو دیکھو تو اُسے میری زبان سے ذکر چہارضربی کی تعلیم کرنا۔ ہم نے اِستفسار کیا کہ یا شیخ! یہ سید علی ہمدانی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جانے سے پہلے میری اَولاد کے لیے کچھ چھوڑ جانا چاہیے۔ میں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کی اَولاد کون ہے؟ اور اُس کے لیے کیا چھوڑوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اَولاد سید علی ہمدانی ہے، تاہم اپنے درویشوں سے کہو کہ جوں ہی اُسے دیکھیں تیرا خرقہ اُسے پہنچائیں۔ مذکورہ دو مختلف واقعات سے بھی واضح ہوجاتا ہے کہ شیخ علاؤالدولہ سمنانی آپ کے ماموں نہیں تھے۔

حوالہ جات

۱۔ تزکِ بابری ظہیرالدین بابر
۲۔ آئینِ اکبری
۳۔ تاریخ بدخشان
۴۔ تاریخ بلتستان از غلام حسن حسنو
۵۔ تاریخ جموں از مولوی حشمت اللہ
۶۔ ڈیجیٹل مخطوطات دعوات صوفیہ
۷۔ شاہ ہمدان حیات اور کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، سری نگر
۸۔ خلاصۃ المناقب فارسی از نورالدین جعفر بدخشی
۹۔ خلاصۃ المناقب اردو، ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر

۱۰۔امیر کبیر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر سیدہ اشرف
۱۱۔محسن کشمیر میر سید علی ہمدانی
۱۲۔مجموعہ مقالات میر سید علی ہمدانی بین الاقوامی کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی
۱۳۔آثار شاہ ہمدان از مولانا محمد رضا آخوندزادہ
۱۴۔منقبت الجواہر اَز ملا حیدر بدخشی
۱۵۔کاشف الحق از سید علی کریسی
۱۶۔میر سید علی ہمدانی تحلیل و آثار اَز سید محمد انواری
۱۷۔احوال و آثار میر سید علی ہمدانی اَز ڈاکٹر محمد ریاض
۱۸۔...... Development of Kubraviya Sufi Order in Kashmir with Special Reference to Mir Saiyid Ali Hamadani
۱۹۔شاہ ہمدان احوال و آثار آرا اَز پرویز اذکائی
۲۰۔لطائف اشرفی
۲۱۔تاریخ حسن
۲۲۔تحفۃ الاحباب از ملا محمد علی کشمیری
۲۳۔تحفۃ تبت
۲۴۔تاریخ ہمدان
۲۵۔بررسی آرای ہای معماری گنبد علویان ہمدان اَز رَضا نظری ارشد
۲۶۔گونہ شناسی معماری آرامگاہی اریان در دوران سلجوقی، ایلخانہ اشارہ موردی گنبد علویان ہمدان اَز مہدی مطہری تبار

●●●

میر امتیاز آفریں[1]

شاہِ ہمدانؒ کی مذہبی رواداری
اور جبر و تشدد کے اِلزام کی حقیقت

اِسلام دینِ فطرت ہے اور ہر دَور کے انسان کے دل و دماغ کو اَپنی خصوصیات سے متاثر کرتا رہا ہے۔ صدیوں سے دنیا کے ہر کونے سے بے شمار لوگ جوق در جوق اپنی رضامندی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری وساری ہے۔ اسلام دینِ حق ہے اور حق کسی خارجی وکالت کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ اُس کے داخلی حقائق اِتنے واضع اور مدلل ہوتے ہیں کہ وہ خود لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ اِس لیے اسلام میں جبراً کسی کا مذہب تبدیل کرنے یا کروانے کا کوئی تصور نہیں۔ البتہ! اسلام اپنے ماننے والوں کو اِس بات پر اُبھارتا ہے کہ وہ حکمت و دَانائی سے دعوت کا کام کریں اور لوگوں کو اَللہ کے سچے دین کی طرف بلائیں۔ قرآن میں بالخصوص اِس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ ضرور اُبھر آنا چاہیے جو دعوتِ دین کا کام کریں۔ دعوت وتبلیغ کا کام پیغمبرِ اِسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صالحین کے مختلف طبقات نے بحسن وخوبی انجام دیا اور اُن طبقات میں خاص طور پر صوفیائے کرام کی خدمات آبِ زَر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ جہاں تک ملکِ کشمیر کا تعلق ہے تو یہاں تبلیغ دین کا سارا کام صوفیائے کرام نے ہی انجام دیا اور یہ عظیم کام داعئ اسلام شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی رہنمائی میں آٹھویں صدی ہجری میں اپنے عروج کو پہنچا۔ ساکنانِ خطۂ کشمیر اِسی لیے بطور خاص انتہائی تعظیم وتوقیر سے حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو یاد کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اِس سارے خطے کو کفر وشرک کی ضلالتوں سے نکال کر اِیمان وایقان کی روشنی سے منور کیا۔ مگر جس

---

(۱) مرتب کتاب ہذا

طرح پیغمبر اِسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے متبعین پر جبر و اکراہ سے غیر مسلموں پر مذہبِ اِسلام مسلط کرنے کے الزامات لگائے گئے، اُسی طرح جنوبی ایشیا کے تناظر میں جبری تبدیلیٔ مذہب کے اِس افسانے کو شدو مد سے پھیلایا گیا۔ ان الزامات کو ۱۹/ ویں اور ۲۰/ ویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں برطانوی مستشرقین ''ایڈمنسٹریٹر - مؤرخین'' (جیسے ہنری ایلیٹ) نے مشہور کرنے میں کافی زور لگایا، اور اُنھیں آر سی مجومدار اَور کوینارادا ایلسٹ جیسے ہندوتو ہمدرد مورخین نے مستعار لے کر اُن کے فروغ میں کافی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ جبراً لوگوں کا مذہب تبدیل کرنے کا اِلزام حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ پر بھی یہ زور و شور سے لگایا گیا۔ دراَصل کچھ مخصوص ذہنیت کے لوگوں کو کشمیر کے مسلم تشخص سے بغض وعناد ہے اور یہ بات اُن کو کیسے ہضم ہو سکتی ہے کہ اس مردِ مومن کی وجہ سے ہزاروں ہندوؤں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے دامن توحید میں پناہ لی۔ ان بے بنیاد اِلزامات کو اِدھر اُدھر سے اُٹھا کر شدو مد سے پھیلانے کی کاوشیں جاری و ساری ہیں۔ اِسی لیے کشمیر کی سیاسی، سماجی اور ثقافتی تاریخ سے شاہِ ہمدان علیہ الرحمہ کے نام کو یا تو ایک دو جملوں میں سمیٹنے کی کاوشیں کی جاتی ہیں یا اُن کی شخصیت کو ہی مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چوں کہ غیر مسلموں کی ایک بڑی آبادی کا اپنا آبائی مذہب ترک کر کے دامنِ اسلام میں پناہ لینا اُن کے لیے بڑی تکلیف کا سبب ہے، اِس لیے کئی غیر مقامی مؤرخین نے اِس تصور کو فروغ دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے جبر و تشدد سے غیر مسلموں کا مذہب تبدیل کروایا۔ نہ صرف کچھ ہندو مؤرخین نے بلکہ کئی مغربی مصنفین نے بھی تعصب سے کام لے کر بلاتحقیق آپ کی شخصیت کو منفی انداز میں پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے ساتھ اِس تعصب کی تاریخ بہت قدیم ہے کہ اکثر ہندو سنسکرت مؤرخین آپ کے نام کا تذکرہ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے اور عصبیت کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اِسی سلسلے کی کڑی کے طور پر مشہور برطانوی مصنف ٹینڈل بسکو نے بھی حضرت شاہِ ہمدان علیہ الرحمہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اور اِس تحریر میں ہم زیادہ تر اُن کے اِلزامات کا ایک جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ حضرت شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو اپنی کتاب میں کچھ اِس طرح متعارف کرتے ہیں: (۱)

"...Mir Syed Ali of Hamdan, who in the fourteenth century had great influence, and to him is ascribed the honour of being one of the chief oppressors of the Hindus."

ترجمہ: شاہ ہمدان چودھویں صدی عیسوی میں بے مثال اَثر و رُسوخ کا مالک تھا اور اُس

کے ساتھ یہ بات بھی وابستہ ہے کہ اُسے ہندوؤں پر ظلم وستم ڈھانے کا اِعزاز حاصل تھا۔ اِلزامات کو مزید تیز کرتے ہوئے وہ آگے لکھتے ہیں: (۲)

"It was through his [Shahi Hamadan's] and his son's instigation that the Hindus of Kashmir were ruthlessly persecuted by Qutub-ul-Din and his successor, Sikandar the Idol Breaker."

ترجمہ: یہ اس کے (یعنی حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے) اور اُس کے بیٹے کے اُکسانے کا ہی نتیجہ تھا کہ سلطان قطب الدین نے بے رحمی سے کشمیری ہندوؤں کو مصائب میں مبتلا کر دیا جس میں بعد میں اُس کا جانشین سکندر بت شکن بھی شامل ہوا۔

یہاں پر نہ صرف اُنھوں نے شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی ہے بلکہ سلطان سکندر کے مبینہ متشددانہ طرزِ عمل کو بھی شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت شاہ ہمدان رحمہ الرحمہ سے منسوب خانقاہ کے بارے میں بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے کچھ اِس طرح زہر اُگلتے ہیں:

"The mosque stands on the site of a Hindu temple which was demolished by the Muhammadans to make way for their mosque." (Page: 113)

ترجمہ: یہ خانقاہ ایک ہندو مندر کی جگہ پر واقع ہے جسے مسلمانوں نے یہ زیارت گاہ تعمیر کرنے کے لیے منہدم کر دیا۔

حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ پر لگائے گئے اِن الزامات کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ مذکورہ مصنف نے اُن باتوں کو تاریخی حوالوں کے بغیر ہی نقل کیا ہے اور سنی سنائی باتوں کو اَلفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ اِس کتاب میں اُنھوں نے حقائق کو تاریخی حوالہ جات کے ساتھ نقل کرنے کا اِلتزام نہیں کیا ہے اور اپنی کتاب کے Author's Note میں اُنھوں نے تاریخ کے کسی مستند ماخذ کا حوالہ دینے کے بجائے اپنے اسکول کے ہیڈ ماسٹر شنکر پنڈت کے بیان پر آنکھیں بند کرتے ہوئے غلو کی حد تک اعتماد ظاہر کیا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں: (۳)

"I must express my thanks to my headmaster, Mr Shanker Pandit, B.A., who allowed me to draw upon his knowledge of the ancient history of Kashmir, and of the various rites and ceremonies, both of Hindus and Muhammadans, with respect to

birth, death, marriage etc. What my friend Shanker does not know concerning his country is not worth knowing."

ترجمہ: میں اپنے ہیڈ ماسٹر جناب شنکر پنڈت (بی۔اے) کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ قدیم تاریخِ کشمیر کے متعلق میں نے اُن کے علم پر اعتماد کیا ہے جو اُنھیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے رسوم اور رواجوں کے بارے میں جانکاری حاصل ہے جیسے پیدائش، موت، شادی وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بارے میں میرے دوست شنکر جو کچھ نہیں جانتے وہ جاننے کے لائق ہی نہیں ہے۔

اِس بیان سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ تاریخ کشمیر کے بارے میں مصنف نے کتنی بے احتیاطی برتی ہے اور اِس وجہ سے اُن کی کتاب میں درجنوں غلطیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً اپنی کتاب میں وہ منگول کو مذہب شمار کرتے ہیں حالاں کہ مذہب و تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ منگول ایک نسل ہے مذہب نہیں۔ اسی طرح لفظ ''سری نگر'' کے معنی ''دولت کا شہر'' لکھتے ہیں، حالاں کہ اِس کا مطلب ہے: ''سوریہ''، یعنی ''سورج کا شہر'' (۴)

حضرت شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ جیسی قدآور مذہبی شخصیت کے بارے میں اِس قسم کی بلا تحقیق ہرزہ سرائیاں ناقابلِ برداشت ہیں کیوں کہ اس عظیم شخصیت کے ساتھ لوگوں کی عقیدتیں جڑی ہوئی ہیں اور اُن کے متعلق نامناسب الفاظ سے دل آزاری کے ساتھ ساتھ فتنہ وفساد بھی برپا ہو سکتے ہیں۔ آج جب کہ مذہب کے نام پر جنون اور تشدد وتعصب اپنے عروج پر ہے اور رُوز ملک کے مختلف علاقوں سے مذہبی تشدد کے واقعات سننے کو ملتے ہیں اَیسے میں اِس قسم کے بے سند واقعات فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کر سکتے ہیں اور سماج کو نفرت کی آگ میں جھونک سکتے ہیں۔ حالاں کہ تاریخ کا ہر طالب علم اِس بات سے باخبر ہے کہ کشمیر صدیوں سے مختلف مذاہب کا گہوارہ رہا ہے اور لوگ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں نسبتاً اَمن وشانتی سے رہتے آئے ہیں۔

مزید یہ کہ شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے بارے میں جو تاریخی شواہد ہم تک پہنچے ہیں اُن میں کسی ایک بھی باوثوق ذریعے سے ملنے والی جانکاری کے مطابق اِن الزامات کو معترضین ثابت نہیں کر پائے ہیں اور محض تعصب وعناد کی بنیاد پر یہ من گھڑت قصے بلا تحقیق عوام میں پھیلائے گئے ہیں تاکہ مبلغین اِسلام کے بارے میں ایک منفی پروپیگنڈا پھیلایا جائے۔

ٹنڈیل بسکو کے اُن معتصبانہ اعتراضات کے ضمن میں معروف صحافی، مؤرخ اور مترجم غلام نبی خیال مذکورہ کتاب کے ترجمے کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

''غربی ممالک سے کشمیر آنے والے چند عیسائی سیاحوں، مؤرخوں، تحقیق کاروں اور سفرنامے قلم بند کرنے والوں نے کشمیری مسلمانوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً اپنے تعصب کا برملا

طور پر اظہار کیا ہے ...ورنہ میر سید علی ہمدانی جیسے تاریخ ساز مفکر زمان، مبلغ دین، نابغہ زمانہ، عالم وفاضل اور علمی فضلیت والے بےنظیر سید کے حوالے سے ایسے واقعات منسوب کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ نے کشمیر میں اُس وقت اسلام پھیلا یا جب یہاں ہندو دَور میں ہندو کئی ذاتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اُن میں خاص کر شودر یعنی اَچھوت طبقہ اُونچے طبقہ یعنی برہمنوں کے ہاتھوں قسم قسم کی تکالیف اور مصیبتوں میں مبتلا تھا۔ اِس پس منظر میں شاہ ہمدان رحمتہ اللہ علیہ نے بغیر کسی زور زبردستی کے دبے ہوئے اور ستائے ہوئے کشمیری ہندوؤں کو اِسلام کی طرف راغب کرلیا اور اُس انسان نواز مذہب کو اُنھوں نے خوشی خوشی قبول کیا لہٰذا بسکو کا یہ کہنا کہ شاہِ ہمدان ہندوؤں کے لیے ظالم تھا، ہرزہ سرائی کے سوا اَور کچھ نہیں۔... کشمیری ہندوؤں پر نام نہاد ظلم وستم کے اِس افسانوی بیان پر مؤرخوں نے مختلف آرا پیش کی ہیں اور جس طرح سے مسلمان حاکموں کے ہاتھوں اُن پر نا قابلِ بیان مظالم کو درج کیا گیا ہے اُس کے ساتھ چند ہندو تاریخ دان، مثلاً پریم ناتھ بزاز، پرتھوی ناتھ کول بامزئی وغیرہ بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ جب حضرت شاہ ہمدان کشمیر آئے تو مقامی ہندوؤں نے اپنی مرضی سے اِس بنا پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ وہ اَور خاص کر اُن کی نچلی ذاتوں کے لوگ برہمن پنڈتوں کے ہاتھوں نا قابل بیان جور و جبر اور ظلم وستم کے مستقل شکار تھے۔''(۵)

ڈاکٹر شمس الدین احمد اَپنی کتاب ''شاہِ ہمدان: حیات اور کارنامے'' میں لکھتے ہیں:

''شاہ ہمدان نے کشمیر کے لوگوں کی ذہنی اور فکری سطح کو تبدیل کرنا تھا۔ وہ مجاہدین اسلام کی جو فوج لے کر آئے تھے اُن کے ہاتھوں میں، جیسے کہ خود مقامی برہمن مؤرخوں کو بھی اِعتراف ہے، نہ کوئی تلوار تھی نہ توپ، نہ تیر تھا نہ کمان، وہ محض ایمان اور توحید اِلٰہی کے دیر پا اور کارگر اَسلحہ سے مسلح تھے۔ اُسی نعرۂ توحید سے اُن کو اَوہام ومزخرفات اور بے اِساس رسوم وبدعات کی بنیادیں منہدم کرنی تھیں جو ہزار ہا سال سے ایک ظلمت کا پردہ لے کر یہاں کے لوگوں کے دل ودماغ پر چھا چکی تھیں اور اُنھوں نے کشمیر میں یہ فکری اور ذہنی انقلاب سادہ تعلیمات اسلام اور بلند اَخلاقی معیار اَور عام اظہار شفقت سے وجود میں لایا، اور یہی مشعل لے کر آپ نے اپنے ساتھی، رفقا، مجاہدین راہ خدا کو کشمیر کے ہر قصبے اور ہر گاؤں میں بھیج دیا.... یہ ایک حیرت انگیز اِنسانی، اخلاقی، فکری اور نظریاتی انقلاب تھا جو حضرت شاہِ ہمدان کی ذاتی نگرانی میں کشمیر میں برپا ہوا....اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اُس کی تشہیر و اِشاعت میں کسی طرح کا کوئی دباؤ ہوتا تو کشمیر خانہ جنگی کا خطرناک منظر بن جاتا.... حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی مجاہدانہ تبلیغ اور جدوجہد اس قدر محبت آمیز اَور سایہ دار تھی کہ خود مسلمان ہونے کے بعد یا بعضوں کے اپنی ہی قدیم روایات یا مذہب پر قائم

رہنے کے بعد کسی بھی ایک ادیب یا مؤرخ نے حضرت شاہ ہمدان اور اُن کے رفقائے کار پر جبر وظلم یا دباؤ اور سختی کی تہمت یا اِلزام نہیں لگایا، بلکہ وہ مقامی مسلمانوں ہی کی طرح آج بھی خانقاہ شاہِ ہمدان کی چوکھٹ پر حاضری دے کر انکساری کے ساتھ اپنی جبین نیاز کو جھکاتے ہیں۔‘‘(۶)

اِسی کتاب میں وہ آگے لکھتے ہیں:

’’یہ دین فطرت (یعنی اسلام) یہاں کے نومسلموں کو اِس قدر بھایا اور رَگ وپے، اور جسم وجان میں اَبدیت تک یوں سرایت کر گیا کہ ایسی کوئی شہادت موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوجاتا ہو کہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے وطن لوٹنے کے بعد نومسلم اپنے مذہب میں لوٹ گئے ہوں۔ بلکہ بعد میں اُسی قوم سے ایسے دینی رہنما اُٹھے جنھوں نے کشمیر میں دین اسلام کی حفاظت کے لیے قربانیاں دیں اور آج بھی کسی غلط تاویل کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اِسلام کے خلاف فتنوں کا سر کچلنے کے لیے مردانِ راہ الٰہی سر بکف ہیں۔‘‘(۷)

حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ پر جس مندر کو ڈھانے کا الزام بسکو نے لگایا ہے اُس کے بارے میں کشمیر کے مشہور مؤرخ حسن کھویہامی لکھتے ہیں:

’’اس مندر کا پروہیت جب حضرت شاہِ ہمدان کی روحانی عظمت وکمال کا قائل ہوکر مسلمان ہوگیا تو تائب ہوکر اُس نے مندر کو ڈھادیا اور اَپنے ساتھی پجاریوں سمیت اِسلام کو فروغ دینے کے نیک عمل میں سرگرم رہا۔‘‘(۸)

اِس تاریخی حوالے سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ پر مندر ڈھانے کا اِلزام سراسر بے بنیاد ہے۔ اِتنا ہی نہیں بلکہ حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے فرزند حضرت میر محمد ہمدانی نے جب سلطان سکندر کے دَور میں خانقاہ معلّٰی کو تعمیر کرنے کا اِرادہ ظاہر کیا تو اُس سے متصل زمین ایک لعل بدخشان کے عوض اُس کے مالکوں سے خریدی گئی، جیسا کہ وقف نامے کی نقل میں درج ہے جسے فارسی متن کے ساتھ ڈاکٹر شمس الدین احمد نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ (۹) بسکو کے برعکس دوسرے مشہور مغربی مصنف والٹر لارینس شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے بارے میں نسبتاً اچھا تاثر دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن کے اَلفاظ سے بسکو کے الزامات کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"The saint who has exercised the most direct influence on the religion of Kashmir was Mir Saiyad Ali of Hamadan, who visited the valley in the time of Kutb-ud-Din. and practically established Islam in the valley. He is known as Amir-i-Kabir, Shah-i-Hamadan,

and Ali Sani, and the Hindus say that he received his inspiration from a Hindu lady, Lalishri, who was an incarnation of a goddess.The Musalmans deny this, but they hold her name in great respect, and speak of her as Lai Dedi...His mosque, the Shah-i-Hamadan in Srinagar, is one of the most sacred places in Kashmir, and is a worthy memorial of a man who in his time exerted an enormous influence over the country...The Shah-i-Hamadan mosque was commenced in the reign of Sultan Kutb-ud-Din, and was built on the foundations of a Hindu temple, the priest of which had been convinced of his religious errors by the eloquence of Mir Saiyad Ali.(10)

ترجمہ: کشمیریوں کے مذہب پر جس شخصیت نے براہ راست اَثر ڈالا وہ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ تھے جو کہ کشمیر میں قطب الدین کے عہد میں آئے اور عملی طور پر وادی میں اسلام کی داغ بیل ڈالی۔ وہ امیر کبیر شاہ ہمدان ''علی ثانی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندوؤں کا بیان ہے کہ اُنھوں نے ایک ہندو خاتون لل اِیشوری سے فیض حاصل کیا جو دیوی کی پیامبر ہے۔ مسلمان اِس بات سے منحرف ہیں مگر وہ اُس خاتون کو بھاری عقیدت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اُسے لل دید کہتے ہیں۔ اُس کی مسجد شاہ ہمدان سری نگر میں واقع ہے اور کشمیر میں مقدس ترین مقامات میں سے ایک ہے اور یہ اُس شخصیت کی شایانِ شان درگاہ ہے جس نے اِس ملک بھر میں بھاری اثر ڈالا ہے۔... مسجد شاہ ہمدان کی تعمیر کا کام سلطان قطب الدین کے عہد میں شروع ہوا۔ یہ مسجد ایک ہندو مندر کی بنیاد پر تعمیر کی گئی۔ یہاں کا مجاور میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی فصاحت بیانی اور اپنی مذہبی غلطیوں کا قائل ہو چکا تھا۔ (مترجم: غلام نبی خیال)

اگر چہ تاریخی لحاظ سے لارینس صاحب کی باتیں بھی محلِ نظر ہیں مگر اُن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو بھی احترام و عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آپ کے سلسلۂ فیض کو لل دید کے ساتھ جوڑتے تھے۔ اگر شاہ ہمدان نے واقعی طور پر ہندوؤں پر ظلم وستم کا آغاز کیا تو پھر اَیسا کیوں کر ممکن ہے کہ وہ ادب واحترام سے آپ کا نام لیں۔ دوسری بات یہ بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ ہندو مندر کی جگہ خانقاہ کی تعمیر شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے جبراً نہیں کروائی بلکہ پجاری خود آپ کی دعوت و تبلیغ سے اس درجے متأثر ہوئے کہ اُنھوں نے خود ہی اُس جگہ پر مسجد تعمیر کرنا مناسب سمجھا۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ کچھ

مؤرخین نے مندر کو مسجد میں تبدیل کرنے کے واقعے کو سرے سے ہی ایک فرضی داستان قرار دیا ہے۔

تاریخ کی مشہور کتاب ''اسرارالاخیار'' (تاریخ حسن) میں درج ہے:

''[حضرت شاہ ہمدان] بے شمار لوگوں کے دل گرویدہ بنا کر دائرۂ اسلام میں لائے۔ مندروں کو گرا کر اُن کی جگہ مسجدیں اور خانقاہیں اُن ہی لوگوں نے بنوائیں جو بُت پرستی کے زمانے میں اُن مندروں میں مورتی پوجا کرتے تھے۔'' (۱۱)

تاریخی حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ جب کسی علاقے کی اکثریت نے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی روحانی شخصیت اور تعلیمات سے متأثر ہو کر اَپنی مرضی سے اسلام قبول کیا تو اُنھوں نے خود ہی اپنے مذہبی مقامات کو مساجد اَور خانقاہوں میں تبدیل کرنا مناسب سمجھا اور اُس میں نہ کسی قسم کا دباؤ ڈالا گیا اور نہ ہی تشدد اِستعمال کیا گیا۔

ڈاکٹر شمس الدین اَحمد لکھتے ہیں: ''نومسلموں کے جذبات کے احترام میں اور اُن میں اطمینان پیدا کرنے کی خاطر حضرت شاہ ہمدان نے عبادت گاہوں، مسجدوں اور خانقاہوں کی طرزِ تعمیر میں کوئی مداخلت نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم خانقاہوں کی طرزِ تعمیر یہاں بدھ وہاروں کے مشابہ ہے۔...اُس کے نمایاں گواہ آج بھی موجود خانقاہیں ہیں جن کی چھت بشمول جامع مسجد کسی بھی بدھ وہار کی چھت کے مشابہ ہے۔...مؤثر اور پائیدار اور اِطمینان بخش طریقۂ تبلیغ تھا بھی یہی کہ لوگوں نے چوں کہ اسلام کو ایک درست وصحیح دستورِ زندگی اور نظامِ حیات کے طور پر ایک نئے معاشرے اور رَوشن حال و مستقبل کی اُمید پر قبول کیا، اِس لیے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے اُن کے بعض غیر اَہم اُمور سے بے اعتنائی فرمائی لیکن شرعی اُمور میں کوئی رعایت اور اِعراض نہیں برتا۔...یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت کے چھ سو سالہ دورِ حکومت میں کشمیری پنڈت لباس میں، دھرم میں، گھریلو بات چیت میں، اَپنے مخصوص رسم و رواج میں اور کھانے پینے کی عادات تک میں بھی اپنی اِنفرادیت قائم رکھ سکے ہیں۔'' (۱۲)

رہا سوال بادشاہوں کو ہندوؤں پر ظلم پر اُکسانے کا، تو تاریخ کا ہر طالب علم اِس بات سے واقف ہے کہ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ ایک صوفی داعی کی حیثیت سے کشمیر تشریف لائے اور صوفیا کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی پر ظلم ڈھائیں اور تشدد سے کام لیں۔ آپ کی تصانیف کو دیکھ کر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی فکر پر سب سے زیادہ اَثرات امام غزالی علیہ الرحمہ، شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ اور شیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمہ کے پائے جاتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ یہ تینوں بزرگ مذہبی رَواداری اور اِنسان دوستی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے مکتوبات اور ''ذخیرۃ الملوک'' کا بغور مطالعہ کرنے کے دوران یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ

آپ کا انداز اور لہجہ ایک ڈکٹیٹر کا نہیں بلکہ ایک روحانی مربی کا ہے اور آپ بادشاہوں کو اخلاقی و دینی ضابطوں کی پاسداری کی نصیحت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شمس الدین احمد لکھتے ہیں:

''جن غیر مسلموں نے اپنی قدیم روایات اور اپنے ہی مسلک پر قائم رہنے کو پسند کیا اُن سے کوئی تعرض نہیں ہوا اور اُن کے ساتھ اختلاط و روابط کے باوجود اُن کو ہر طرح کی آزادی، مسلکی اور عقیدتی آزادی حاصل رہی۔ مسلمان بادشاہوں کے آخری دور حکومت کے آخری دن تک قرآنی احکام وفرامین کے مطابق کشمیری برہمنوں نے آزادی کی زندگی گزاری، اُن پر کوئی جبر نہیں تھا اور اُن کو اپنے مسلک کے مطابق بھی قانونی تسہیلات میسر تھیں اور مسلمانوں کی حکومت کی رعایا ہونے کی حیثیت میں بھی اُن کو وہی مراعات حاصل رہیں جو مسلمانوں کو تھیں۔ ہندو ہونے کی وجہ سے اُن کو قتل نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی اُن کے مذہب، مسلک، عقائد یا اُن کے اپنے تہذیبی و تمدنی روایات کو ختم کرنے کی کبھی کوئی سازش ہوئی۔''(۱۳)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس رُوحانی و اخلاقی ماحول اور منہج میں آپ کی تربیت ہوئی، اُس کو دیکھ کر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کے ذریعے ظلم وستم کا صدور ہو۔ آپ کی مجموعی زندگی کو باریکی سے دیکھا جائے تو ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ نفرت اور تعصب کا سلوک کیا ہو۔

آر کے پارمو اپنی کتاب A HISTORY OF MUSLIM RULE IN KASHMIR میں لکھتے ہیں: ''یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ اسلام کشمیر میں ایک نجات دہندہ کے طور پر داخل ہوا۔ اُس نے رفتہ رفتہ لوگوں کی سماجی اور اخلاقی قوت بحال کر دی۔ اُنھیں ایک ایسے نئے سماجی نظم اور ایک ایسے مذہب کے ذریعے حیات نو بخشی گئی جو سادہ، قابل فہم اور عملی ہے۔ اِسلام نے بیرونی اِنتشاری اور تفرقہ ڈالنے والی طاقتوں کو پاش پاش کیا۔ اُس نے سماجی قوتوں کو مستحکم، متحد اور یکجا کر دیا۔ فلسفۂ اسلام نے پہلے چند لوگوں کے اذہان کو بیدار کیا جو بعد میں تو وہی اِسلام کے مشعل بردار بن گئے۔''

ڈاکٹر اِسحاق خان اپنی کتاب ''کشمیر میں اشاعت اسلام'' میں لکھتے ہیں:

''سلطان کشمیر قطب الدین کے نام سید علی ہمدانی کے مکاتیب بہت سی باتوں کو آشکار کرتے ہیں۔ یہ خطوط کشمیر کے غیر مسلموں کے تئیں اُن کے بے تعصب رویہ کے عکس ہیں، اگر اُنھوں نے غیر مسلموں کے ساتھ بادشاہ کر دوستانہ رَویہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا نہ ہوتا تو اُنھوں نے اپنی ناراضگی، مایوسی اور بیزاری کا اظہار اُن خطوط میں ضرور کیا ہوتا جو اُنھوں نے کشمیر سے روانگی کے بعد پکھلی سے سلطان کشمیر کو اِرسال کیے۔ اِس کے برعکس محسوس یہ ہوتا ہے کہ سید علی

کشمیر میں اپنے تاریخی مشن کی پیچیدگیوں سے آگاہ تھے اور اِسی سے اِس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اُنھوں نے کیوں سلطان کشمیر کو ممکن حدود کے اندر ہی شریعت اسلامی کو مقبول بنانے کی کوشش کرنے کی تلقین کی۔ اُن کی شریعت نوازی کے باوجود اُن کے مکتوبات اور نہ ہی ''ذخیرۃ الملوک'' ہی خفیف سا اِشارہ بھی اس بات کی طرف کرتی ہے کہ وہ بھاری اکثریت کی غیر مسلم رِعایا کے ساتھ بادشاہ کے غیر دوستانہ برتاؤ کے متمنی تھے۔ اُن کے نزدیک بادشاہ کی ساری رعایا خدا کی مخلوق ہے لہٰذا یہ بادشاہ کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ طاقتور کے مقابلے میں کمزور کے حقوق کا تحفظ کرے۔'' (۱۴)

چوں کہ ''ذخیرۃ الملوک'' میں حضرت شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ مسلم حکمرانوں کو غیر مسلمین کے ساتھ عدل و اِنصاف کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حاکم کا عدل و انصاف تمام رعایا کے لئے ہونا چاہئے اور اس معاملے میں احسان کے لیے اہل یا نا اہل کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھے کیوں کہ بادشاہ سایہ حق ہے اور رحمت حق ہر کافر و مومن کو شامل ہے، بالکل اُسی طرح حاکم کے احسان کو ہر نیک و بد سے متعلق ہونا چاہیے۔'' (۱۵)

اقبالیات کے مشہور اِسکالر ڈاکٹر طاہر حمید تنولی بیان کرتے ہیں کہ سلطان شہاب الدین آپ کا تربیت یافتہ تھا۔ ملک میں مالی بحران آیا تو اُس کے ایک وزیر اُودھے چاری نے تجویز پیش کی کہ سری نگر میں بدھ کا سونے کا ایک قیمتی مجسمہ ہے اگر اُس کو سکّوں میں ڈھالا جائے، تو بحران ختم ہو جائے گا مگر بادشاہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ اُس پر شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا خاصا اَثر تھا اور وہ کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ دعوت کے عمل میں جبر و تشدد کے قطعاً قائل نہیں تھے اور قرآن مجید اور سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسلوبِ دعوت کو پیش نظر رکھتے تھے جس میں جبر و تشدد کی کوئی گنجائش نہیں۔ چوں کہ دعوت کے سلسلے میں قرآن مجید کا واضح ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ (نحل)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اُسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) اُن سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور اُن سے بھی خوب واقف ہے جو رَاہِ راست پر قائم ہیں۔

حضرت شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مخلص داعی کی طرح، کسی قسم کے جبر و تشدد کے

بغیر لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے قرآنی فارمولے کے مطابق دعوت دین کے عمل کا آغاز کیا۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ (بقرہ)

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے۔ تو جس نے طاغوت کا انکار کیا، اور اَللہ پر ایمان لایا، اُس نے مضبوط رسی پکڑی، جو ٹوٹنے والی نہیں اور اَللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے معروف مفسر علامہ ابن کثیر (متوفی: ۱۳۷۳) لکھتے ہیں کہ اِس عبارت کا مطلب ہے: ''کسی کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہ کیا جائے، کیوں کہ اسلام اپنے دلائل کے لحاظ سے بالکل واضح ہے، اور اُس کے دلائل اور شواہد بالکل صاف ہیں لہٰذا، کسی کو بھی اِسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' (۱۶)

مستند کتب تاریخ کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ جب حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ وارد کشمیر ہوئے، نہ اُن کے پاس کوئی سیاسی و عسکری اقتدار تھا اور نہ ہی تلواریں بلکہ تربیتِ نفس کے نتیجے میں وہ روحانیت اور رَبّانیت کے اعلیٰ درجے پر متمکن تھے اور اُسی روحانی ساز و سامان سے اُنھوں نے لوگوں کو اُس درجہ متأثر کیا کہ وہ آپ کے گرویدہ ہو گئے اور آپ نے اپنے روحانی کمالات اور منصوبہ بند دعوت سے ہزاروں انسانوں کو دین اسلام میں داخل کیا۔ غربت اور ذات پات کے پاٹوں میں پسے ہوئے لوگوں نے اُس دعوت کا زبردست خیر مقدم کیا، کیوں کہ آپ نہ صرف اُن کی روحانی تسکین کا سامان ساتھ لے کر آئے بلکہ آپ نے ساتھ ہی ایک معاشی پیکیج (ECONOMIC PACKAGE) بھی فراہم کیا جس سے مادی و رُوحانی دونوں قسم کے مسائل کا مداوا ہوا۔ حضرت شاہ ہمدان اُصولی طور پر ایک صوفی تھے، لہٰذا دعوت دین میں اُنھوں نے صوفیائے کرام کے پُراَمن منہج کو ہی اِختیار کیا جس میں خدمت خلق اور خیر خواہی کو خاصی اَہمیت دی جاتی ہے۔ اُنھوں نے حکمت و دانائی سے اسلامی تعلیمات کو اَہالیان کشمیر پر پیش کیا اور اَپنے کردار کی وجہ سے اُنھیں عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور وہ فوج در فوج دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ اقلیمِ روحانیت کے سلطان تھے۔ آپ سیاسی اقتدار کے بُت کو پہلے ہی پاش پاش کر چکے تھے اور آپ صرف رضائے الٰہی کے طالب تھے۔ آپ نفسانی خواہشات کا قلع قمع کرنے کو جہادِ اَکبر سمجھتے تھے۔ جب ہم سنجیدگی سے آپ کی سوانح حیات کو اَوراقِ تاریخ میں تلاش کرتے ہیں تو کہیں بھی ہمیں مذہبی، مسلکی، وطنی، سیاسی اور نسلی عصبیت

اُن کی شخصیت میں نظر نہیں آتی، کیوں کہ عظیم شخصیات کسی خاص گروہ یا مذہب کا نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کا سرمایہ ہوتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ Kashmir in Sunshine and Shade: Tynadale Biscoe, page:113

۲۔ Kashmir in Sunshine and Shade: Tynadale Biscoe, Page: 71

۳۔ Kashmir in Sunshine and Shade: Tynadale Biscoe, page: 5

۴۔ کشمیر دھوپ اور چھاؤں میں، مترجم: غلام نبی خیال: ص:۶۷

۵۔ کشمیر دھوپ اور چھاؤں میں، مترجم: غلام نبی خیال: ص: ۱۴، ۵۶، ۹۲

۶۔ شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، جلد:۱، ص: ۲۶۲-۴۰۲

۷۔ شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، جلد:۱، ص: ۲۷۰

۸۔ تاریخ حسن اَز حسن کھو یہامی، جلد:۱، ص: ۳۲۳

۹۔ شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، جلد:۲، ص:۹۱۹

۱۰۔ The Valley of Kashmir: Walter Lawrence, P292,293

۱۱۔ تاریخ حسن اَز حسن کھو یہامی، جلد، ۳، ص:۱۶

۱۲۔ شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، جلد:۱، ص: ۲۶۸-۳۱۳

۱۳۔ شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، جلد:۲، ص: ۶۷۴

۱۴۔ کشمیر میں اشاعت اسلام، ڈاکٹر اسحاق خان، ص:۸-۹

۱۵۔ ذخیرۃ الملوک، مترجم: محمد ریاض قادری، ص:۱۹۵

۱۶۔ تفسیر القرآن العظیم: حافظ ابن کثیر، جلد:۱، ص: ۳۱۳

●●●

میر اِمتیاز آفریں(۱)

شاہِ ہمدانؒ اور نصابِ تعلیم

دورِ حاضر میں تعلیم کی اہمیت و اِفادیت اِس قدر بڑھ چکی ہے کہ اس کے بغیر ایک جدید معاشرے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آج جو عظمت و رفعت انسان نے سائنسی، سماجی، اقتصادی، سیاسی اور اَخلاقی شعبوں میں حاصل کر رکھی ہے، یہ سب تعلیم کی برکت سے ہے۔ تعلیم کے ذریعے ہی انسان سازی کا کام انجام دیا جاتا ہے، آنے والی نسلوں کو تیار کیا جاتا ہے، سماج میں اُن کے کردار کو متعین کیا جاتا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے عمل کو مرتبہ کمال تک پہنچایا جاتا ہے۔ ہر دور میں انسانی سماج کی مختلف ضروریات ہوتی ہیں اور اُن ضروریات کو ہی ترجیحات کے تعین میں نظر میں رکھا جاتا ہے۔ اُن ضروریات اور ترجیحات کو نظامِ تعلیم کے مرتب کرنے میں کلیدی حیثیت دی جاتی ہے اور اِس طرح دانشورانِ قوم نصابِ تعلیم مرتب کرتے ہیں اور پھر اُسے مختلف تعلیمی اداروں میں نافذ کیا جاتا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''یہ ایک مسلّم اور معروف حقیقت ہے کہ نصابِ تعلیم کو نئی نسل کی ذہنی تشکیل و تعمیر اور ملت و ملک کی قیادت و رہ نمائی کی صلاحیت عطا کرنے اور قدیم ذخیرۂ علوم و تصنیفات سے فائدہ اُٹھانے اور فائدہ پہنچانے، بلکہ ملک و ملت کی رہ نمائی و ذہن سازی کی صلاحیت پیدا کرنے میں خاص اور بنیادی دخل ہے۔''(۱)

گویا نظامِ تعلیم ایسا ہو جہاں سے باہنر، متقی اور باکردار طلبا تیار کیے جا سکیں جو آگے چل کر نہ صرف خلقِ خدا کے لیے نفع بخش ثابت ہوں بلکہ ساتھ ہی خالقِ کائنات کو بھی راضی کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔

---

(۱) مرتب کتاب ہذا

اِس تحریر میں ہم اِس بات پر غور کرنے کی کوشش کریں گے کہ دور حاضر میں شاہِ ہمدان کے افکار کی روشنی میں کس قسم کا ایک نظامِ تعلیم وضع کیا جا سکتا ہے اور اگر آپ کی نگارشات سے ایک تعلیمی نصاب کشید کیا جائے تو اُس کے خدوخال کیا ہوں گے؟

عصر حاضر سائنسی تحقیقات اور مادی ترقی کا دور ہے اور انسان نے علم کے تقریباً ہر میدان میں حیرت انگیز بلندیاں سر کی ہیں۔ آج اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سائنس، ادب، سماجیات، سیاسیات، معاشیات وغیرہ جیسے مضامین نہ صرف پڑھائے جاتے ہیں بلکہ ان پر مزید تحقیق بھی کی جاتی ہے۔ ان علوم کو سماج کی ضروریات کے مطابق متعارف کر کے طلبا کی ایک بڑی تعداد کو تیار کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے نظام تعلیم میں اخلاقی اور مذہبی علوم کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے اور یوں انسان کو مادی ترقی کے ساز و سامان سے لیس تو کیا جاتا ہے مگر اُسے انسانی اقدار سے مزین نہیں کیا جاتا۔ علمی و سائنسی ترقی کے باوجود آج ہمیں جو سماجی بے راہ روی، خود غرضی، فحاشی و عریانی دیکھنے کو ملتی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اخلاقی اقدار کو نظام تعلیم سے بے دخل کر دیا ہے۔

دوسری طرف ہمارے یہاں مدارس کا بھی ایک نظام تعلیم موجود ہے جہاں مذہبی اور اخلاقی علوم تو سکھائے جاتے ہیں مگر جدید سائنسی علوم و فنون سے چشم پوشی کی جاتی ہے جس کے نتیجے میں ایسے لوگ منبر و محراب پر مسلط ہو جاتے ہیں جو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر جدید ذہن کو ایڈریس نہیں کر پاتے جس سے نہ صرف مذہب کے متعلق غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں بلکہ ساتھ ہی مذہبی طبقوں کے ساتھ مکالمہ کی فضا پیدا نہیں ہو پاتی۔ ان مدارس کے سلسلے میں ہمیشہ جدید طبقہ یہ کہہ کر مطعون کرتا رہا ہے کہ ناکارہ پیدا کیے جا رہے ہیں، ایسے افراد تیار کیے جاتے ہیں جدید دور میں جن کا کوئی مستقبل نہیں بلکہ وہ سماج کے لیے ایک بوجھ ہیں۔ دراصل تعلیمی نظام میں دینی و عصری توازن پیدا کرنا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے اور اُسی چیز کی طرف حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

اگر آپ اُن کے تعلیمی سفر کو دیکھیں تو اُنھوں نے کمسنی میں ہی علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے فلسفیانہ نظریات سے بھی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر اُنھوں نے اپنے قلم سے نہ صرف مذہبی علوم کی خدمت کی بلکہ ساتھ ہی فلسفہ، سماجیات، عمرانیات اور ادبیات جیسے موضوعات پر بھی اپنی آرا پیش کیں اور مختلف قسم کے موضوعات پر کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ آپ روحانی و اخلاقی اقدار کے اندر اندر عقلی علوم کی تحصیل پر بھی خوب زور دیتے ہیں۔ اُن کے رسائل جیسے رسالہ عقلیہ، فراستنامہ، انسان نامہ، رسالہ حفظان صحت، آداب سفرہ عقلی علوم کے ساتھ

آپ کی گہری وابستگی کو ظاہر کرتے ہیں۔عصر حاضر کے تعلیمی نظام میں جو جامعیت پائی جاتی ہے اُس کی ایک جھلک شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی کتب میں خوب دیکھنے کو ملتی ہے۔آپ نے قرآنی مطالب، احادیث، سیرت، تصوف وعرفان، اَسرار ورُموز، اخلاقیات، صحت وطب، حکمت مدنی وعدالت درفلسفہ سیاسی جیسے اہم موضوعات پر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ اگر فکرِ شاہِ ہمدان کی رہنمائی میں ایک نصاب مرتب کیا جائے تو وہ انتہائی جامع ہوگا۔اُس میں زبان، مذہبی علوم، اخلاقیات، فلسفہ، ادب وشاعری، طب، سماجیات، معاشیات وغیرہ ہر قسم کے مضامین سالکین کو سکھائے جائیں گے۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ علوم کو دینی اور دنیوی دو حصوں میں تقسیم نہیں کرتے۔وہ بس علم نافع اور علم غیر نافع کی تقسیم کرتے ہیں۔جس علم سے اللہ کی معرفت حاصل ہو اَور خلقِ خدا کو فائدہ پہنچے وہ محمود ومطلوب ہے اور جو علم انسان کو گمراہی اور فسق وفجور میں مبتلا کردے اور خلقِ خدا کے لیے ضرررَساں ہو وہ مذموم اور غیر مطلوب ہے۔شاہ ہمدان کی نظر میں اخلاقی تعلیم (MORAL EDUCATION) ایک فرد کے لیے لازمی ہے اور یہی علمِ علم نافع ہے جو دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی کام آئے گا۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے نزدیک وہ علم محمود نہیں جو فرد کو خود کفیل نہ بنائے، اِس لیے وہ پیشہ ورانہ تعلیم (VOCATIONAL EDUCATION) پر بھی خصوصی توجہ دیتے ہیں۔اس موضوع پر اُن کی کتاب ''معاش السالکین'' خاصی اہمیت کی حامل ہے جس میں وہ سالکین وطالبین کو دُرویشی کے ساتھ ساتھ رِزقِ حلال کے حصول کی تلقین کرتے ہیں اور اِس سلسلے میں اُنھوں نے عملی طور پر بھی صنعت وحرفت کو خانقاہی نظام تربیت کا ایک جزولاینفک بنادیا۔یہی وجہ ہے کہ جو سات سو افراد آپ نے اپنے ساتھ کشمیر لائے وہ راہ سلوک کے مسافر ہونے کے ساتھ ساتھ باہنر وباصلاحیت افراد تھے یوں شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے (SKILL BASED EDUCATION) کا ایک خاکہ پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کا تعلق کمسنی سے ہی خانقاہی نظام تعلیم کے ساتھ رہا اَور وہ خود بھی اُسی نظام سے فارغ ہوکر میدان عمل میں آئے۔چوں کہ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر لکھتی ہیں:

''[آپ کے مرشد] اَخی علی دوستی کے حضور دُرویش صبح کی نماز اَور اَوراد کے بعد جسمانی محنت کرتے۔اگر کوئی ایسا کام ہوتا جس میں دینی یا دنیوی مصلحت ہوتی وہ انجام دیتے وگرنہ فرماتے کہ دُرویش یہ پتھر اُس مقام تک لے جائیں، پھر کہتے یہاں سے وہاں لے جائیں۔اسی طرح وہ مختلف متعدد مقامات پر پہنچائے گئے، سید علی ہمدانی بھی اُن میں شامل تھے۔''(۲)

اِسی نظام کو اُنھوں نے اور اُن کے فرزند میر محمد ہمدانی نے بھی فروغ دیا۔خانقاہی نظام

میں ایک سالک کے لیے گھر اور گرد وپیش کے ماحول سے دور رَہ کر ایک خانقاہ میں شیخ کی دیکھ رِیکھ میں مقیم ہوکر رَہنا پڑتا ہے اور اُس کو ضبطِ نفس کے گر سکھا کر اُس سے سلوک کے منازِل طے کرائے جاتے ہیں۔ ایک خانقاہ عصرحاضر کی اصطلاح میں ایک مکمل روحانی ٹریننگ اسکول (SPIRITUAL TRAINING SCHOOL) ہوا کرتا تھا جہاں سے قابل افراد تیار ہوکر اپنی صلاحیتوں سے معاشرے کو مستفید کرتے۔ چوں کہ انسان کے کردار پر سب سے زیادہ اَثرات تربیت اور ماحول ڈالتے ہیں۔

یہ دونوں عوامل اپنا اپنا اَثر رکھتے ہیں لیکن ماحول کا اَثر زیادہ غالب آتا ہے۔ کیوں کہ انسان کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر ہی گزرتا ہے۔ تربیت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، ماحول کا کچھ نہ کچھ اَثر ہرصورت ہوتا ہے لیکن تربیت اچھی ہوئی ہوتو بُرے ماحول کا اَثر فرد پر بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اِن حقائق کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہے کہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے افکار کے مطابق اگر ایک تعلیمی نظام یا نصاب مرتب کیا جائے تو اُس میں تربیت کو ترجیح دی جائے گی اور اِقامتی تعلیم (RESIDENTIAL EDUCATION) پر زور دیا جائے گا کیوں کہ اُسی سے باہنر، باصلاحیت اور باکردار اَفراد تیار کیے جاسکتے ہیں جو سماجی انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ اِس سلسلے میں ڈاکٹر شمس الدین احمد لکھتے ہیں:

''[میر سید علی ہمدانی نے] مبلغین وسالکین کو ایک معتدل اور قابل عمل تربیت دے کر ایک منظم اخلاقی قانون کے پابند بنادیا جو رُوح وجسم کے درمیان ایک اعتدال پر قائم تھا، یعنی روحانی تربیت کے علاوہ اُن کو جسمانی تربیت سے بھی بہرہ ور کیا تھا اور اُس جسمانی مشقت میں اُن کو مختلف ضروری صناعتوں سے بھی روشناس کیا تھا تاکہ آئندہ کے متعدد انفرادی اور اجتماعی تبلیغی سفروں میں جماعتی خدمت دین میں کوئی خلا اور رَخنہ نہ رہے، بےخوابی کی عادت تو اُن کو رَاتوں کی عبادت میں تھی ہی، لیکن گھوڑسواری، تیراکی، جنگی فنون سے شناسائی، درس وتدریس اور مواعظ حسنہ کی تشویق، مطالعہ کتب اور خطاطی، معماری اور طبابت، داروسازی اور زِراعت میں تخصص ہونے کے فنون ومہارتوں سے بھی وہ بھرپور واقفیت رکھتے تھے۔''(۳)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی زندگی اور کتب (بالخصوص رسالہ حفظان صحت) کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ جسمانی ورزش اور سیر وسیاحت پر خاصا زور دِیتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ سفر میں گزارا۔ اُن کی زندگی حدیث مبارکہ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ (دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی اجنبی یا راہ گیر ہو) کی ایک عملی مثال نظر آتی ہے اور اُنھوں نے تین بار ربع مسکون کا پرصعوبت سفر کیا۔ لہٰذا تعلیم جسمانی (PHYSICAL EDUCATION) کو

بھی اُن کی نظر میں کافی اہمیت ہوگی۔ وہ سمانی کھیل کود کو بھی اچھی نظر سے دیکھتے ہیں، جیسا کہ رسالہ ''حفظان صحت'' میں وہ لکھتے ہیں: ''جو کوئی مشقت نہیں کرتا اُس کی تھوڑی اور معمولی بھاگ دوڑ اَور حرکت سے غذائی مواد تحلیل ہوجاتے ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے اُسی طرح جو سخت محنت کا عادی ہو جب وہ حرکت و مشقت اور رِیاضت کو ترک کرے تو وہ بھی بیمار ہوجاتا ہے۔''(۴)

مزید آگے لکھتے ہیں: ''حرکت کرنے، بوجھ اُٹھانے اور دوڑ لگانے میں حفظانِ صحت کو عظیم فائدے ہیں۔...ان باتوں میں ان لوگوں کی پیروی کرنی چاہیے جو اِن باتوں کے عادی ہوتے ہیں...جیسے خوب پیدل چلنا، کمان کھینچنا وغیرہ۔''(۵)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی نظر میں مکمل تعلیم وہی ہے جو سالک کو ایک طرف خالق کی بندگی سکھائے اور دوسری طرف خدمت خلق (SOCIAL SERVICE) پر بھی اُبھارے۔ آپ کا تصوف اہل فتوت کا تصوف ہے، یعنی اہل اُخوت کا، جوان مردی کا اور سخاوت و مروت کا۔

ڈاکٹر شمس الدین احمد کے الفاظ میں فتوّت اِس طرز عمل کا نام ہے: ''جس کی غرض و غایت مفلوک الحال لوگوں کی جراحتوں پر دستگیری اور لطف و شفقت کا مرہم رکھنا تھا۔ دردمندوں، مسکینوں، محتاجوں کے حق میں بخشندگی اور کارسازی اور اُفتادہ بیکسوں اور بے سرپرست حاجت مندوں کی مدد کرنا تھا۔ آپ نے یہ تربیت بھی اپنے ہی مرشد بزرگوار سے پائی تھی اور خود آپ اپنے مریدوں اور اِرادت مندوں کو اَخی! (اے بھائی) کے خطاب سے ہی مخاطب کر کے دینی اُخوت کی تبلیغ کرتے۔''(۶)

اللہ جل مجدہٗ ہمیں اپنا تعلیمی نظام شاہِ ہمدان کے پسند کردہ خطوط پر چلانے کی توفیق بخشے۔

حوالہ جات

۱۔ بحوالہ مقدمۂ کتاب ''ہمارا نصاب تعلیم کیا ہو؟ از مولانا سلمان حسینی ندوی، ص: ۲۵

۲۔ سید میر علی ہمدانی: ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر: شیخ محمد عثمان تاجران کتب، ص: ۲۶

۳۔ شاہ ہمدان: حیات و کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، ص: ۳۹۹

۴۔ مجموعہ رسائلِ شاہ ہمدان: رسالہ حفظانِ صحت، مترجم: غلام حسن حسنو، ہارون بکس اینڈ سپورٹس سنٹر، چپلو، ص: ۱۸۶

۵۔ مجموعہ رسائلِ شاہ ہمدان: رسالہ حفظانِ صحت، مترجم: غلام حسن حسنو، ہارون بکس اینڈ سپورٹس سنٹر، چپلو، ص: ۱۹۰

۶۔ شاہ ہمدان: حیات و کارنامے، ڈاکٹر شمس الدین احمد، ص: ۴۲۸

●●●

میرا امتیاز آفریں[۱]

عقل وشعور کی ماہیت واَفادیت:
رسالۂ عقلیہ کی روشنی میں

صوفیائے کرام میں حضرت شاہِ ہمدان کی فکر پر سب سے زیادہ اَثرات جن شخصیات کے دیکھنے کو ملتے ہیں اُن میں حجۃ الاسلام امام غزالی سرِ فہرست ہیں۔ ذخیرۃ الملوک ہو یا منہاج العارفین، رسالہ خواطریہ ہو یا رسالہ دہ قائدہ، رسالہ الطالقانیہ ہو یا چہل مقامِ صوفیہ، شاہ ہمدان کی اکثر تصانیف میں امام غزالی کی تصانیف جیسے ''احیاء العلوم'' اور ''کیمیائے سعادت'' کا رنگ خوب دیکھنے کو ملتا ہے۔ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے نہ صرف اُن سے مضامین اَخذ کیے ہیں بلکہ اُن کے دلنشین اندازِ تحریر کو بھی اپنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جہاں تک رسالہ عقلیہ کا تعلق ہے تو یہ ''احیاء العلوم'' کی ''کتاب عجائب العقل والقلب'' سے ماخوذ ہے، حتیٰ کہ کچھ مقامات پر عبارات کی اِتنی مماثلت دیکھنے کو ملتی ہے کہ ایسا لگتا ہے جیسے ''احیاء العلوم'' کو سامنے رکھ کر اُسے تحریر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے، اِس رسالے میں عقلِ انسانی کی حقیقت، اُس کے فضائل اور اُس سے متصل دیگر لوازمات پر مدلّل انداز میں بحث کی گئی ہے۔ صوفیا کے بارے میں اکثر یہ غلط تأثر دیا جاتا ہے کہ وہ عقل کی مخالفت کرتے ہیں اور اُسے معرفتِ الٰہی میں حجاب تصور کرتے ہیں مگر شاہ ہمدان اِس الزام کی جڑ کاٹتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان کے تمام مخلوقات میں اشرف المخلوقات ہونے کی اَصل وجہ عقل ہے۔ اُن کے نزدیک اللہ نے انسان کو جن مخصوص اور اہم نعمتوں سے نوازا ہے اُن میں ایک خاص اور ممتاز نعمت عقل وفہم اور شعور واِدراک بھی ہے۔ قدیم اَدوار میں عام طور پر اِس بات پر یقین کیا جاتا تھا کہ فہم وفراست کا مدار عقل پر ہے اور جذبات

---

(۱) مرتب کتاب ہذا

واحساسات کا مرکز قلب یعنی دل ہے مگر شاہ ہمدان کے نزدیک روح، قلب اور نفس دراصل عقلِ انسانی کے ہی مختلف نام ہیں۔ وہ سہل بن عبداللہ تستری کے اس قول کو نقل کرتے ہیں:

لِلْعَقْلِ اَلْف اِسْم وَلِکُلِّ اِسْم اَلْف اِسْم (۱)

یعنی عقل کے ہزار نام ہیں اور ہر ہر نام کے مزید ہزار نام ہیں۔

رسالہ عقلیہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں عقل کی فضیلت آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ اور آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت کی گئی ہے۔ اِس سے یہ لطیف اشارہ ملتا ہے کہ شاہِ ہمدان عقل پر نقولِ شرعیہ کو برتر و بالا سمجھتے ہیں اور عقل کی فضیلت بھی اَوّلاً قرآن وحدیث سے ہی ثابت کرتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی چار آیات کو سرنامہ سخن بناتے ہیں جن میں انسانوں کو تدبر وتفکر پر اُبھارا گیا ہے: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۝۱۹۰ (آل عمران)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب ورُوز کی گردش میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

قرآنی آیات کے بعد ۱۷احادیث نبویہ سے اِستشہاد کرتے ہوئے دینی لحاظ سے عقل کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ آغاز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اِس حدیث سے کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان نے عقل جیسی کوئی چیز کسب نہیں کی کہ یہ اُس کی رہنمائی کرتی ہے اور اُس کو گمراہی سے بچاتی ہے۔ جب تک عقل کامل نہ ہو آدمی کا ایمان اور دین پر اِستقامت کامل نہیں ہوتی۔'' (۲)

اِس سے اُس تصور کی غلطی واضح ہوتی ہے جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ عقل دین کے مخالف ہے۔ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ عقل کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ وہ نصوص کے تابع رہ کر عقلِ نافع بن جائے۔ عقل اَپنے دائرے میں رہے تو اِنسان کو عروج عطا کرتی ہے کہ یہ عقل ہی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان خلافت کا مستحق قرار پایا۔ مگر ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ عقل کا دائرہ محدود ہے اور اُسے مختلف مراحل پر وَحی کی رہنمائی کی حاجت رہتی ہے۔ عقل وہ طاقت ہے جس کی بدولت انسان جان لیتا ہے، تمیز کرنا سیکھتا ہے اور اِدراک کرلیتا ہے۔ وحی کی بدولت انسان سرحدِ ادراک سے باہر نکل کر غیبی حقائق (جنت، دوزخ، برزخ، ملائکہ وغیرہ) کے بارے میں علم حاصل کرلیتا ہے اور یہ علم پیغمبروں کی وساطت سے لوگوں تک پہنچتا ہے۔

دوسرے باب میں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ عقل کے اسما وصفات کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور حکما (PHILOSOPHERS) اور عرفا (MYSTICS) کے عقل کے بارے میں اقوال

ونظریات پر کلام کرتے ہوئے اُن کے باہمی اختلاف کو ظاہر کرتے ہیں۔ عام حکما کے نزدیک عقل قوتِ اِدراک (REASON) ہے مگر عارفین اُسے عقلِ سلیم سے تعبیر کرتے ہیں اور اُسے ہدایت وحکمت کے حصول میں اہم ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حکما کے نزدیک عقل کے ۹ رَاَسما ہیں:

عقلِ نظری، عقلِ مکتسب، عقلِ ہیولائی، عقلِ عملی، عقلِ مستفاد، عقلِ منفعل، عقلِ فعال، عقلِ کل اور عقلِ مفارق۔

اِسی ضمن میں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ مخلوق اَول کے بارے میں وارد مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ دراَصل قلم، روح اور نور عقلِ انسانی کے ہی مختلف نام ہیں، اِس سے اُن کی حدیث فہمی کا پتا چلتا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''اِن اَسما کے اِطلاق کی مختصر وجہ یہ ہے کہ نص حدیث میں اِن چار چیزوں کا مخلوق اَوّل ہونا ثابت ہے۔

۱۔ اول ماخلق اللہ العقل

۲۔ اول ماخلق اللہ القلم

۳۔ اول ماخلق اللہ رُوحی

۴۔ اول ماخلق اللہ نوری

کشفی، شرعی اور عقلی علوم کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق اَوّل صرف ایک جوہر ہے۔ مگر کیوں کہ حدیث نبوی سے ایک سے زائد تعداد ثابت ہوتی ہے جب کہ جوہر کی ذات میں تعداد کا اِثبات ممکن نہیں ہے۔ پس اِس لیے صفات میں تعدد کی ضرورت ہوئی نسبت و اِضافات میں تعدد سے ذات میں تعدد لازم نہیں آتا۔'' (۳)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب عقل کے ہی مختلف صفاتی نام ہیں اور ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ''التدبیرات الالٰہیہ فی اصلاح مملکۃ الانسانی'' میں تصریح کرتے ہیں کہ مملکت وجودِ انسانی میں عقل وزیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ کچھ اِسی طرح شاہِ ہمدان بھی عقل کو وَزارت کے قابل سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''مملکت آفاقی میں یعنی اُمور معنوی کی تدبیر، تصریف اور مقاصد دنیوی کے اَسباب تقدیر سب اُسی (عقل) کے سپرد ہیں۔'' (۴)

عقل کو اُس کا صحیح مقام (خلافت ووَزارت) دینے کا بہترین ثمرہ دورِ حاضر میں یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قسم قسم کے سائنسی، صنعتی اور تمدنی وسائل اور اِیجادات سے آراستہ کر رہا ہے اور

تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

رسالہ عقلیہ کے تیسرے باب میں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کسب عقل میں لوگوں کے مراتب کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک عقل صرف اُسی چیز کا نام نہیں جو پیدائشی طور پر ہر انسان کو ملتی ہے بلکہ عقل سلیم حاصل کرنے کے لیے انسان کو جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اس مقام پر وہ قران مجید کی اِس آیت سے آغاز سخن کرتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴿۶۹﴾ (عنکبوت)

ترجمہ: جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم اُنھیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔

اُن کی نظر میں عقل کا طبعی اور تربیتی طور پر متوازن ہونے کو عقل سلیم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: العقل عقلان، مطبوع مسموع، ولا ینفع مسموع، اذا لم یك مطبوع، کما لا ینفع ضوء الشّمس وضوء العین ممنوع۔ (۵)

ترجمہ: عقل دو قسم کی ہے: عقل طبعی یعنی جو طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے اور عقل سمعی یعنی وہ جو لوگوں سے باتیں سن کر حاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص فطرۃً عقل سے کورا ہو تو سن کر حاصل کی ہوئی عقل اُسے کچھ فائدہ نہیں دیتی، جیسا کہ سورج کی روشنی اندھے کے لیے بے فائدہ ہوتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: **اَلعقل** اس قوت کو کہتے ہیں جو قبول علم کے لیے تیار رہتی ہے اور وہ علم جو اُس قوت کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے، اُسے بھی عقل کہہ دیتے ہیں اور اِمام غزالی ''احیاء العلوم'' میں لکھتے ہیں: والعقل منبع العلم ومطلع وساس والعلم یجری من مجر الثمر من الشجر والنور من الشمس والرؤیم من العین فیف لا یشرف ما و وسیل السعاد فی الدنیا والآخر و یف یستراب فی۔ (۶)

ترجمہ: عقل علم کا منبع ہے۔ علم عقل سے اِس طرح پھوٹتا ہے جس طرح درخت سے پھل، سورج سے روشنی اور آنکھوں سے بینائی۔ تو وہ چیز (عقل) کیوں کر اُفضل و برتر نہ ہوگی جو دنیا اور آخرت میں نیک بختی کا وسیلہ ہے اور پھر کیسے اس پر شک کیا جاسکتا ہے۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''عقل کے ساتھ علوم کی نسبت ایسی ہے جیسے آنکھ کی بینائی کے لیے اَلوان و اَشکال کا نظر آنا۔ اُس سے متعلق تعریفات اِلٰہی اور تحسین نبوی ایسی ہے گویا نور آفتاب کی نسبت نور بصارت کے ساتھ۔ جس طرح نور بصارت کے لیے اَلوان و اَشکال نور آفتاب کے بغیر نظر آنا ممکن نہیں اُسی طرح جوہر عقل بھی اَسرارِ وحی و الہام کے اَنوارِ اسرار کی روشنی کے بغیر سعادت ابدی اور کمالات سرمدی کے حقائق کا اِدراک نہیں کرسکتا۔'' (۷)

دورِ حاضر میں سائنسی ترقی کے لیے جو اہمیت تجربات (EXPERIMENTS) کو دی جاتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، شاہِ ہمدان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قسم سوم کثرت تجربہ (Extensive Experimentation) کے ذریعے علم مستفاد ہے کیوں کہ ہر شخص کو حوادث زمانہ کے شکنجے سے واسطہ پڑتا ہے اور اُس کا نفس آزمائش کی بھٹیوں میں تہذیب پاتا ہے، لہٰذا یقیناً اُس شخص کے مقابلے میں اُس کی دانائی اور دانشمندی میں اضافہ وترقی زیادہ ہوتی ہے جس نے دستِ روزگار سے شربت ناکامی نہ پیا ہو اور اپنوں و بیگانوں کی راہ سے دکھ سکھ نہ دیکھا ہو۔''(۸)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''عقل کی انتہائی رسائی ہے جس کے ذریعے یہ معاملات کے انجام کا مشاہدہ کرتی ہے اس کی مدد سے درجات روحانی کی سعادت اور قرب ربانی کی لذت میں غور و تامل کرتا ہے اس کی بدولت حرمان ابدی اور خسران سرمدی کی رسوائی و گرفتاری اور پردۂ محرومی میں غور و فکر کرتا ہے اور قوت عزم کے ذریعے طریقِ سعادتِ اُخروی اختیار کرتا ہے، شہواتِ نفسانی کی رکاوٹوں اور حظوظ جسمانی کے گرد و غبار سے خود کو بچاتا ہے۔''(۹)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے نزدیک ہر قسم کا خیر عقل کی بدولت ہے مگر ساتھ ہی وہ اس بات کے قائل ہیں کہ خیر وہی شے ہے جو شرعی تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھے۔ وہ اِس باب میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: ''حضرت ابوذر ردار روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا اَبَاذَرٍّ دَا ! ازدد عقلا تزدد من رّبك قرباً۔

ترجمہ: عقل بڑھاؤ وہ تجھے رب کے قریب کردے گی۔

اُنھوں نے عرض کی یارسول اللہ! (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں ایسا کیسے کروں؟ فرمایا: ''محرمات الٰہی سے بچو، اَوامر پر عمل کرو تم عقلمند ہو جاؤ گے، اعمال صالحہ بجالاؤ، دنیا میں سربلندی و عزت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب و عزت پاؤ گے۔''(۱۰)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے نزدیک عرفا کے نزدیک بھی عقل کی ۹ قسمیں ہیں: روح، قلب، نفس، نور، لوح، قلم، روح نبوی، روح ملکی، روح قدسی۔

آخر میں شاہ ہمدان رحمہ اللہ اِس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ کچھ حقائق عقل وفہم سے بھی ماورا ہوتے ہیں اور پھر رَسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے اِستنباط کرتے ہیں: لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا وّلبيكيتم كثيرا۔

ترجمہ: جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو کم ہنسو گے اور زِیادہ روؤ گے۔

ساتھ ہی وہ ایمان کو عقل پر ترجیح دینے اور فلسفیوں اور نظریہ سازوں سے بچ کر کتاب

وسنت میں تدبر وتفکر کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اِس قسم کا اِنتباہ کتاب وسنت کے علوم کا نتیجہ ہے جن کا ظاہر ترغیب ترہیب کا موجب اور باطن تحذیر (خوف دلانا) وتخویف کا مورث ہے نہ کہ فلاسفہ کے ہذیانات اور نظریہ سازوں کے خرافات کا علوم رسمی۔ یہ طے ہے کہ علمِ فلسفہ وحکمت کے تجربات سے سنگدلی اور محرومی کے سوا کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ متکلمین واُدبا کی اصطلاحات یاد کرنے سے سوائے عجب، بددماغی اور شیخی بگھارنے کے کچھ نہیں ملتا۔'' (۱۱)

اپنے وقت کے دنیا پرست علما جو خود کو عقلمند تصور کرتے ہیں، کی تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''انصاف کی نظر سے اس زمانے کے علما کو دیکھیں، اُن میں سے اکثر خواہشاتِ نفسانی کی تدبیر اور اَسبابِ دنیوی کی تحصیل، مال وجاہ اور غرور وشہوات کے اہتمام میں لگے ہوئے ہیں نہ کہ اُمورِ دین کی اِصلاح اور مقاماتِ اہلِ یقین کے حصول میں۔'' (۱۲)

وللاٰخرۃ عند ربّك للمتّقين انّ العاقل هو المتّقيّ وان كان في الدّنيا خسيساً۔

ترجمہ: اللہ کے ہاں انجامِ نیک متقین کے لیے ہے۔ بے شک عقلمند ہی متقی ہے اگرچہ دنیا میں وہ رسوا اور پست کیوں نہ ہو۔

حوالہ جات

۱۔ مجموعۂ رسائل شاہِ ہمدان رسالہ عقلیہ، مترجم: ہارون بکس اینڈ سپورٹس، ص: ۹۶

۲۔ محولہ بالا، ص: ۸۵

۳۔ ایضاً، ص: ۹۵

۴۔ ایضاً، ص: ۹۶

۵۔ ایضاً، ص: ۹۰

۶۔ مفردات القرآن از علامہ راغب اصفہانی، مترجم: محمد عبدہ فیروز پوری، جلد، ۲، ص: ۱۵۳

۷۔ مجموعۂ رسائل شاہِ ہمدان رسالہ عقلیہ، ہارون بکس اینڈ سپورٹس، ص: ۱۰۰

۸۔ محولہ بالا، ص: ۱۰۰

۹۔ محولہ بالا، ص: ۹۹

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۰۵

●●●

میر اِمتیاز آفریں(۱)

خانقاہِ معلیٰ: کشمیر کا ثقافتی و رُوحانی مرکز و محور

خانقاہ اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں صوفیا و درویش گوشہ نشینی اختیار کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ خان''بمعنی بزرگ اور''قاہ'' بظاہر''گاہ'' فارسی کا بگاڑ ہے اور اِس کے معنی بنتے ہیں: بزرگ یا سردار کے رہنے کی جگہ۔ منشی عبدالرحمن لکھتے ہیں:

''خانقاہ فارسی لفظ ہے جس کے معنی تربیت گاہ کے ہیں، جہاں تزکیہ نفس اور صحت واَخلاق کی عملی تعلیم دی جاتی ہے۔''(۱)

جہاں تک شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو وہ خود کو صوفیا کے ایک خاص طبقہ اہل فتوت میں سے شمار کرتے تھے جس میں''خدمت'' کو بنیادی اُصول کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور اُس سے وابستہ لوگ خانقاہوں اور صوفیوں کی سرایوں میں ہجوم کی صورت میں مشائخ کی زیرنگرانی تربیت اور رُشد و ہدایت پاتے۔ سالکین کے احوال و افعال پر شیخ خانقاہ کی نگرانی ہوتی تھی اور اُن سے مختلف خدمات لی جاتی تھیں۔ ذکر و اذکار، ریاضت و چلہ کشی رائج تھی۔ صوفیا ایک دوسرے سے ملاقات کرتے اور فیض پہنچاتے اور رَاہِ سلوک کے منازل شیخ کامل کی رہنمائی میں طے کرتے ہیں۔

گویا ایک خانقاہ موجودہ زمانے کی اِصطلاح میں ایک مکمل روحانی ٹریننگ اسکول (SPIRITUAL TRAINING SCHOOL) ہوا کرتا تھا جہاں سے قابل اَفراد تیار ہو کر اپنی صلاحیتوں سے معاشرے کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ چناں چہ اپنے جلیل القدر اَساتذہ کی روش اختیار کرتے ہوئے شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے بھی خانقاہوں کی تعمیر و ترویج میں کافی دلچسپی دکھائی اور دعوت دین اور سماجی اصلاح کے لیے کئی روحانی تربیت گاہوں کا قیام عمل میں لایا۔

---

(۱) مرتب کتاب ہذا

شاہِ ہمدان کشمیر میں اپنے قیام کے دوران تبلیغ دین کے پیش نظر کشمیر کے اکثر قصبوں میں پہنچے اور وہاں لوگوں کو دین مبین سے فیضیاب کیا۔ جن قصبوں اور گاؤں میں اُنھوں نے تبلیغ اسلام کے لیے قیام کیا اُن میں سے بعض قصبوں اور گاؤں میں اُن کے فرزند اَرجمند میر محمد ہمدانی نے بعد میں خانقاہیں تعمیر کیں اور اُن ہی تعمیر شدہ خانقاہوں کو کشمیر کے اکثر لوگ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ سے منسوب کرتے ہیں۔ بظاہر جناب میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے علاوالدین پورہ میں واقع موجودہ خانقاہ معلیٰ کی جگہ پر اُس وقت کے سرکاری مسافر خانہ میں قیام کیا تھا جس کو بعد میں سلطان قطب الدین بادشاہِ کشمیر نے ڈھا کر نماز اَدا کرنے کے لیے صفہ قائم کیا تھا جہاں حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمہ اللہ، سلطان قطب الدین اور اُس کے ارکان دولت وغیرہ نماز خمسہ ادا کرتے تھے... مسافر خانہ کی جگہ پر قائم شدہ صفہ پر بعد میں حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے فرزند اَرجمند جناب میر محمد ہمدانی نے ایک خانقاہ تعمیر کی جو خانقاہ معلیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمہ اللہ نے اُس صفہ کے بغیر کشمیر میں کوئی خانقاہ خود تعمیر نہیں کرائی ہے۔(۲)

حضرت میر محمد ہمدانی نے اپنی کاوشوں سے خانقاہ معلیٰ سمیت خانقاہ اعلیٰ ترال، خانقاہ اَمیریہ پامپور، خانقاہ والی وچی اور خانقاہ امیریہ منگہامہ وغیرہ کا قیام عمل میں لایا۔ اُن سب میں مرکزیت اور اِنفرادی شان رکھنے والی خانقاہ بلاشبہ خانقاہ معلیٰ ہے جو آج بھی اپنے انوار بکھیر رہی ہے۔ اس خانقاہ کے بارے میں ڈاکٹر گلزار مفتی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

THIS IS NOT ONLY A PLACE OF WORSHIP FOR KASHMIRIS BUT ALSO REPRESENTS MORE THAN SIX HUNDRED YEARS OF OUR HERITAGE.(3)

ترجمہ: یہ کشمیریوں کے لیے ایک عبادت گاہ ہی نہیں بلکہ ہمارے چھے سو سالہ تاریخی ورثے کی علامت ہے۔''

خانقاہ معلیٰ کا شمار کشمیر کی ہی نہیں بلکہ ہمالیائی خطے کی اولین مساجد میں ہوتا ہے۔ شہرِ سری نگر کے بیچوں بیچ دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر واقع یہ خانقاہ اپنی تاریخی، ثقافتی اور رُوحانی اہمیت کے پیش نظر غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں ہزاروں اَفراد سال بھر بلا لحاظ مذہب وملت مختلف علاقوں سے آ کر حاضری دیتے ہیں اور رُوحانی سکون پاتے ہیں۔ یہاں عرفان کے متلاشیوں کو عجیب کیفیات سرشار کرتی ہیں اور وہ بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہو کر رحمت ومغفرت کی بہاریں لوٹتے ہیں۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی مخصوص مسجد، نشست گاہ، نماز گاہ، عبادت گاہ، دینی ومعنوی اور

روحانی وتبلیغی مرکز یہی جگہ تھی اور یہیں سے آفتاب اسلام کی کرنیں پھوٹیں تھیں اِس لیے حضرت میر محمد ہمدانی نے عزم کیا کہ یہاں پر ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کی جائے۔ اِس طرح سلطان سکندر کے عہد حکومت میں میر محمد ہمدانی کی کاوشوں سے اس خانقاہ کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ خانقاہ اور اُس سے ملحقہ جائداد کو اُس کے مالکوں سے خریدا گیا۔ حضرت میر محمد ہمدانی نے خانقاہ معلیٰ کے اخراجات کو مستقل بنانے کے لیے سلطان سکندر سے تین گاوں (وچی، نون ونی، ترال) کی جاگیر وقف کے طور پر حاصل کی اور اُس وقف کے عوض آپ نے سلطان سکندر کو وہ لعل بدخشان دیا جو آپ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ سلطان نے وقف نامہ کی تصدیق کی جس کی نقل آج بھی محفوظ ہے۔ تعمیر کا کام ۷۹۸ ہجری مطابق ۱۳۹۶ عیسوی میں شروع ہوا اَور ۷۹۹ ہجری مطابق ۱۳۹۷ عیسوی میں تکمیل کو پہنچ گیا۔ منقول ہے کہ شیخ العالم علمدارِ کشمیر شیخ نورالدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ اِس تعمیر میں ذاتی طور پر حصہ لینے کی خاطر سری نگر میں قیام پذیر ہوئے اور ہر رُوز ایک مزدور کی طرح مصروف کار رَہے۔

تعمیر مکمل ہونے کے بعد اُسے ایک رُوحانی تربیت گاہ میں تبدیل کیا گیا، یہاں ذکر وفکر کے حلقے قائم ہوئے، علم وعرفان کے دور چل پڑے، مسافروں اور محتاجوں کے لیے ایک پناہ گاہ بن گئی اور بھوکوں کو لنگر خانہ میسر آیا۔ اُس کے رکھ رکھاؤ کے لیے ایک انتظامیہ تشکیل دی گئی، امام، مؤذن، اَورَادخوان، فاتحہ خوان، فراش، چراغی وغیرہ کی تقرری ہوئی۔ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کشمیر آتے ہوئے اپنی کتابیں ساتھ لائے تھے، سید محمد قاضی کو کتاب خانہ کا نگران بنایا گیا تھا، آپ کی وفات کے بعد یہ خدمت ملا احمد کو تفویض ہوئی اور خانقاہ معلیٰ میں اس کتاب خانہ کا فیضان بھی جاری ہوا۔

تعمیر کے ۸۰ رسال بعد حسن شاہ شاہمیری کے عہد حکومت میں خانقاہ معلیٰ کی عمارت کو آگ کے ایک حادثے میں کافی نقصان ہوا اَور مشکل سے تبرکات کو بچا لیا گیا۔ اُس کے بعد بادشاہ نے ۸۸۵ ہجری مطابق ۱۴۸۰ عیسوی میں تعمیر نو عمل میں لائی۔

سلطان غازی چک کے دور میں پھر سے آگ کے ایک حادثے میں خانقاہ کو نقصان پہنچا اور سلطان کی بہن صالحہ موجی نے اَپنے زیورات، ساز وسامان اور جہیز کی چیزوں کو بیچ کر خانقاہ معلیٰ کی تجدیدِ تعمیر میں خرچ کر کے اُسے دومنزلہ بنوایا۔

اِس واقعے کے تقریباً دوسو سال بعد، مغلیہ عہد حکومت میں ۱۱۴۴ ہجری مطابق ۱۷۳۱ عیسوی میں ایک بار پھر سے آگ کے حادثے میں عمارت کو شدید نقصان پہنچا اور صوبیدار نواب ابوالبرکات خان نے ۱۱۴۶ ہجری مطابق ۱۷۳۴ عیسوی میں اُس کی تجدیدِ تعمیر کے لیے عملی اقدام کیا اور قدیم تعمیر سے بھی زیادہ خوب صورتی اور اِستحکام کے ساتھ تعمیر نو کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔

افغان دور حکومت میں ۱۲۰۷ ہجری مطابق ۱۷۹۵ عیسوی میں صوبیدار میر ہزار خان نے

خانقاہ کی دیواروں پر ''اَورادِ فتحیہ'' اور ''کبریت اَحمر'' کے کچھ اَجزا کندہ کروائے۔(۴)

سکھ دورِ حکومت (۱۸۱۹-۱۸۴۶ء) میں کمانڈر فولا سنگھ نے کچھ غیر مسلموں کی اِیما پر خانقاہ معلیٰ کو ڈھانے کے لیے اُس کے اِردگرد توپ خانہ نصب کیا۔ جب لوگوں کو پتا چلا تو اُن میں ہیجان پیدا ہوا۔ اُنھوں نے فولا سنگھ کو اِس بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے کالی شری مندر کو ڈھا کر خانقاہ تعمیر کی ہے۔ مسلمانوں نے اُن شر پسندوں سے ثبوت مانگا مگر وہ ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے کیوں کہ اُن کے سنسکرت مؤرخین کلہن، جون راج، شری ور، پراجیہ بٹ اور شک پنڈت نے اپنی اپنی تاریخ میں کالی شری نام کے کسی مندر کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی اُس عہد کے دیگر ہم عصر مؤرخین نے۔ اُس کے برعکس مسلمانوں نے غیر مسلموں کے اس بے بنیاد الزام کو رَد کرنے کے لیے خانقاہ معلیٰ کی لائبریری میں محفوظ سلطان سکندر کا وثیقہ نامہ اور میر محمد ہمدانی کا وقف نامہ پیش کیا جو ہرن کی کھال پر لکھے گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر فولا سنگھ لاجواب ہو گیا اور اُس نے خانقاہ معلیٰ سے توپ خانے ہٹا لیے اور معترضین کے منہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئے۔(۵)

۲۰۱۴ عیسوی کے تباہ کن سیلاب کے نتیجے میں خانقاہ معلیٰ کی عمارت اور اُس کی بنیاد کو کافی نقصان پہنچا اور لکڑی کے ستون بھی کافی کمزور پڑ گئے، جس سے اس ثقافتی ورثے کے تلف ہونے کا شدید اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ ماضی قریب یعنی ۱۵ رنومبر ۲۰۱۷ عیسوی کی ایک شب بجلی گرنے سے خانقاہ کو ایک بار پھر سے جزوی نقصان پہنچا، لوگوں کی مستعدی کی وجہ سے تبرکات کو بچا لیا گیا اور خانقاہ کی چھت کو شدید نقصان پہنچا جسے بعد میں جلد ہی مرمت کے ذریعے درست کیا گیا۔

جہاں تک فنِ تعمیر کا تعلق ہے خانقاہ معلیٰ وسطی ایشیا کے فنِ تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ خانقاہ کی طرف زائرین باب الاسلام سے داخل ہوتے ہیں جس کے بالکل سامنے خانقاہ کی دومنزلہ عمارت ہے، یہاں سے بالکل سِدھ میں مرکزی عبادت خانہ ہے۔ اندر دَاخل ہونے کے لیے ایک منقش دروازہ بنایا گیا ہے۔ لکڑی کی تختہ نما دیواروں پر آیات قرآنی واَدعیہ سے دلکش انداز میں نقاشی کی گئی ہے اور فنِ خطاطی کا خوب مظاہرہ کیا گیا ہے۔ سامنے محراب ہے جہاں اِمامت، وعظ و تبلیغ اور خطبہ جمعہ کے فرائض انجام دیے جاتے ہیں۔ پورا عبادت خانہ اندر سے اِسلامی فنِ تعمیر اَور کشمیری نقاشی کے اعلیٰ فن کا ایک کم نظیر نمونہ ہے۔ خانقاہ کی دومنزلہ عمارت کی اُوپر کی ساری منزل لکڑی کی بنی ہے۔ خانقاہ کی مزین چھت تہہ بہ تہہ پانچ چھتوں پر مشتمل ہے اور اُن کے اُوپر ایک بالا خانہ ہے جس کے اُوپر ایک اُونچا مینار نما ستون ہے جو تکونی صورت میں ہر طرف سے ڈھکا ہوا ہے اور اُس کے اُوپر کلس لگایا گیا ہے جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ اُس تکونی شکل کے مینار نما بستہ و بند صورت نے خانقاہ کو کشمیر کے قدیم طرزِ تعمیر کے نمونہ کی شکل دی ہے۔(۶)

عبادت خانہ کی جنوبی وشمالی دیوار کے متصل سات سات چھوٹے کمرے (چلّہ کوٹھریاں) بنائی گئی ہیں جن کو ریاضت ومراقبہ کے لیے اِستعمال کیا جاتا تھا اور اَب رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کے لیے اِستعمال کیا جاتا ہے۔

شمالی دیوار کے اَگلے حصے میں ''حجرہ خاص'' موجود ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں پر حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ عبادت وریاضت فرمایا کرتے تھے۔ اُسی کے پاس ایک الماری ہے جس میں کچھ تبرکات موجود ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے کا ایک ستونِ مبارک اور علم شریف جو شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے شیخ محمد اَذکانی سے حاصل کیے تھے۔ تاریخ حسن اور وَاقعات کشمیر میں درج ہے کہ کشمیری عوام اس حجرے اور اُن تبرکات کو اِجابت دعا کی جگہ اور فیض وبرکت کا وسیلہ جانتے ہیں۔ یہاں پر حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کا عصائے مبارک بھی محفوظ رکھا گیا ہے۔

آثار وتبرکات کی تاریخی، ثقافتی اور روحانی اہمیت مسلم مگر شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی اصل میراث اُن کے افکار ونظریات اور اُن کا رُوحانی فیضان ہے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی عارفین ومعتقدین کے سینوں میں جلوہ اَفروز ہے۔ بقول سعدی:

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مَجو

در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ما

ترجمہ: وفات کے بعد میری قبر زمین میں تلاش مت کرنا، کیوں کہ عارف لوگوں کے سینوں میں میرا مزار ہے۔

حواشی

١۔ بحوالہ خانقاہی نظام اور اِجتماعی نظام پر اُس کے اثرات اَز اَمان اللہ بھٹی، ص: ٢٦

٢۔ شیرازہ شاہِ ہمدان نمبر (حضرت شاہ ہمدان سے منسوب خانقاہیں)، غلام رسول بٹ، جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ص: ١٩٠-١٩١

٣ ۔Khanqah-i-Moalla & Shah-i-Hamdan:Dr Gulzar Mufti: Ali Mohammad & Sons:P22

٤۔ شاہِ ہمدان: حیات اور کارنامے اَز ڈاکٹر شمس الدین احمد، حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز، ص: ٩٣٤

٥۔ شیرازہَ شاہ ہمدان نمبر (حضرت شاہ ہمدان سے منسوب خانقاہیں)، غلام رسول بٹ، جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ص: ٢٠٠

٦۔ شاہِ ہمدان: حیات اور کارنامے اَز شمس الدین احمد، شیخ غلام محمد اینڈ سنز، ص: ٩٣٩

●●●

میر اِمتیاز آفریں([1])

دبستانِ فتوت اور حضرت شاہِ ہمدانؒ

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
(شیخ سعدیؒ)

فارسی لغت میں لفظ ''فتوت'' کے معنی مردانگی، جواں مردی، غیرت، حمیت، بخشش، سخاوت، فیاضی اور فراخدلی کے ہیں۔(۱)

اِصطلاح میں فرد کے اخلاقی اور رُوحانی نشوونما پانے اور ذہنی پختگی پانے پر لفظ فتوت کا اطلاق ہوتا ہے۔ انسانی نفس بلوغت پا کر ذہنی اور جسمانی صحت کے لحاظ سے اپنی زندگی کے بہترین دور میں قدم رکھ کر مرتبہ کمال تک پہنچ جاتا ہے اور ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے اپنے حقوق و ذمہ داریوں کو سنجیدگی سے سمجھنے لگتا ہے، اس مرحلۂ حیات کو فتوت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ صوفیائے کرام کے لیے یہ کچھ خاص نظریات اور رُسومات کے ساتھ معاشرے اور اِنسانوں کی خدمت کی ایک شکل تھی۔ فتوت میں اسلام کے اخلاقی اور بہبودی پہلوؤں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور غربا، فقرا و مساکین کی خدمت و دل جوئی کے ساتھ ساتھ ظلم وستم اور اِستحصال کے خلاف آواز اُٹھانے کا عزم کیا جاتا ہے۔ سلوک میں فتوت ایک انتہائی وسیع مقام ہے جو حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کے باہمی استظہار سے وجود میں آتا ہے۔

فتوت کے تمام طریقے عام طور پر اَمیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہیں اور صوفیا کی ایک بڑی جماعت نے باقاعدہ فتوت کو ایک طرزِ عمل کے طور پر اَپنایا

([1]) مرتب کتاب ہذا

ہے جن میں شیخ ابوحامد احمد خضرویہ، شیخ عمر بن سلمہ حداد نیشاپوری، شیخ علاوالدولہ سمنانی، شیخ اشرف جہاں گیر سمنانی اور شاہِ ہمدان میر سید علی ہمدانی رحمہم اللہ جیسی شخصیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کبروی سلسلہ میں جذبۂ اُخوت و برادری کا دوسرا نام فتوت ہے اور اَذکار و رِیاضت کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کی تربیت بھی سالکین کو دی جاتی تھی کبرویہ سلسلے کی خانقاہوں کے خلفا ایک دوسرے کو ''اخی'' (بھائی) کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔

فتوت تصوف میں سالکوں کی ایک روش ہے جس میں تمام انسانی فضائل اور اَخلاقی عظمت کا حصول لازمی ہے۔ فتوت فقر کا ایک جزو اَور ولایت کا ایک حصہ ہے۔ فتوت میں سالک سخاوت، عفت، امانت، شفقت، حلم، تواضع اور تقویٰ سے متصف ہوتا ہے۔

اگرچہ فتوّت کے موضوع پر کئی صوفیائے کرام نے باقاعدہ کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں جن میں شیخ السلمی کی کتاب ''الفتوت''، علاوالدولہ سمنانی کا ''رسالۃ فی الفتوۃ''، شہاب الدّین سہروردی کی کتاب ''الفتوۃ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مگر شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے اِس موضوع پر ایک منفرد رِسالہ ''فتوتیہ'' تحریر فرمایا جو موضوع، زبان اور اُسلوبِ تحریر کے لحاظ سے انتہائی دلکش و دِلچسپ ہے اور خصوصی اَہمیت کا حامل ہے۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے باقاعدہ طور پر تحریک فتوت چلائی اور اُس کتاب کے ذریعے اِس موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرما کر سالکین کے لیے ایک دستور العمل وضع فرمایا۔ علاوہ اَزیں آپ اپنے مکتوب بنام سلطان محمد شاہ بن سلطان خان اور رِسالہ بہرام شاہیہ جو صلواتیہ اور اِسرار صلوٰۃ سے بھی موسوم ہے، میں نماز کے اَسرار اَور حقیقی معنوں میں نماز کی ادائیگی کا طریقہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ تمام عبادات اِن دو اَصل سے مل جاتے ہیں:

۱۔التعظیم لامر اللہ ۲۔الشفقۃ علی خلق اللہ

اَوّل الذکر میں تمام جسمانی عبادات جیسے نماز و رُوزہ، مالی عبادات جیسے زکوٰۃ و فطرہ اور جسمانی و مالی دونوں عبادات جیسے حج و جہاد وغیرہ آتے ہیں، جب کہ ثانی الذکر میں ہر قسم کی رِفاہی اور فلاحی کام آتے ہیں۔ (۲)

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے فتوت کو تصوف کا معادل قرار دیا ہے چوں کہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا (انگریزی) میں بھی اِس کی طرف صریح اشارہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''ایرانی مسلک اخیّت (اُخوّت تصوف) پر ایک اور قوی تر شاہد اِیران کے ایک بڑے شیخ و صوفی امیر سید علی بن شہاب الدّین ہمدانی ملقب بہ علی ثانی کی کتاب ''رسالہ فتوتیہ'' ہے۔ اُنھوں نے اِس رسالے میں تصوف اور فتوت کو یکساں جانا ہے اور صاحب فتوت کو ''اَخی'' (میرا بھائی) کہا ہے۔ (۳)

فتوت مکارم اخلاق کے تمام درجات پر محیط ہے مگر اُس پر زیادہ تر حقوق العباد اَور خدمتِ خلق کا رنگ غالب ہے۔ اہلِ فتوت خدمتِ خلق کو ایک الگ ڈسپلن (Discipline) کے طور پر دیکھتے ہیں اور اُخوت و مساوات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ عجز و اِنکساری کے پیکر ہوتے ہیں اور خاص تو خاص عام لوگوں کو بھی ''اخی'' (بھائی) کہہ کر بلاتے ہیں۔ وہ صرف اَخی کہہ کر بلانے کے قائل نہیں بلکہ ساتھ ہی اُخوت کی ذمہ داریوں کو نبھانے پر بل دیتے ہیں۔

جیسا کہ شاہِ ہمدان ''فتوت'' کا ذکر کرتے ہوئے اِس رسالے میں فرماتے ہیں:

''چنداں کہ طاقت داری وجودِ خود را بسببِ خیر و احسان و واسطہ راحتِ بندگان حق سازی بر بساطِ احسان۔'' (۴)

ترجمہ: جتنا آپ اپنے وجود میں طاقت رکھتے ہو بندگان خدا کی بھلائی اور اُن کو آرام وراحت پہنچانے کا ذریعہ بن جاؤ۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ ''فتوت'' کے صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگرچہ فتوّت کے صفات بہت ہیں لیکن تمام صفتوں کی بنیاد چار اَرکان پر ہے جو گویا فتوت کی جان ہیں اور اُن چاروں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ چار چیزیں یہ ہیں، مثلاً:

۱۔ طاقت و اِقتدار میں ہوکر دَرگزر کرنا
۲۔ غصے میں بُردباری سے کام لینا
۳۔ دشمن کے ساتھ نیکی کرنا
۴۔ خود اِحتیاج کے باوجود دُوسروں پر اِیثار کرنا

گویا فتوت کی صفات حقوق عبادت سے تعلق رکھتی ہیں، اِسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب مخلوق اللہ کے عیال ہیں اور اَللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی وہ ہے جو اُس کے عیال کو فائدہ پہنچائے... ''اَخی'' اخلاق کی بلندیوں سے موصوف ہوتا ہے اور پسندیدہ خصلتوں سے آراستہ اور مزین۔ ''اخی'' بوڑھوں کی عزت کرتا ہے، جوانوں سے نصیحت کے ساتھ پیش آتا ہے، بچوں سے شفقت برتتا ہے، کمزوروں اور ناتوانوں پر رحم دل ہوتا ہے، مسکینوں سے سخاوت، علما سے حرمت و عزت، ظالموں کے ساتھ عداوت، بدکاروں کے ساتھ نفرت و حقارت، لوگوں کے ساتھ احسان و مروت، حق کے ساتھ عاجزی و انکساری، نفس سے جنگ، عوام سے صلح و صفائی، لالچ سے مخالفت اور شیطان سے جنگ کے ساتھ پیش آتا ہے۔ (۵)

صوفیائے کرام کے واقعات زندگی اور تصنیفات کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ خدمتِ خلق

کی جوصورتیں ممکن ہیں،اُن پراُنھوں نےعمل کر کے دکھلایا ہے۔اُن کی تمام زندگیاں خدمت خلق کے لیے وقف تھیں۔وہ کسی کوتکلیف میں دیکھتے تو دل پریشان ہوجاتا،بھوکوں کا خیال آتا تو لقمے حلق سے نیچے نہیں اُترتے تھے،کسی بھی حاجت مند کو دیکھتے تو اُس کی مدد کو دَوڑتے،کسی بیمار کو دیکھتے تو اُس کی صحت کے لیے فکرمند ہوجاتے۔دراَصل صوفیائے کرام نے خدمت خلق کو اَپنا سب سے اہم فریضہ بنالیا تھااور یہی جذبہ فتوت کی صورت میں ظاہر ہوااَوراُسی کی ترویج واشاعت میں شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے گراں قدر کام انجام دیا۔جدید مادی دور میں اِس بات کی افادیت بڑھ گئی ہے کہ فکرِ شاہ ہمدان کی روشنی میں ''جذبہ فتوت واُخوت'' کو پھر سے بیدار کیا جائے اور اِنسان دوستی وہمدردی کی مثال قائم کر کے ایک مثالی معاشرہ وجود میں لایا جاسکے۔

''رسالہ فتوتیہ'' کے کئی نسخے آج بھی دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ضرورت اِس بات کی ہے کہ عصری وجدید زبانوں میں اِس کے تراجم کیے جائیں تاکہ نوجوان نسل اِس سے مستفید ہوسکے۔

حوالہ جات

۱۔فیروزاللغات:فارسی-اُردو،ص:۷۶۶

۲۔ماہنامہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل شمارہ:۹ ۱۳،ص:۲

۳۔بحوالہ شاہ ہمدان:حیات اور کارنامے اَز ڈاکٹر شمس الدین احمد،ص:۵۱۸

۴۔بحوالہ سید میر علی ہمدانی،سیدہ اشرف ظفر،ص:۲۶۸

۵۔بحوالہ شاہ ہمدان:حیات اور کارنامے از ڈاکٹر شمس الدین احمد،ص:۲۱۶

ڈاکٹر محمد تنویر حیات(۱)

تعلیماتِ شاہِ ہمدانؒ: معاصر عالمی منظر نامہ کی روشنی میں

کشمیر میں اِسلام کی منظم اشاعت کی طرف سب سے پہلے حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے توجہ فرمائی۔ اگر چہ اُن سے قبل کئی دوسرے صوفی مبلّغوں، مسلمان تاجروں اور سیّاحوں نے کشمیر میں بہت پہلے اِسلام متعارف کرایا تھا، تاہم اسلام کی باضابط تبلیغ اور چپے چپے میں اُس کی اشاعت کی ذمہ داری حضرت اَمیر نے ہی قبول کی تھی، اُن کے وَرُودِ کشمیر کے زمانے میں جو مسلمان کشمیر میں موجود تھے وہ اِسلامی معاشرت اور اسلامی فکر سے نا آشنا تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی سرزمین بدھ مت اور ہندو دھرم کا گہوارہ تھی۔ اس ماحول میں اسلامی علوم وفنون کا نام لینا بھی مشکل تھا۔ یہاں جو صوفی مبلغین وارد ہوتے تھے، اُن کی تبلیغی کاوش خالص خاموش دعوت وتربیت اور دُرویشانہ زندگی گزارنے تک محدود تھی۔ یہ صرف حضرت امیر کبیر کی خداداد بصیرت کا نتیجہ تھا جنھوں نے پہلے یہاں کے حالات کا مطالعہ کیا اَور پھر غور وفکر کے بعد اِسلامی انقلاب یقینی بنانے کے لیے اِنقلابی قدم اُٹھائے۔ اُنھوں نے نہ صرف یہاں کے باشندوں کو اِسلام کی جانب کامیاب دعوت دی بلکہ ساتھ ساتھ یہاں کی ثقافت ومعاشرت کا رُخ موڑنے کا بھی سامان بھی کیا۔ اُنھوں نے اُس مقصد کو پورا کرنے کے لیے وسطِ ایشائی ممالک سے سیکڑوں علما اور صوفیا کو اَپنے ساتھ لایا اور اُنھیں کشمیر کے چپے چپے میں پھیلا کر اَپنے مدعا کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ آج کی اِس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں جہاں ایک طرف Sceince اور Technology نے دنیا کو ایک گھر یا خاندان بنایا ہے اور انسان کے اُن خوابوں کو بھی شرمندۂ تعبیر کرنا شروع کیا ہے جن کو محض خواب ہی تصوّر کیا جاتا ہے، تو دوسری طرف عالمِ انسانیت کو اَیسے اَفسوسناک وتشویشناک مسائل کا بھی سامنا ہے جس نے اِنسانی ترقی کے عمل کو نہ صرف روک رکھا

(۱) مدیر ماہنامہ المصباح، کشمیر

ہے بلکہ اُس سے تنزّلی کی طرف لے جاتی ہے۔ان مسائل میں سماجی نفرت،تشدّد، دہشت گردی، حقوق انسانی کی پامالی، عالمی معاشی بحران، Depression اُور مادّہ پرستی کے بطن سے جنم لینے والے مسائل نیز اَخلاقی اقدار میں گراوٹ اور آزادی اظہار رَائے سب سے اہم ہیں۔ اِس مضمون میں اُنہی مسائل کا صوفیانہ حل ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت میر سید علی ہمدانی نے اپنی کتاب''ذخیرۃ الملوک''میں لفظ **مسلمان**،**مومن**،**مجاہد** اور**مہاجر** کی جامع تعریف سے متعلق حضرت فضالہ بن عبید سے مروی یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

وَعَنْ فُضَالَۃَ بْنِ عُبَیْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَآءِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ وَالْمُجَاھِدُ مَنْ...نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللہِ عَزَّوَجَلَّ وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَاجَرَ الْخَطَا یَا وَالذُّنُوْبَ۔(۱)

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رَوایت کرتے ہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی بدزبانی اور دست اندازی سے دوسرے بھائی سلامت رہیں،اور مومن وہ ہے کہ لوگ اس کے ظالمانہ حملوں اور لوٹ کھسوٹ کے حیلوں سے بےفکر اَور بااَمن ہوجائیں اور مجاہد وہ ہے جو عبادت الٰہی کی تلوار ہاتھ میں لیے اپنے نفس کا مقابلہ کرتا رہے اور اُس کی بیہودہ خواہشات کو دباتا رہے اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں سے ہجرت کرے۔

سلامتی،تشدّد سے نہیں صرف محبت اور صرف شفقت سے ہی ممکن ہے۔یہی اسلام کا فلسفہ ہے،اور یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔لفظ **انسان**،اُنس یعنی محبت سے ماخوذ ہے،محبت کا جذبہ نکال دو تو انسان انسان نہیں رہتا۔اسلام سلامتی سے ماخوذ ہے۔سلامتی کا عنصر غائب ہوجائے تو مسلمان کی تعریف پوری نہیں ہوتی۔لفظ **مومن**،اَمن سے وابستہ ہے،اگر ہم اَمن کو عزیز نہ رکھیں اور اَمن کی پاسداری نہ کریں تو اَپنے آپ کو مومن کہلانا بےمعنی ہے۔لفظ **مجاہد** کی صوفیانہ تشریح ''رسالہ درویشیہ''میں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی اپنی زبان مبارک سے سنو،صحیح حدیث میں امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب ہم غزوۂ خیبر سے واپس لوٹ آئے تو رَسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:مَرْحَبًا بِقَوْمٍ قَدْ غَزَوْا وَبَقِیَ جِھَادُ الْاَکْبَرِ۔

ترجمہ: اُن غازیوں کے لیے خوش آمدید جنھوں نے جنگ کیا لیکن بےشک اَبھی اُن کے لیے جہاد اَکبر دَرپیش ہے۔

صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاد اَکبر کیا ہے؟ فرمایا:

جِھَادُ النَّفْسِ جَاھَدَ نَفْسَہُ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْہِ۔

ترجمہ: یہ نفس سے جہاد کرنا ہے جو دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔(۲)

مزید آگے فرماتے ہیں: ''جو کوئی بھی اِس جہاد کی دولت سے محروم رہا اُسے چاہیے کہ اپنے دین کا ماتم کیا کرے، مسلمان ہونے کا دعویٰ چھوڑ دے۔

آج ہم محض قتال کو جہاد سمجھ بیٹھے ہیں، یہ جہادِ اَصغر ہوسکتا ہے اگر تمام شرائط پوری ہوں، جہادِ اَکبر تو نفسِ اَمّارہ کے خلاف جہاد کا نام ہے۔شاید ہم اَصل روحِ اسلام کو کہیں بھلا بیٹھے ہیں۔ مسلمان کی پہچان تو سلامتی کی دعا ''السّلام علیکم'' سے ہوتی ہے نہ جانے آج ہماری پہچان کیا بن گئی ہے؟ سلامتی اور اَمن آشتی کی اُس روح کو دوبارہ زندہ کرنے یعنی بالفاظِ دیگر مسلمان اور مؤمن کی عینیت (Essence) کو حیات نو بخشنے کے لیے حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی تعلیمات سے اَمن عالم کا ایک تین نکاتی Formula اَخذ کیا جا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر دنیا میں جتنی بے چینی، بداَمنی، تشدّد پسندی اور اِنتہا پسندی فروغ پا رہی ہیں وہ ان بنیادی نکات اور تعلیمات کی پاسداری نہ کرنی کی وجہ سے ہے۔اگر اِن تعلیمات پر ہم صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں تو نہ صرف اَمن عالم یقینی ہوگا بلکہ انسانی ترقی کے وہ اَہداف بھی حاصل کیے جا سکیں گے جن کو اَقوام عالم نے ایک ہزار سال کے لیے انسانی ترقی کے اَہداف کے طور پر پیش کیا ہے، مثلاً:

۱۔انسانی حقوق (Humman Rights) کی پاسداری ''جہاد بالنّفس ہے جو دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔''

۲۔اچھی حکمرانی (Good Governance)

۳۔تعلیم اَمن بذریعہ تزکیۂ نفس (Peace education through spiritual purification)

۱۔انسانی حقوق کی پاسداری (Human Rights)

صوفیائے کرام خصوصاً حضرت میر سیّد علی ہمدانی کی تعلیمات کا خلاصہ ہی حقوق العباد کی پاسداری کے ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی ہے۔حقوق العباد کے حوالے سے کتاب الفتوۃ میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں: اَلْخَلْقُ کُلُّهُمْ عِيَالُ اللهِ وَاَحَبُّهُمْ اِلَى اللهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهٖ۔

ترجمہ: تمام مخلوق عیال خداوندی ہیں اور اَللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز وہ آدمی ہے جو اُس کی عیال کو زیادہ فائدہ پہنچائے۔(۳)

آیات قرآنی، احادیث اور اَقوال اَولیا کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت میر سید علی ہمدانی فرماتے ہیں: ''پس اِن تمام اَقوال کے معانی سے معلوم ہوا کہ فتوت کے تمام مراتب اور اَوصاف میں حقوق العباد کی ادائیگی کو ترجیح دی گئی۔''(۴)

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب بنام شیخ محمد بہرام شاہ بن سلطان خان اِنتہائی جامع انداز میں انسانی حقوق کو اِنسانی رشتوں کے حقوق وفرائض سے واضح کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: ''اگر تو رُوزِ قیامت حضرت لا یزال سے معافی اور مغفرت کی توقع رکھتے ہو تو زندگی کی اِس فرصت میں جس قدر ممکن ہو اِنسانوں کے ساتھ عدل و اِحسان پر توجہ دو، نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اَپنے رعایا کے عمر رَسیدہ اَفراد کے ساتھ اپنے اولاد کی طرح عزّت کرو، جوانوں کو بھائی سمجھو، بچوں کے ساتھ والدین جیسی شفقت سے پیش آؤ، مظلوموں کا مددگار اَور ظالموں کا قاطع بن جاؤ۔'' (۵)

مزید آگے فرماتے ہیں: ''توبہ کرنے والوں کا ناصح، تابعداری کرنے والوں کا معاون، قول میں سچّا، عہد کا پکا، نعمت پر شاکر، مصائب پر صابر، عمل میں مخلص لیکن متواضع، جوانی میں پرہیزگار اَور خداشناس بن جاؤ، مستحق کا حق اُن تک پہنچاؤ۔'' (۶)

اِس خط میں اِرشاد ہوا ہے کہ جو کام تمہارے اُوپر لازم ہے پہلے خود بجالاؤ، پھر لوگوں کو اُس کی تعلیم دو۔ (۷)

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے نزدیک فسادات اور عداوت، صلح کی کوششوں اور فوری انصاف کی فراہمی میں تاخیر کا نتیجہ ہے۔ بالفاظ دیگر بر وقت صلح کی کوشش نہ کرنا، یعنی کسی معاملے کا گفت وشنید (Dialogue) کے ذریعے سیاسی حل تلاش نہ کرنا، فساد کی امکانات کو بڑھانے کا مؤجب ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ترجمہ: زمین میں اُس (کے ماحولِ حیات) کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اَگر تم (اُلُوہی پیغام کو) ماننے والے ہو۔ (۹)

حضرت اَمیر کبیر میر سید علی ہمدانی کے مطابق کسی بھی جھگڑے یا تنازع کی صورت میں صلح صفائی میں پہل کرنا، فساد اَور عداوت کو رُوکنے کا مؤثر طریقہ ہے۔ ''ذخیرۃ الملوک'' میں حضرت اَمیر فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کی باہمی صلح میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرے اور کھلے کھلے جھگڑوں کے فیصلہ میں دیر نہ کرے۔ ورنہ وہ معاملہ فساد اَور عداوت تک پہنچ جائے گا۔'' (۱۰)

یہاں نہ صرف صلح کی سماجی اَہمیت کا تذکرہ ہوا بلکہ فساد اَور باہمی عداوت کو صلح وصفائی اور عدل و اِنصاف میں تاخیر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اگر فوری انصاف یا صلح میسر نہ ہو تو شاید بہت بے چینیوں اور اُن کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تلخیوں اور فسادات سے انسان بچ سکتا ہے۔

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی نے عفو و دَرگزر اَور شخصی راز داری کو بھی انسانی حقوق میں

اہم مقام دیا ہے۔فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کے گناہوں کو ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرے اور کمزور رعایا کو ہر لغزش پر نہ ستائے، اور بقدرِ امکان لوگوں کی خطاؤں کو دَرگزر کرے اور لوگوں کے عیبوں کو پوشیدہ رکھے۔''(۱۱)

۲۔تعلیم اَمن بذریعہ تزکیۂ نفس اور طریقہ فتوت: حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے مطابق تزکیۂ نفس، یعنی صفائے باطن اور فتوت (جواں مردی) جو تحریک اخوانیات کے نام سے بھی موسوم کیے جاتے ہیں اُس کے ذریعے انسان کی ذمائم اخلاق کو ختم کرکے اُسے اخلاق حمیدہ اور محاسن اخلاق سے آراستہ کیا جاسکتا ہے۔تحمل، صبر، رواداری اور کسی سے نفرت نہ کرنے کا پیغام وہ اَبدی تعلیمات ہیں جو آج کی اَمن عالم (Global Peace) کے مسائل کو حل کرسکتی ہیں۔

حضرت میر سید علی ہمدانی ''رسالہ تلقینیہ''میں فرماتے ہیں: سالک کو چاہیے کہ

۱۔کسی بھی نیک یا بُرے آدمی پر لعن طعن نہ کرے۔

۲۔دوست یا دُشمن کسی کے حق میں بددُعا نہ کرے۔

۳۔لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہنے اور اُن کو افشا کرنے سے احتراز کرے، بلکہ ہر وقت اپنے عیوب کی طرف دھیان رکھے اور اُنھیں دور کرنے کی تدبیر کرتا رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: إِذَا أَرَادَاللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اَبْصَرَ بِعُيُوْبِ نَفْسِهٖ.

ترجمہ: جب اللہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اُسے اپنے نفس کی عیوب سے آگاہ ہونے کی بصیرت بخشتا ہے۔(۱۲)

طریق فتوت کے تحت محاسن اخلاق کی ترویج اور اَمن عالم کے لیے حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ ''کتاب الفتوۃ'' میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ فتوت وجواں مرودی کے چار اَرکان ہیں: اَلْعَفْوُ مَعَ الْقُدْرَةِ وَالْحِلْمُ فِيْ حَالِ الْغَضَبِ وَالنَّصِيحَةُ مَعَ الْعَدٰوَةِ وَالْاِيْثَارُ مَعَ الْحَاجَةِ. (۱۳)

۱۔اِنتقام لینے کی قوّت رکھنے کے باوجود دُشمن کو معاف کردینا۔

۲۔غصے کی حالت میں صبر سے کام لینا۔

۳۔اختلاف کے باوجود خیر خواہی کرنا۔

۴۔خود ضرورت رکھنے کے باوجود دُوسروں کو خود پر مقدم رکھنا۔

یہ ہیں تعلیماتِ حضرت میر سید علی ہمدانی۔اگر غور سے دیکھا جائے تو فتوت کے یہ چار ارکان Global Peace کی کنجی (Key) ہیں۔اَگر ہم حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے اِس فرمان کو اَپنی زندگیوں کا حصہ بنائے ہوتے تو شاید آج کشمیر کی صورت حال مختلف ہوتی۔اگر ہم

وقت کے باوجود معافی کو اِنتقام پر ترجیح دیتے، اپنے غصے کی حالت میں صبر کر سکتے اور اِختلاف کے باوجود خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تو نہ ہی ماضی قریب کی خوں ریز جنگوں کا سانحہ پیش آتا، نہ ہی عبادت گاہیں آگ کی نذر کی جاتیں (خان یار کی زیارت اور کُنڈ دیوسر کی زیارت شر پسندوں نے جلا کر را کھ میں تبدیل کیا)، نہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگتے اور نہ ہی منافرت کے بیج بوئے جاتے۔

آیئے آج کی اِس محفل کی وساطت سے حضرت میر سید علی ہمدانی کی رُوح مبارک سے عہد کریں کہ ہم قوت کے باوجود اِنتقام نہیں لیں گے، غصے کی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھ کر خود کو جوان مرد ثابت کریں گے، اختلافات کے باوجود خیر خواہی اور خیر سگالی کا جذبہ زندہ رکھیں گے۔

ہمارے ہاں اِنتہا پسند فرقہ وارانہ تعلیمات میں عموماً صرف اپنے فرقے کو ہی راست پر اور دیگر تمام مسالک کو گمراہ تصوّر کیا جاتا ہے اور سکھایا جاتا ہے۔ یہیں سے دیگر فرقوں اور مذاہب کے بارے ہیں نفرت اور معاندانہ اِحساسات پیدا ہوتے ہیں جو تشدّد پسندی پر منتج ہوتے ہیں۔ ابھی تک ہم بین المسالک ہم آہنگی پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے جب کہ بین المذاہب رواداری کی تعلیمات کے لیے اَبھی عرصہ درکار ہے۔ اگر ہم حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں تو نہ صرف بین المسالک اختلافات کی تہہ میں ایک خوب صورت ہم آہنگی نظر آئے گی، بلکہ بین المذاہب اور بین الملک رواداری کی انتہائی حسین تعلیمات ملیں گی۔

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے مطابق تمام مسالک اپنے اپنے طور پر حق تک رسائی کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ''رسالہ دہ قاعدہ'' میں حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلطُّرُقُ إِلَى اللهِ بِعَدَدِ الْاَ نْفَاسِ الْخَلَائِقِ۔ (۱۴)

ترجمہ: اللہ کی طرف جانے والے راستوں کی تعداد مخلوقات کی سانسوں کے برابر ہیں۔

انسانی رواداری کا درس دیتے ہوئے ''کتاب الفتوۃ'' میں حضرت فضل بن عیاض کا یہ فرمان نقل کیا ہے: ''جوان مرد وَہ ہے جو مہمان تمہارے دستر خوان سے کھا رہا ہے اُن کے ساتھ یہ فرق نہ رکھے کہ مومن ہے یا کافر، دوست ہے یا دشمن۔''

آگے فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ خدمت میں ایثار کے وقت اللہ کے بندوں کے ساتھ یہ اِمتیاز نہ رکھا جائے کہ جس کو وَہ کھلا رہا ہے مؤمن ہے یا کافر، دوست ہے یا دشمن، بلکہ اپنا ایثار برقرار رَکھے۔ (۱۵)

ایثار کے معاملے میں مذہب کی کوئی قید نہیں۔ جس طرح ایثار کے معاملے میں مذہب کی کوئی قید نہیں، بالکل اُسی طرح بنیادی انسانی حقوق میں بھی تمام انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا حکم ہے۔ رعایا کے حقوق کے حوالے سے ''ذخیرۃُ الملوک'' میں حضرت میر سید علی ہمدانی

رحمہ اللہ اِرشاد فرماتے ہیں: ''اہل فاقہ کے حالات سے غافل نہ ہو اَور کمزوروں اور عاجزوں کے فاقہ روکنے میں غفلت نہ کرے، اور یتیموں اور بیواؤں کی دل جوئی کو اَپنا فرض سمجھے۔''(۱۶)

غربت کے خاتمے (Eradication of poverty) کا یہ عالمی Agenda جس کو آج اقوامِ متحدہ (UNO) نے اپنے اہداف Millenium Development Goals میں پہلی ترجیح قرار دی ہے۔ میر سید علی ہمدانی کی صوفیانہ تعلیمات میں ۷۰۰ رصدیاں قبل موجود تھیں۔

بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے صوفیائے کرام کا یہی مسلک ہے۔ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے روحانی وارث حضرے شیخ نورالدین نورانی کشمیری نے اپنے کلام میں فاقہ کشوں کی مدد، یعنی غربت کے خاتمے کو مذہبی فریضہ تصوّر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''ناخیز اَور بے کسوں کی دستگیری منظم طریقہ پر اِسلامی سماج کا اجتماعی فرض ہے۔''(۱۷)

جس طرح زوالِ آفتاب کے ساتھ ہر عاقل بالغ مسلمان پر نماز ظہر واجب ہوتی ہے یا جس طرح رمضان کا چاند نظر آنے کے بعد ہر مسلمان عاقل، بالغ اور صحت مند شخص پر رُوزہ واجب ہوتا ہے بالکل اُسی طرح اگر کسی انسان کو فاقہ کشی کے عالم میں کوئی نظر آئے تو مسلمان پر واجب ہوجاتا ہے کہ خود اَپنی زندگی بچاتے ہوئے اُس کی مدد کریں اور جو کچھ بھی ہو اُس بھوکے انسان کی بھوک مٹانے کے لیے دے دیں۔

صوفیانہ تعلیمات کی رو سے یہ کوئی احسان نہیں بلکہ ہم پر عائد مذہبی فریضہ ہے۔

۳۔ انداز جہان بانی یا اچھی حکمرانی (Good Governance)

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے عوام کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کو بھی اپنے دائرۂ رُشد وہدایت سے باہر نہیں رکھا۔ جو حکمران بھی اُن کے رابطے میں آیا اُنھوں نے اُس سے یہ کہنے میں قطعاً گریز نہیں کیا کہ اُسے اپنی رعایا کے تئیں اپنے فرائض ادا کرنے چاہیے جو خدا نے اُس پر عائد کیے ہیں اور جس کے حضور رُوزِ قیامت اُسے جواب دہ ہونا ہے۔ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی کتاب ''ذخیرۃُ الملوک'' حکمران طبقے کے لیے ایک خوب صورت تحفہ ہے جس میں اچھی حکمرانی کے تمام اُصول بیان ہوئے ہیں۔ کسی بھی ملک کے اَمن واَمان اور ترقی وخوشحالی کا اِنحصار اُس ملک کی حکمرانوں پر ہوتا ہے۔ اگر حکمرانوں کے رویے انسان دوست اور اِنصاف پر مبنی ہو تو رِعایا مطمئن ہوں گے اور ملک میں اَمن واَمان قائم رہے گا جو ترقی کی راہ میں معاون ہوگی ورنہ معاملہ الٹا ہوگا۔

حضرت میر سید علی ہمدانی بادشاہی اور سلطنت کے درج ذیل شرائط بیان فرماتے ہیں:

شرط اَوّل یہ ہے کہ جو بھی واقعہ یا حادثہ پیش آئے بادشاہ اور حاکم اپنے آپ کو اُس حادثے میں رعایا سے ہی ایک تصوّر کرے جو کچھ اَپنے لیے پسند نہ کرے وہ کسی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کی حاجات کو پورا کرنے کو ہی بہتر عبادت سمجھے کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مومن کا دل خوش کر دینا انسانوں اور جنوں اور پریوں کی عبادت کے برابر ہے۔ پس مسلمان بادشاہ کے لیے یہ شرط ہے کہ محتاجوں کا ہمیشہ منتظر رہے۔ جب تک اُس کی حاجت کو پورا نہ کرے کسی عبادت میں مشغول نہ ہو۔(۱۸)

دیگر شرائط میں فرماتے ہیں: شرعی حکم دینے میں نرمی کرے اور بلاوجہ سخت گیری نہ کرے۔ اگر کوئی عذر پیش کرے تو اُس کو غور سے سُنے۔(۱۹)

خلقت کی خوشنودی کے لیے حکم اِلٰہی میں سستی اور نرمی نہ کرے اور لوگوں کی خوشنودی کے واسطے خدا اَور شرع کے مخالف نہ کرے۔(۲۰)

ضعیفوں اور زیر دستوں پر مہربانی کر کے اُن کا عزیز بن جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے اچھے بادشاہ وہ ہیں جو تم کو دوست رکھتے ہیں اور تم اُن کو، اور بُرے حاکم وہ ہیں کہ تم اُن کو دُشمن جانو اور وہ تم کو۔(۲۱)

اپنے نوکروں کی خیانت سے غافل نہ ہو، اور بھیڑیا صفت ظالموں کو بے چارے مظلوموں پر اَفسر نہ بنائے۔ جب ایک کا ظلم اور خیانت ظاہر ہو جائے تو اُس کا مواخذہ کرے اور سزا دے تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔(۲۲)

حکم دینے میں ترش روئی نہ کرے، اَمیر اَور غریب کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آئے اور ضعیفوں کے ساتھ نہایت نرمی سے بات کرے۔ زمانۂ حکومت میں انصاف کو مدِ نظر رَکھے۔(۲۳)

آیئے! اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ بطور مسلمان، بطور مؤمن، بحیثیت مجاہد، بحیثیت حکمران اور بحیثیت رعایا ہمیں کن تعلیمات کی ضرورت ہے اور ہم کس حد تک اُن تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، ایک لمحے کے لیے اِس پہلو پر غور و فکر کریں۔

حوالہ جات

۱۔ ذخیرۃُ الملوک قلمی مملوک

۲۔ رسالہ درویشیہ قلمی، ذاتی کتب خانہ

۳۔ کتاب الفتوۃ اَز میر سید علی ہمدانی، مترجم: عارف حسین سکردو، ۱۹۹۹ء

۴۔ ایضاً، ص: ۲۲

۵۔ مکتوبات میر سید علی ہمدانی بحوالہ حضرت شاہ ہمدان اور اِقبال اَز ڈاکٹر ریاض قادری، اقبال اکیڈیمی، پاکستان، ۱۹۸۵ء

۶۔ ایضاً

۷۔ایضاً

۸۔سورۃ الاعراف،آیت:۸۵

۹۔عرفان القرآن اَز پروفیسر طاہر القادری،ص:۲۴،دکن ٹریڈ یرس،حیدرآباد

۱۰۔ذخیرۃُ الملوک،مترجم:ڈاکٹر ریاض قادری،ص:۱۹۰،شیخ عثمان سری نگر،۱۹۹۸ء

۱۱۔ذخیرۃ الملوک،مترجم:پروفیسر شمس الدّین احمد،ص:۱۹،علی محمد اَینڈ سنز،سری نگر،۱۹۹۳ء

۱۲۔رسالہ تلقینیہ،قلمی نسخہ ذاتی

۱۳۔کتاب الفتوۃ،ص:۲۴

۱۴۔رسالہ دہ قاعدہ،مترجم:غلام حسن نوربخشی،شاہمدان پبلیکیشنز،اسلام آباد،۱۹۹۵ء

۱۵۔کتاب الفتوۃ،ص:۲۴

۱۶۔ذخیرۃ الملوک،ڈاکٹر ریاض قادری،ص:۱۹۳

۱۷۔حضرت شیخ العالم اور اِکیسویں صدی اَز اَسداللہ آفاقی،ص:۱۰۷،چرارشریف،کشمیر

۱۸۔ذخیرۃ الملوک،ڈاکٹر ریاض قادری،ص:۱۰۱

۱۹۔ایضاً،ص:۱۸۱

۲۰۔ایضاً،ص:۱۸۲

۲۱۔ایضاً،ص:۱۸۲

۲۲۔ایضاً،ص:۱۸۴

۲۳۔ایضاً،ص:۱۸۴

●●●

حنیفہ بلال(۱)

میر سید علی ہمدانیؒ: قرون وسطیٰ میں کشمیر کے مجددِ معیشت

تعارف: وادی کشمیر کو اپنی خوب صورتی کے لیے پوری دنیا میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ یہاں کے دلفریب مناظر، برف میں لپٹے کوہساراَور صدیوں سے بہتے آبشار دنیا بھر کے سیّاحوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے آئیں ہیں۔ خالق کائنات نے وادی کشمیر کو اِس قدر حُسن بخشا ہے کہ مغربی سیّاح فرانکوئس برنیئر (Francois Bernier) نے کشمیر کو *Paradise of east* (مشرق کی جنت) قرار دیا۔(۱) اورکسی شاعر نے یہاں تک کہہ دیا کہ

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است وہمیں اَست وہمیں است

جہاں قدرت نے وادی کشمیر کو اَپنے بے پایاں خزائن سے نوازا ہے وہیں یہاں کے باشندوں کو محبت، ایثار، مہمان نوازی، ملنساری، بھائی چارگی، رواداری اور خوئی دلنوازی کے علاوہ حق پسنداَور اَہل حق کے اَحترام وعقیدت سے سرشار فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر ہمیشہ سے ہی ریشیوں، پیروں، فقیروں، سَنتوں، عالموں، عابدوں، زاہدوں، شاعروں اور اَولیاء اللہ کا مرکز رہا۔ برزگانِ دین نے اِشاعت وتبلیغ دین کے لیے وادی کی فضا کو ہمیشہ سے ہی سازگار پایا۔ اِن بزرگوں کی محنت شاقہ سے ہی یہ چمن گلشنِ اسلام سے مہک اُٹھا اور کچھ ہی عرصہ میں اِس وادی کو حَدِیْقَۃُ الْمَشَائخ (پِرہ وار) کے نام سے پہچانا جانے لگا۔ یہ اِنھیں بزرگانِ دین کی صبر آزما سعی وجہد کا نتیجہ ہے کہ ہم آج مشرف بہ اسلام ہیں۔ ان بزرگانِ دین میں سرفہرست اللہ تعالیٰ نے جس عظیم ہستی کو قبولیت عامہ کے مقام سے سرفراز فرمایا وہ ہمدان سے تعلق رکھنے والے محسنِ کشمیر

---

(۱) ریسرچ اِسکالر: سینٹر آف سینٹرل ایشین اسٹڈیز، کشمیر یونیورسٹی

حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ ہیں۔

حضرت میر سید علی ہمدانی (۱۳۱۴-۱۳۸۵) جنھیں وادی بھر میں اُمیر کبیر وشاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک عظیم المرتبت عالمِ دین، رفیع الشان مصنّف، صاحبِ بصیرت صوفی، عارف باللہ، مجدد دین وملت، انقلابی مفکر، صاحبِ عزم وثبات، اصلاح کار، قائد ورہنما کے علاوہ عربی وفارسی اَدبیات کے مایۂ اِفتخار اَدیب اور شاعر تھے جن کی تعلیمات اور فکر ونظر نے کشمیر کے معاشرے اور اُس کی تہذیب وثقافت کے تمام پہلوؤں میں بہت ہی قلیل وقت میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی زندگی جوش وخروش اور توانائی سے معمور ہے، اُن کی پوری زندگی اِس بات کی گواہ ہے کہ وہ ہمیشہ باطل سے برسر پیکار رَہے اور صبر واستقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُنھوں نے مصیبت وآزمائش میں بھی کتاب وسنت کا علَم بلند رکھا۔ وہ ایک جیّد عالم دین کے علاوہ عارفِ حق آگاہ اور بزرگ صوفی تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین کی تبلیغ وترویج کے لیے وقف کر دی۔ اُمیر کبیر نے اپنی زندگی کے دوران کئی طویل سفر کیے، جن میں بدخشاں، شام، بغداد، روم، تبت، بیت المقدس، ترکستان، کاشغر، بلتستان اور کشمیر قابل ذکر ہے۔ اِن اسفار کا مقصد اَکابر علما، صلحا اور فقہا سے اِستفادہ اور تبلیغ دین تھا۔ نتائج کے اعتبار سے کشمیر کا سفر اِنتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اُمیر کبیر نے جس زمانے میں وادی کشمیر کا رُخ کیا اُس وقت ایشا کے اکثر ممالک میں تاتاریوں کی حکومت تھی اور ہندوستان پر تغلق خاندان راج کر رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وادی غربت وجہالت کے گہرے دلدل میں دھنسی جا رہی تھی، ذات پات کا کلچر اَپنے عروج پر تھا، اخلاقی سطح پر معاشرہ زوال وپستی کا شکار ہو چکا تھا، معیشت واِقتصادی صورت بکھر چکی تھی، خانہ جنگیوں کا رُجحان عام تھا اور خواتین کے حقوق کو پامال کر کے اُن کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ (۲) وادی میں جو قلیل تعداد مسلمانوں کی موجود تھی اُن کی دینی حالت بھی شریعت کے مطابق نہ تھی۔ اِس وبا سے اگرچہ عوام پوری طرح دوچار تھی لیکن حکمران طبقہ بھی اِس مرض سے اپنا دامن نہ بچا سکا، اُن میں بھی کئی غیر اخلاقی وغیر شرعی رسم ورواج عام تھے۔ سلطان قطب الدین ہندوؤں مذہب کا لباس زیب تن کرنے اور مندروں میں جانے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا تھا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے عقد میں دو حقیقی بہنیں تھی (۳) پھر اُمیر کبیر کے کہنے پر ہی اُنھوں نے ایک بیوی کو طلاق دے دی۔ (۴) معاشرے میں ستی (۵) اور دیودَاسی (۶) جیسے ہندوانہ رَسم ورواج کو قبولیت عامہ حاصل تھی۔ ایسے معاشرے کو وَاقعتاً ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی جو اُس بگڑے ہوئے معاشرے کی صحیح معنوں میں اصلاح کر سکے۔ چناں چہ اس موقع پر شاہ ہمدان ۱۴/صدی عیسوی میں ایک مسیحا، اصلاح کار اور مبلغِ اسلام کے طور پر وادی میں وارد ہوئے

اور یہاں کے مذہب وسیاست، تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت اور علم وفضل کے میدان میں تاریخ ساز اَور اِنقلابی تبدیلیاں رونما کی۔ اُنھوں نے وادی میں ہندوؤں، بودھوں اور دیگر مختلف مذاہب کے علما اور دانشوروں سے علمی مباحث کیے اور اُنھیں رُوحانیت کے راستے پر گامزن کیا۔ اَمیر کبیر کی لائی ہوئی تعلیم اور اُن کی شخصیت نے معاشرے میں رہنے والے تمام طبقات کو متأثر کیا۔ یہ اُن کی شخصیت کا ہی اَثر تھا کہ کچھ ہی عرصے میں ۳۷۰۰۰ سے زائد اَفراد نے اسلام قبول کیا۔ (۷) اور وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا حسین منظر وَادی میں دیکھا گیا۔

مشہور مؤرخ بمزائے *(P.N.K Bamzai)* کشمیری عوام میں بڑے پیمانے پر اِسلام قبول کرنے کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے: ''سیدعلی ہمدانی کی گہری علمی، فکری اور روحانی حاصلات و کمالات نے وادی میں اِسلام قبول کرنے کے عمل کو تیز کرنے میں کافی مؤثر رول ادا کیا۔'' (۸) اُن کی آمد کشمیر میں نئے عہد کی اِبتدا کا آغاز تھا جس سے کشمیر کی تاریخ نے فیصلہ کن طور پر ایک نئی سمت اختیار کی۔ اُنھوں نے وادی میں تصوّف کو ایک نئی جلا بخشتے ہوئے اِسے تمام غیر مذہب عقائد سے نجات دلائی۔ اُن کے مذہبی جوش وجذبے اور ناقابل تسخیر فکر نے کشمیری عوام کے طرزِ عمل کو تبدیل کرنے میں شاندار کردار اَدا کیا۔ اُن کی اَدبی شاہکار ''اَورادِ فتحیہ'' کشمیر میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی ''اذکارِ ماثورہ'' ہے۔ کشمیر میں اسلامائزیشن میں اپنی خدمات پیش کرنے کے علاوہ اَمیر کبیر نے یہاں کی معیشت واقتصاد کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے راہ ہموار کی اور وَسطی ایشیائی طرز پر مبنی وادی میں فنون لطیفہ کی بنیاد رکھی۔ وادی میں فنون لطیفہ اور دستکاری کے نتیجے میں نہ صرف مادِی و اقتصادی ترقی ہوئی بلکہ حلال آمدنی کے ذرائع میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

بلاشبہ، دنیا بھر میں اَمیر کبیر کی شخصیت پر سیکڑوں کتابیں، رسالے، مجلّات، تحقیقی مقالات اور مضامین لکھے جا چکے ہیں لیکن یہ مضامین زیادہ تر اُن کی زندگی، تصنیفات، روحانی کرامات، صوفیانہ فکر اَور سیاسی کردار کے متعلق ہیں، تاہم طویل عرصے سے ایک آرزو مسلسل قلب و ذہن میں گردش کر رہی تھی کہ ایک ایسا مضمون لکھا جائے جس میں اَمیر کبیر کی اُن خدمات پر روشنی ڈالی جائے جو اُنھوں نے بحیثیت مجددِ معیشت وادی کشمیر کے طول وعرض میں انجام دی ہیں۔ چناں چہ اس مضمون میں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے ذریعے وادی میں لائے گئے مختلف قسم کی دستکاریاں اور فنون لطیفہ کا جائزہ لیا جائے گا۔

کشمیر کی معیشت پر میر سیدعلی ہمدانی کے اَثرات: امیر کبیر ایک کثیر الجہتی شخصیت تھے۔ ایک عالم دین و مفکر ہونے کے علاوہ، وہ ایک مصلح کنندہ بھی تھے۔ یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ

جس وقت آپ کشمیر تشریف لائے اُس وقت آپ کے ساتھ سادات عظام کے ۷۰۰ رافراد بھی ہمرکاب تھے جو نہ صرف مذہبی مبلغین وواعظین تھے بلکہ دستکاری، مصوّری، خطاطی اور دیگر فنون لطیفہ و ہنرمندی میں اُنھیں کمال حاصل تھا۔(۹) یہ ۷۰۰ رنفوس قدسیہ کشمیر کی تاریخ میں اعلیٰ اور نمایاں مقام رکھتے ہیں جنھوں نے وادی کی تہذیب وثقافت پر گہرے مذہبی، معاشی اور اقتصادی اثرات چھوڑے جن سے سرزمین جموں وکشمیر آج بھی فیضیاب ہے۔ امیر کبیر نے نہ صرف دین اِسلام کو وَادی میں متعارف کیا بلکہ معاشی و اقتصادی خوشحالی کی راہ بھی ہموار کی۔ اُنھوں نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کشمیری عوام کو فنون لطیفہ سے متعارف کرایا جس میں قابل ذکر، شال بافی (Shawl Industry)، قالین بافی (Carpet Industry)، کارِقلمدانی (Paper Machie)، خطاطی (Calligraphy)، سنگ تراشی (Stone Work)، مسگری (Copper Work)، زَرگری (Silver work)، کڑھائی بنائی (Imbroidery)، کاغذگری (BookBinding) وغیرہ ہے۔

پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی کے مطابق: ''محمد یوسف ٹینگ، پروفیسر محب الحسن، حکیم غلام حسن مخمور، اور دِیگر جیّد محققین متفقہ طور پر اُمیر کبیر اور اُن کے مشن کو کشمیر میں فنون لطیفہ کے ظہور کی عظیم تقریب قرار دیتے ہیں۔''(۱۰) اَقوام متحدہ کی تنظیم یوسینکو (UNESCO) کی ۲۰۱۴ء میں شائع کردہ رپورٹ کے مطابق: میر سید علی ہمدانی کا شمار اُن تاریخ ساز شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے فن تعمیر اَور فنون لطیفہ کے فروغ کے ذریعے ثقافتِ کشمیر کی تشکیل نو کی، جس سے کشمیر کی معیشت کو ایک نیا موڑ مل گیا۔ وہ ہنرمندی اور علم وفن جسے لے کر اَمیر کبیر کشمیر وَارد ہوئے تھے اُس نے وادی میں ایک نئی صنعت کو جنم دیا۔(۱۱) امیر کبیر نے اپنے ہاتھوں سے معاش حاصل کرنے پر کافی زور دیا ہے اور حکومت کی طرف سے بعض لوگوں اور علمائے کرام کو دی جانے والے وظائف کو بہت ناپسند فرمایا، ان کا خیال تھا کہ اس سے علما میں سُستی و کاہلی پیدا ہوگی اور آخرکار وہ معاشرے میں ایک بوجھ کی مانند زندگی بسر کریں گے۔ امیر کبیر کو سوزن کاری (*Needle-Work*) میں فن کمال حاصل تھا۔(۱۲) وہ حلال رزق کمانے پر کافی زور دیتے تھے۔ اُنھوں نے خود بھی اپنے ہاتھوں سے ٹوپیاں بنا کر زندگی بسر کی اور مریدوں کو بھی اُسی کی ترغیب دی۔(۱۳) چوں کہ امیر کبیر صاحبِ بصیرت شخصیت تھے اور وہ تجارت اور تجارت کے فوائد سے خاصی واقفیت رکھتے تھے، اِسی لیے اُنھوں نے وادی میں طرح طرح کے فنون اور دستکاریاں متعارف کرائی جو ہم ذیل میں کچھ تفصیل کے ساتھ درج کریں گے، مثلاً:

شال انڈسٹری (Shawl Industry): اپنی مشہور ومعروف کتاب، The Kashmiri

(Frank Ames) کشمیر میں Shawl & its Indo-French Influence میں فرینک ایمس شال بافی کی ابتدا و ترقی اور اُس کے یورپ میں متعارف ہونے کے بارے میں اپنی تحقیقات اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''انگریزی لفظ Shawl فارسی لفظ ''شال'' سے ماخوذ ہے اور مشرقی ثقافت میں شال نہ صرف لباس کے ایک خاص مضمون کو بیان کرتا ہے بلکہ یہ اُونی کپڑوں کے پورے سلسلے (Range) کی ایک تفصیل ہے۔(۱۴) شال کی تعریف کپڑے کے ٹکڑے کے طور پر کی جاسکتی ہے جو خواتین عام طور پر سر یا کندھوں پر پہنتی ہیں یا جسم کے چاروں طرف لپیٹتی ہیں تا کہ اُس سے گرمی حاصل ہو۔ یہ عام طور پر بھیڑوں کے اُون سے تیار کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ، یہ امیر کبیر ہی تھے جنھوں نے سلطان قطب الدین کو وَسطی ایشیائی (Central Asian) طرز پر کشمیر میں بھی شال انڈسٹری بنوانے کی ترغیب دی۔(۱۵) جی۔ایم۔ڈی۔صوفی اپنی کتاب Islamic Culture in Kashmir میں ''شال انڈسٹری کی ابتدا اَور ترقی'' کے موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شال انڈسٹری کشمیر میں اُتنی ہی پُرانی ہے جتنے یہاں کے پہاڑ، کہا جاتا ہے کہ یہ کورَو اور پانڈَو (Kuravas & Pandavas) کے زمانے میں پروان چڑھا ہے۔ کشمیری شال کی صنعت سلطنت رومی کے زمانے میں اپنے عروج پر تھی۔ جب دربار قیصر میں خوب صورت ملکائیں اُسے پہنا کرتی تھیں۔ اَشوکا کے زمانے میں بھی بودھ مت کی لکھی ہوئی کتابوں میں کشمیری شال کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا کشمیری شال اپنی پہچان کھوتا گیا۔ یہ عظیم مجدد شاہِ ہمدان کی کوششوں و کاشوں کا ہی نتیجہ تھا کہ چودھویں صدی عیسوی کے بعد ''شال بافی'' کی وادی میں پھر ایک بار نئے سرے سے اِبتدا ہوئی اور شال انڈسٹری نے پورے آب و تاب کے ساتھ وادی کی تجارت میں اپنے قدم جمائے، اور اَمیر کبیر کے کہنے پر ہی حکومت وقت نے اُس کی سرپرستی، نشونما اَور تجارت کی مکمل ذمہ داری اپنے اُوپر لے لی جس نے ''شال بافی'' میں ایک نئی روح پھونک دی۔(۱۶)

محب الحسن فرماتے ہیں کہ تیرھویں صدی سے پہلے کشمیر میں شال انڈسٹری موجود نہیں تھی کیوں کہ اُس قسم کا ایک بھی حوالہ کلہن کی راجترنگنی میں یا کسی اور مستند ماخذ میں ہمیں نہیں ملتا۔ مزید فرماتے ہیں کہ ''شال انڈسٹری وادی میں پہلی بار شاہ ہمدان نے ہی ۱۳۷۸ء میں اِیران اور ترکستان سے آئے ہوئے کاریگروں کی مدد و معاونت سے حکومت وقت کی سرپرستی میں قائم کی تھی۔''

میر سید مشتاق ہمدانی لکھتے ہیں: ''جب اَمیر کبیر لداخ سے کشمیر آئے تو وہ اپنے ساتھ پشم (ایک طرح کا اُون) لائے اور یہاں پہنچ کر اُنھوں نے پشمینہ سازی کے کام کا آغاز کیا اور خود اپنے ہاتھوں سے ایک جوڑا جراب تیار کر کے سلطان قطب الدین کو تحفہ میں دے دیا۔(۱۷)

این۔سراف کا کہنا ہے: ''یہ کہا جاتا ہے کہ میر سید علی ہمدانی جو ۱۳۹۸ء میں دوسری دفعہ کشمیر تشریف لائے اور تقریباً دو سال تک یہاں قیام فرمایا۔ اِس دوران اُنھوں نے بہت سے کاریگروں کو جو شال کی بناوٹ میں مہارت رکھتے تھے شال بنانے کی ترغیب دی۔(۱۸)

موتی لال ساقی لکھتے ہیں: ''شال انڈسٹری کے بارے میں ایک مشہور نظریہ ہے کہ یہ فن میر سید علی ہمدانی کے فیض سے وادی میں آیا اور اُنھوں نے ہی اِس فن کو یہاں کے لوگوں میں عام کر دیا۔ امیر کبیر تین دفعہ وادی کشمیر تشریف لائے اور وسطی ایشیا کے مذہبی اسکالرز اور ماہر کاریگروں اور فنکاروں کو بھی اپنے ساتھ لائے جو پھر کشمیر میں ہی آباد ہوئے اور وادی کو اَپنا مستقل مسکن بنالیا۔ یہ اُن کاریگروں اور فنکاروں کی کوشش اور کاوش کا ہی نتیجہ ہے کہ کشمیر میں شال انڈسٹری مضبوطی سے قائم ہوئی اور پھر اِس قدر ترقی کی کہ پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔(۱۹)

قالین بافی (Carpet Industry): قالین اُونی ٹیکسٹائل کا فرش ہوتا ہے جو عام طور پر کسی پشت پناہی سے منسلک اُون کے ڈھیر کی اُوپری پرت پر مشتمل ہوتا ہے۔ وسطی ایشیائی آرٹ جو شاہِ ہمدان کے ساتھ آیا تھا وادی میں پروان چڑھا اور اِس نے ''کشمیری قالین'' کی شکل میں اپنی مخصوص شناخت بنائی۔ کشمیری قالین نہ صرف برصغیر ہند و پاک میں مشہور ہے بلکہ امریکی اور یورپی ممالک میں بھی اِس قالین کے چرچے ہیں۔ قدیم زمانے سے ہی ایران میں قالین بافی مشہور ہے اور وادی میں میر سید علی کی آمد کے ساتھ ہی کشمیری عوام نے وسطی ایشیائی طرز پر قالین بنوانے کا ہنر سیکھا۔ یہاں وادی کے لوگوں نے نہ صرف ایران سے آئے ہوئے سادات سے یہ فن سیکھا بلکہ یہاں کے کئی دستکاروں نے قالین بافی اور نمدہ سازی سیکھنے کے لیے وسطی ایشیا خصوصاً ایران کا رُخ کیا، اور آخر کار پوری دنیا میں کشمیری قالین کو اِس قدر مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی کہ ایران کے بعد کشمیری قالین ہی دنیا بھر میں خریدے جانے لگے۔(۲۰) قالینوں کے علاوہ دیگر فنون و دستکاریاں بھی کشمیر میں مشہور ہوئے جیسے کہ ''کشمیری گھبہ''، یہ ایک منفرد قسم کا فرش ہوتا ہے جسے پُرانی اُونی کمبل سے تیار کیا جاتا ہے اور پھر طرح طرح کے ڈیزائن اور نقش و نگاری سے اُسے مزائن کیا جاتا ہے جو دیکھنے میں بے حد خوب صورت اور دِلکش ہوتے ہیں۔ یہ ہنر بھی سادات کے ذریعہ ہی وادی میں متعارف ہوا۔

خطاطی (Calligraphy): کیمبرج ڈکشنری (Cambridge Dictionary) میں خطاطی (Calligraphy) کی تعریف اِس طرح کی گئی ہے: خطاطی خوب صورت تحریر تیار کرنے کا فن ہے، جو اَکثر کسی خاص قلم یا بُرش کی مدد سے تخلیق کیا جاتا ہے۔(۲۱) اسلامی خطاطی، خطاطی (لکھاوٹ) کا ایک منفرد فن ہے جو ایک مشترکہ اسلامی ثقافتی ورثہ ہے جس کی بنیاد حروف تہجی پر مبنی

ہے۔اُسے عربی میں ’’خط اسلامی‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔(۲۲)اگرچہ خط اسلامی کی جڑیں قرآن مجید سے مظبوطی سے جڑی ہوئی ہیں لیکن پھر بھی اِس فن کا دائرہ صرف مذہبی مضامین تک محدود نہیں رہا بلکہ اِس کا اِستعمال بڑے پیمانے میں دوسری ثقافتی وکلچرل مضامین بھی کیا گیا۔ بقول مسعودالحسن: ان تمام فنون میں سب سے زیادہ جس فن کونکھارا جاتا رہا وہ خطاطی کا فن ہے۔(۲۳)
جہاں تک کشمیر میں فن خطاطی کی ابتدااَور ترقی کا تعلق ہےتو یہاں بھی میر سید علی ہمدانی کے علاوہ کسی اور کووَادی میں اِس فن کا علمبردار نہیں سمجھا جاتا ہے۔امیر کبیر خود بھی ماہر خطاط تھےاور اُنھوں نے ہی کشمیر میں اس فن کی بنیاد ڈالی۔(۲۴)

پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی اپنی کتاب Saints and Saviours of Islam میں رقمطراز ہیں: ’’خطاطی کے فن کو میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے وادی میں متعارف کرایا تھا اور اُسے کشمیر کے مختلف مقامات سے خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ سلطان زین العابدین کے دور میں خطاطی نے کافی ترقی کی یہاں تک کہ دو درجن سے زائد خط ونقش اُس دور میں رائج تھے جس میں خط دیوانی، خط رَغد، خط ریحان، خط سریر، خط شافعی، خط تغرا، خط غبار، خط کوفی، خط گلزار، خطِ مغربی، خط مکی، خط مدنی، خط محقق، خط ماہی، خط ناخنی، خط نقش، خط نستعلیق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اِن تمام خطاطی میں سے فن خطاطی کی صرف تین شکلیں خط شکستہ، خط نقش، خط نستعلیق رواج میں موجود رَہی۔ان خطاطی میں لکھے ہوئے کئی اہم اور نایاب خطوط، شاہی احکامات، کلاسیکل شاعری، ریشی نامہ، اہم دستاویزات، مذہبی اور تاریخی تحریریں مختلف علمی اور اَدبی مراکز اور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ وادی میں یہ تمام فنون لطیفہ صرف امیر کبیر نے رائج کیے لیکن یہ بات بالکل دعویٰ کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ خطاطی سمیت فارسی ثقافت اور اُس کے مختلف مظاہروں کو وَادی میں اَمیر کبیر نے ہی متعارف کرایا۔(۲۵)

کارِقلمدانی(Paper Machie): پیپر ماشی ایک ایسا فن ہے جس میں گوندے ہوئے کاغذ کے مواداَور کاغذ کے ٹکڑوں کو گوند کے ذریعے ملایا جاتا ہے۔ پھر اُس پر طرح طرح کی نقش نگاری کی جاتی ہے۔(۲۶) کشمیر میں فنِ پیپر ماشی اَصل میں اُس کے فارسی نام کارِقلمدانی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ لفظ ’’قلمدانی‘‘ بنیادی طور پر قلم رکھنے کی جگہ (ڈبا) کو کہتے ہیں۔اُسے کارِ منقش بھی کہا جاتا ہے۔ابتدائی طور پر یہ فن صرف قلم کے ڈبے *(Cases)* بنانے تک ہی محدود تھے۔

نشاط انصاری کشمیر میں قلمدانی کی ترقی میں امیر کبیر اَور اُن کے ساتھیوں کی سعی وکوشش کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’ہماری وادی اور بیرونی دنیا کے مابین ثقافتی اور تجارتی لین دین اگرچہ زیادہ تر سمرقند، تاشقند اَور بخارا کے ساتھ ہی رہا ہے، لیکن جہاں تک کارِقلمدانی کا تعلق ہے

کشمیر میں یہ فن ایران سے یہاں پہنچا ہے، اور اِس سلسلے میں مستند ترین روایت یہ ہے کہ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اُور سادات عظام جو اُن کے ہمراہ وادی تشریف لائے تھے فنون لطیفہ اور دستکاریاں (جیسے کہ کارِ قلمدانی) سے بخوبی واقف تھے، جسے اُنھوں وادی بھر میں عام کر دیا۔(۲۷)

کشیدہ کاری (Embroidery): انگریزی کی معروف ڈکشنری ویبسٹر (Webester) کشیدہ کاری (Embroidery) کی تعریف یوں درج ہے: ''ہاتھ یا مشین کی سوئی سے مختلف آرائشی ڈیزائن بنانے کے فن کو کشیدہ کاری کہتے ہیں۔'' (۲۸)

کشید کاری ایک ایسا فن ہیں جس میں مخصوص دھاگے سے طرح طرح کے دلکش ڈیزائن بنانے جاتے ہیں۔ یہ عمل سوئی یا کانٹے (Hook) کی مدد سے اَنجام دیا جاتا ہے۔ اِس فن کے ماہر سوئی دھاگے کو کاغذ پر قلم کی مانند اِستعمال کر کے دلکش، دلچسپ اور آنکھوں کو حیران کر دینے والے نمونہ تخلیق کرتے ہیں۔ کشیدہ کاری وادی کشمیر میں اِنتہائی مہارت والا فن تصور کیا جاتا ہے۔(۲۸) اِس خاص فن کو کشمیر میں شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی آمد کے بعد ہی فروغ ملا۔ کشیدہ کاری بنیادی طور پر چار (آملی، چکن، ڈوری اور یارما) اِسٹائل میں کیا جاتا رہا۔

اِس فن کے ذریعے بہت سی اشیا کو تیار کیا جاتا ہے جن میں بیڈ کوّر (Bed-Cover)، تکیہ، پردے، اسکارف، ٹیبل کلاتھ، رومال اور شال شامل ہیں۔ اُس کے علاوہ اِس فن سے بنائی ہوئی چائے شیٹ، پلنگ کی چادر، ٹائی (Tie) وغیرہ بڑی تیزی سے بنائے اور بیچے جاتے ہیں۔ سب سے اہم نمونے جو لوگوں میں کافی مشہور ہوئے وہ تھے شال، چنار پتی، قوس قزح (Iris) اور ڈریگن (Dragon) یہ نمونے اِس قدر عوام میں مقبول ہوئے کہ اُنھوں نے پُرانے تمام روایتی ڈیزائن کی جگہ لی ہے۔(۲۹)

لکڑی کا کام، سنگ تراشی اور تیلیوں کی چیزیں

لکڑی کا کام (Woodwork): کشمیر کی ایک قدیم ترین صنعت ہے۔ اِس صنعت کے حوالے سے قدیم حوالہ جات تاریخ میں موجود ہیں۔ اِسلام کی کشمیر میں آمد سے پہلے بھی یہ پیشہ لوگوں میں عام تھا(۳۰) لیکن اِس فن کا اِستعمال صرف مکانات بنانے کی حد تک کیا جاتا تھا، اور ایک طویل مدّت تک عبادت گاہوں کی تعمیر میں اِس کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ شاہِ ہمدان کی آمد کے بعد ہی وادی میں بڑی بڑی عبادت گاہیں تعمیر کی گئی، جس سے اِس پیشے کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔

سنگ تراشی (Stonework): ایک اندازے کے مطابق میر سید علی ہمدانی کی آمد کے وقت وادی میں بارہ سو (۱۲۰۰) سے زائد بت بنانے والے موجود تھے۔ وادی میں اِسلامائزیشن کے ساتھ، کشمیری عوام کی طرف سے بڑے پیمانے پر بُت تراشی کو ترک کر دیا گیا، اور اُنھیں

معاش کا ایک متبادل پیشہ فراہم کرنے کے لیے اَمیر کبیر نے فن کاروں (سادات عظام) کے ذریعے عوام کو پتھر کی نقاشی اور دستکارتی کا پیشہ لینے کی ترغیب دے کر اُن کی کمائی میں آسانی پیدا کر دی، جس سے ایک بڑے طبقے کا معاشی مسئلہ حل ہو گیا۔(۳۱)

تیلیوں کا کام (Wicker Work): تیلیوں کو اِستعمال میں لا کر مختلف قسم کی اشیا جیسے ٹوکریاں، کرسیاں، میز، وغیرہ بنانے کا کام کشمیر میں بہت ہی مقبول فن ہے۔ تاہم کانگڑی کی شکل میں یہ فن کشمیر میں اپنے کمال کو پہنچا ہے۔(۳۲) امیر کبیر نے اِس فن کو بھی اپنی آمد سے مضبوط بنیاد عطا کی۔

فنِ تعمیر (Architecture): شاہِ ہمدان کی توسّط سے کشمیر میں اِسلام کے قیام کے ساتھ ہی صنعت وحرفت میں ناقابل یقین ترقی ہوئی۔ اُن کے ہمراہ ساداتِ عظام بھی کشمیر تشریف لائے جنھوں نے دیگر پہلوؤں کے علاوہ آرٹ اور فنِ تعمیر کے موجودہ نمونہ کو بھی متأثر کیا۔(۳۳) اَمیر کبیر نے ایک نئے طرز پر خانقاہوں، مساجد اور مقبروں (۳۴) کی تعمیر کر کے کشمیر میں مسلم فنِ تعمیر کا تصور پیش کیا، جو کہ کشمیر کے لیے بالکل نیا تھا۔ مسلمانوں کی وادی میں آمد سے پہلے، مندروں کی تعمیر میں لکڑی اور اینٹوں سے زیادہ پتھر کو ترجیح دی جاتی تھی اور یہ بات کشمیر میں ہندو رَاجہ مہاراجہ کے ذریعے تعمیر کردہ مندروں کے کھنڈرات سے کافی واضح ہوتی ہے۔ جب کہ مسلم فنِ تعمیر میں لکڑی اور اِنیٹوں کا اِستعمال کثرت سے کیا جاتا ہے، اور پتھر صرف بنیاد یا خصوصی جگہ پر ہی اِستعمال ہوتے ہیں۔ اِس کے علاوہ ''ختم بند'' جسے کشمیر میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی ہی وساطت سے وسطی ایشیا سے یہاں پہنچا۔(۳۵)

کشمیر میں فنِ تعمیر کی ترقی وتوسیع نے یہاں روزگار کے مواقع میں کافی اضافہ کیا، جس سے وادی کے معاشی میدان میں بہتری آئی۔

متذکرہ فنون اور دستکاریوں کے علاوہ اَمیر کبیر نے چاندی کا کام (Silver Work)، تانبے کا کام (Copper Work)، تعمیر حمام، جلد سازی (Book binding) وغیرہ فنوں کو بھی وادی میں مضبوط بنیادیں فراہم کرائی۔ شاہِ ہمدان نے اپنے شاگردوں کو ہدایت دی کہ وہ کشمیریوں کو کتابوں کی شیرازہ بندی، چمڑے کی جلد سازی اور جلد کو مختلف سنہری نقش ونگار سے آراستہ کرنے کا فن سکھائے۔ اِس فن کے تعارف کے بعد ہی بہت سے مذہبی صحیفوں، مقدس تحریروں اور شاہی خط وکتابت کو چمڑے کے اُبھار والے جیکٹوں (Jacket) سے لپیٹا گیا۔

اِس کے علاوہ اَمیر کبیر نے وادی میں فنِ تعمیر حمام کو متعارف کرایا اور ہر مسجد میں مسلمانوں کی ضرورت پورا کرنے کی خاطر ایک حمام تعمیر کیا گیا۔ اُسی طرح ہر خانقاہ میں Community

Hamaam تعمیر کرنے کی ترغیب دی گئی اور سب سے پہلا Community Hamaam سری نگر کے خانقاہ معلیٰ میں تعمیر کیا گیا۔(۳۶)

اِختتامیہ: حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے معاشی فلسفے کو سمجھنے کی کافی ضرورت ہے، کیوں کہ اُنھوں نے نہ صرف فنون لطیفہ وادی میں متعارف کرائے بلکہ حلال ذرائع سے معاش کمانے کی بھی تعلیم دی۔ اَمیر کبیر نے اپنی دانشمندی سے وادی میں فنون لطیفہ کی ترقی کے لیے ماحول پیدا کیا۔ اُن کی آمد کے بعد ہی کشمیر میں معیشت کے بڑے شعبوں میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوئی۔ جہاں تک فنونِ لطیفہ اور دستکاری کی ترقی کا تعلق ہے تو وادی کشمیر شاہِ ہمدان کی انتہائی مرہون منت، مقروض اور اِحسان مند ہیں۔ اُن کے زیرِ سرپرستی ہی کشمیر میں کثیر تعداد میں فنون اور دستکاریوں کی نشوونما ہوئی جن کی فنکاری دیکھ کر آنکھیں آج بھی حیرت زدہ ہوجاتی ہیں۔ حضرت امیر کبیر کا اَثر صرف مذہبی پہلو تک محدود نہ تھا بلکہ اُنھوں نے معاشرت، سیاست، ثقافت اور خصوصاً معیشت پر اَپنے گہرے نقوش ثبت کیے۔ اِسی لیے میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ قرون وسطیٰ میں کشمیر کے مجددِ معیشت کہلائے گئے۔

حواشی و مراجع

Fraincois ,W.Pickering Publications, London 1826, p. 393 (۱)
Bernier, Travels in the Mogul Empire

Gh. Mohy -ud- Din Dar , Social & Religious Conditions on the(۲)
Eve of Spread Of Islam in Kashmir, Gulshan publications,1992, p.45.

P.N.K. Bamzai , A History Of Kashmir, Political, Social & (۳)
Cultural :From Earliest Day to the
Present Day ,Metropolitan Book Co, New Delhi, 1973, p. 319.

G.M,D. Sufi , Kashir: Being a History of Kashmir from the Earliest(۴)
times to our own, Capital Publishing House , New Delhi ,1949, p. 90

Gh. Mohy -ud- Din Dar, Social & Religious Conditions on the(۵)
Eve of Spread Of Islam in Kashmir, Gulshan publications, 1992, p.39.

Sunil Chandra Ray, Early History & Culture Of Kashmir. M.(۶)
M. Press New Delhi p. 166.

P.N.K. Bamzai , A History Of Kashmir, Political, Social &(۷)
Cultural :From Earliest Day to the Present Day ,Metropolitan Book Co,
New Delhi, 1973, p. 525.

P.N.K. Bamzai , A History Of Kashmir, Political, Social &(۸)

Cultural :From Earliest Day to the Present Day ,Metropolitan Book Co, New Delhi, 1973, p. 484.

(۹)رشید نازکی، تمدنی زندگی میں سادات کا حصہ، ہمارا ادب، جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹس، سری نگر، ص: ۱۹۴-۱۹۵

Prof. Hameed Naseem RafiAbadi, Saints & Savoirs of(۱۰) Islam, Sarup & Sons, 2005, p. 259

Allaie Jeelani *, UNESCO Report,* (ed.2014) (۱۱)

(۱۲)حکیم ایس ایم کمال الدین حسین، صاحب مودۃ القرباء، ناسک، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۲

(۱۳)حکیم ایس ایم کمال الدین حسین، صاحبِ مودۃ القرباء، ناسک، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۸

Frank Ames, The Kashmir Shawl & its Indo-French(۱۴) Influence, Timeless Books, New Delhi, 1988

P.N.K. Bamzai , A History Of Kashmir, Political, Social &(۱۵) Cultural :From Earliest Day to the Present Day ,Metropolitan Book Co, New Delhi, 1973, p. 535-536.

G.M.D. Sufi, Islamic Culture in Kashmir, Light & Life(۱۶) Pulishers, Jammu, p. 283

Muhibbul Hassan Kashmir Under Sultans, Ed.(۱۷) H.N.RafiAbadi, Srinagar ,2002, ixxv.

D.N. Saraf , Arts & Crafts of Jammu & Kashmir: Land ,(۱۸) People & Culture, Abhinav Publications New Delhi , 1987, p. 61.

Mehraj ud Din Dar & Dr. Nighat Basu, Influence of Mir Syed(۱۹) HamdanionVocational Education in kashmir, IOSR Journal Of Humanities & Social Sciences(IOSR-JHSS)Volume 21,Issue 3rd, Vol II (Mar.2016)PP 38-46 E-ISSN:2279-0837, p-ISSN: 2279-0845. www.iosjournals.org.

(۲۰)شمس الدین احمد، شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے، شیخ غلام محمد پبلیکیشنز، سری نگر، ۱۹۹۵، ص: ۳۱۵-۳۱۶

http://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/calligraphy;(۲۱) accessed on 6 June 2020: 5;15pm.

http://en.m.wikipedia.org/wiki/Islamic_calligraphy; accessed(۲۲ on 6 June 2020: 5;43 pm

Prof. Masudul Hassan, History of Islam, Adam Publishers(۲۳) and Distributors, 2015, p.682.

Fida M.Hussain, The Shah-i-Hamadan of Kashmir. Gulshan(۲۴)
Publishers, Srinagar, 2001, pp.87-88.
Hamid Naseem Rafiabadi, Saints and Saviours of Islam,(۲۵)
Sarup and Sons, 2005, p. 261.
http://en.m.wikipedia.org/wiki/Papier-m%C3; accessed on 7(۲۶)
june 2020: 7:10.
Parvez Ahmed, Economy and Society of Kashmir: A Study(۲۷)
in Change and Continuity, Oriental Publishing House, 2007, p.164.
http://www.merriam-webester.com/dictionary/embroidery;(۲۸)
accessed on 10 June, 2020: 09:11pm.
Khalid Hussain Shah, Impact of Central Asian Crafts on(۲۹)
Crafts of Kashmir, Studies in Indian Place Names, Vol.40, no.74, March
2020, ISSN: 2394-3114, p.754.
Parvez Ahmed, Economy and Society of Kashmir: A Study(۳۰)
in Change and Continuity, Oriental Publishing House, 2007, P.152.
S N. Koul, Kashmir Economics, Srinagar, 1954-55, p.114. (۳۱)
Khalid Hussain Shah, Impact of Central Asian Crafts on(۳۲)
Crafts of Kashmir, Studies in Indian Place Names, Vol.40, no.74, March
2020, ISSN: 2394-3114, p.755.
Marazi Hamidullah, Role of Mir Saiyid Ali Hamadani in(۳۳)
the promotion of Arts and Crafts in the Kashmir Valley", 2002.
Mohibbul Hassaan, Kashmir Under Sultans, Edited by H.(۳۴)
N. Rafiabadi, Srinagar, 2002, p.ixiv
Nagendra Kumar Singh, Islamic Heritage of Kashmir,(۳۵)
Gulshan Publishers, Srinagar, Vol. 2, p. 234
Islam in the Modern Age: Problems and Prospects, Iqbal(۳۶)
Institute, KashmirUniversity, Srinagar, pp.213
Kashmir Today, Vol. 7, op. cit., p. 13(۳۷)
Fida M.Hussain, The Shah-i-Hamadan Of Kashmir.(۳۸)
Gulshan Publishers, Srinagar, 2001, p.87.
Fida M.Hussain, The Shah-I-Hamadan Of Kashmir,(۳۹)
Gulshan Publishers, Srinagar, 2001,pp.85-88.

●●●

محمد شفیع بٹ (۱)

اِسلامی تہذیب کے فروغ میں شاہِ ہمدانؒ کا کردار

تعارف: وادی کشمیر جس طرح اپنے قدرتی مناظر اور حُسن و جمال کے لیے پوری دنیا میں مشہور اور معروف ہے اُسی طرح اپنے تہذیبی اور رُوحانی روایات کے لیے بھی زمانہ قدیم سے معروف ہے۔ چوں کہ یہ خطہ عہد وسطیٰ سے علمائے دین، صوفیائے کرام، بزرگان دین کی آماجگاہ اور مسکن بن گیا اُسی وجہ سے کشمیری زبان میں ''پیرہ واری'' سے موسوم و معروف ہے۔ عہدِ وسطیٰ میں اِیران اور ترکستان سے صوفیائے کرام کی ایک بڑی جماعت نے وادی کشمیر کو اشاعت اسلام کا مسکن اور مرکز بنایا، اُنھوں نے اِسلامی تعلیمات کے عملی نمونے پیش کر کے اپنی زندگیوں کو یہاں پر وقف کیا اور اَہالیانِ کشمیر بھی اُن کے قول اور فعل میں یکسویات دیکھ کر متأثر ہوئے۔ تاریخِ کشمیر اِس حقیقت کی شاہد ہے کہ کشمیر میں فروغ اسلام کے کارِ خیر میں صوفیائے کرام نے ہی سب سے نمایاں خدمات سراَنجام دی، اور اُن کے ذریعے ہی کشمیر میں اِسلامی تہذیب وثقافت کو عروج ملا۔ گو یا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کشمیر میں اِسلامی روشنی کی کرنیں صوفیائے کرام کی بدولت ہی پھیلی، اگرچہ ۱۳-۱۱۷ء سے ہی کشمیر میں اسلامی اثرات پنپنا شروع ہو گئے تھے مگر باقاعدہ طور پر چودہویں عیسوی کے اَوائل میں اِسلام اس خطۂ ارضی پر اپنی آب و تاب کے ساتھ پھیلنا شروع ہوا اور اِس طرح کشمیر میں پہلی مسلم حکومت کی ابتدا ہوئی اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کی بدولت اِس خطۂ ارضی کے لوگوں کی معاشرت انتہائی نکھری اور اپنی مثال آپ بن گئے۔ کشمیر میں اسلامی تہذیب اور ثقافت کی بنیاد اور اُس کے فروغ میں جس قدر میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے خدمات سراَنجام دی ہیں اُن کی نظیر تاریخِ کشمیر میں کہیں نہیں ملتی۔

---

(۱) ریسرچ اسکالر، شاہِ ہمدان مرکز برائے اِسلامی مطالعات، کشمیر یونیورسٹی

کشمیر میں اِسلام کے اوالین نقوش: عہدِ قدیم میں پورے برصغیر کی طرح کشمیر میں بھی ہندومت اور بدھ مت کے پیروکاروں کی کثرت پائی جاتی تھی، ساتویں صدی عیسوی میں جب اسلام کی اِشاعت عرب کے ریگزاروں سے باہر ہونے لگی تو کشمیر میں ہندومت اپنے بامِ عروج پر تھی۔ کشمیر کی سیاسی، سماجی اور مذہبی باگ ڈور بھی ہندومت کے پیروکاروں کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ خطۂ سرزمین تقریباً چار ہزار سال تک ہندوؤں کی ملکیت رہا اور یکے بعد دیگرے ہندوؤں کے تقریباً اِکیس خاندانوں نے ریاست پر حکومت قائم کی۔ خاص بات یہ کہ اس قوم کے ابتدائی دور کے راجاؤں نے کشمیری ہندوؤں کے روزمرہ کے مسائل پر خاص توجہ مرکوز کیے رکھی اور اِسی وجہ سے اُن کی عوام یعنی کشمیری برہمن ودیگر اَقوام اُن ایام میں آسودہ وخوشحال زندگی گزارتے رہے۔ چناں چہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی پالیسی زیادہ عرصہ کامیاب نہ رہی، بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ملکی حالات میں بھی تغیر وتبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ مسلم ممالک کی بڑھتی ہوئی طاقت وعروج نے ہندوؤں کو اُن ممالک سے تعلقات اُستوار کرنے پر مجبور کردیا جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور پھر اِس ضمن میں ہندوؤں نے اپنی حکمت عملی جو اَپنائی تھی اُس پر بھی نظر ثانی کر کے اپنے ملک میں مسلمانوں کے داخلے پر ہر قسم کی قدغن ختم کی۔(۱)

مورخینِ کشمیر کے لیے یہ مسئلہ بہت پہلے سے زیر بحث رہا ہے کہ کشمیر میں اِسلام کی اشاعت کب سے شروع ہوئی۔ اَلبتہ! اس بات پر اَکثر مورخین کا اجماع ملتا ہے کہ کشمیر میں اسلام کی اَوّلین ضوفشانیاں ہندو دورِ حکومت سے ہی شروع ہوئی تھی۔(۲) جب اِسلام پوری قوت کے ساتھ کشمیر کے حدود واَطراف میں پھیل گیا تو اِسلامی فکر، ادب، علوم، ثقافت اور تمدن کی طاقتور فوجیں بھی برصغیر کے اَطراف وجوانب سے اُٹھ کر کشمیر کے پہاڑوں سے ٹکرانے لگی۔ اسی تاریخی حقیقت کو ڈاکٹر فاروق بخاری نے اپنی کتاب ''کشمیر میں اسلام منظر اور پسِ منظر'' میں کچھ یوں بیان کیا ہے: ''یوں تو ہمیں کشمیر میں اسلامی اثرات کی موجودگی کا سراغ قدیم زمانوں میں ہی ملتا ہے، جب محمد بن قاسم کے ہم عصر کشمیری حکمران للتادتیہ کے جانشین وجرادتیہ نے کلہن کے بقول: اپنے ملک (کشمیر) میں ملیچھوں (مسلمانوں) کے کئی رسوم وعادات رائج کیے، نیز اُس نے بہت سے کشمیری باشندوں کو ملیچھوں (مسلمانوں) کے ہاتھوں فروخت کیا۔ اُس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ گیارہویں صدی عیسوی کے آخری دہے میں راجہ ہرش دیو نے اسلام سے متأثر ہو کر کشمیر میں زبردست مذہبی اصلاحات کا بیڑا اُٹھایا اور اِس راہ میں جان کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔''(۳)

کشمیر میں اشاعتِ اسلام اور صوفیائے کرام کی خدمات: عہدِ وسطیٰ کے اَوائل سے ہی

اِسلامی تہذیب وثقافت کا دورِ زرّیں شروع ہوا، اسی دور میں پوری دنیا میں اشاعت اسلام کا سلسلہ بھی بڑی تیز رفتاری سے پھیلا۔ اس سلسلے میں صوفیائے کرام کی تاریخی خدمات پورے عالم اسلام میں محکم اور قابل ستائش ہے۔ چناں چہ گیارہویں صدی عیسوی سے جب تصوف میں الگ الگ سلسلے قائم ہونے لگے اور تربیت صوفیہ کے لیے مؤثر طریقوں کے علاوہ اُن کے قیام وتربیت کے لیے خانقاہیں تعمیر ہونے لگی، جن میں باضابطہ طور پر تعلیم وتربیت کے بعد صوفیا کو عوام الناس میں دعوت وتبلغ اور خدمتِ خلق کے لیے تیار کیا جاتا۔ جب وقت کے ساتھ ساتھ اُن سالکانِ حق کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، تو صوفیائے کرام نے اپنے علاقوں سے نکل کر خدمتِ خلق، سیر وسیاحت برائے معرفتِ حق اور خصوصاً اِسلام کی شاعت کے لیے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کر کے لوگوں میں تہذیبِ نفس اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کیا اور نتیجتاً ہر خطے میں لاتعداد لوگوں نے اُن صوفیائے کرام کے سیرت وکردار سے متأثر ہو کے، بغیر کسی جنگ وجدل یا زیادتی کے، حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ سلسلہ پورے عالم میں پھیلتا گیا، صوفیائے کرام کی اِن خدمات کا نہ صرف اعتراف کیا گیا ہے بلکہ مشہور مستشرق (Orientalist) ٹی. ڈبلیو. آرنالڈ نے اشاعت اسلام پر اپنی مشہور کتاب The Preaching of Islam میں تاریخی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔(۴)

کشمیر میں اِشاعتِ اسلام کا سلسلہ بھی ان ہی صوفیائے کرام کے ذریعے پروان چڑھا۔ یوں تو کشمیر میں نقوشِ اسلام نوی صدی عیسوی سے ہی ملتے ہیں، مگر کشمیر میں عوامی سطح پر فروغِ اسلام کا سلسلہ وسطِ ایشیا کے صوفیائے کرام کی کشمیر آمد کے ساتھ شروع ہوا۔(۵) یہ سلسلہ حضرت شرف الدین سہروردی المعروف بہ بلبل شاہ سے شروع ہوا اور صدیوں تک جاری رہا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف زیادہ مؤثر ہوتا گیا بلکہ یہ سلسلہ کشمیروں کی انفرادی واجتماعی شناخت کا مستقل حصہ بن گیا۔ چناں چہ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ کشمیر میں قدیم دور ہی سے نفس کش اور خدا طالب لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی جن کو لوگ بڑی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اَہالیانِ کشمیر کی سرشت میں روحانیت کی طرف پہلے سے کہیں نہ کہیں میلان رہا تھا، جس کی وجہ سے وہ صوفیائے کرام کی تعلیمات سے بہت جلدی متأثر ہوئے۔ چودھویں صدی عیسوی کشمیر میں اِشاعت اِسلام کے لیے بالعموم اور کشمیر میں اِسلامی تہذیب کی بنیاد کے لیے بالخصوص نہایت ہی اہمیت کی حامل صدی ہے۔ اِس صدی میں ایک طرف پہلی بار کشمیر میں مسلمانوں نے اپنی ایک خودمختار سلطنت قائم کی، جو کشمیر کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ثابت ہوا، اِس کے علاوہ اسی صدی میں اشاعت اسلام کا سلسلہ بھی بڑی تیز رفتار سے آگے بڑھنے لگا۔ کشمیر میں پہلا مسلمان حکمران سلطان صدرالدین تھا، جس کا اَصل نام رینچن شاہ اور اِسلام قبول کرنے سے پہلے بدھ مذہب کا پیرو تھا،

سید بلبل شاہ کی کاوشوں کے نتیجے میں اُس نے اِسلام قبول کیا، رینچن شاہ کے قبول اِسلام کی متعلق مختلف قسم کی آرا ہیں تذکرہ نگاروں نے بیان کی ہیں، مؤرخین لکھتے ہیں کہ رنچن خود بدھ مذہب کا پیرو تھا لیکن دوسرے مذاہب بالخصوص ہندودھرم اور اِسلام کے مطالعے سے دلچسپی رکھتا تھا، اوران دونوں مذاہب کے فلسفہ کو جاننے کے لیے متعلقہ مذہبی علما سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ ایک بار اُس نے کشمیر کے ہندو اَور مسلمان عالموں کو دعوت دی کہ وہ آ کر اَپنے اپنے مذہب کی تعلیمات پر روشنی ڈالیں، جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے رنچن شاہ کے پاس گئے، اُن میں حضرت بلبل شاہ بھی تھے جن کے طرزِ گفتار اَور دینی دلائل و براہین سے وہ سخت متأثر ہوا اَور آخر میں بلبل شاہ کے ہاتھ میں بیعت کر کے مسلمان ہو گئے۔(٦) سلطان صدرالدین کے قبول اِسلام کے بعد بہت سے اُمرا اَور دوسرے حکما نے بھی مذہبِ اسلام اختیار کیا۔ تاہم اگر چہ صدرالدین کے قبولِ اسلام کے بعد کشمیر میں اِشاعت اسلام کا راستہ کافی حد تک ہموار ہوا مگر اَبھی بھی کشمیر کی سیاسی وثقافتی زندگی میں چند مساجد کی تعمیر اور لنگر خانوں کے قیام کے سوا کوئی خاص انقلاب رونما نہیں ہوا تھا، نہ ہی حکومتی سطح پر اِشاعت اِسلام کے سلسلے میں براہِ راست کوئی قدم اُٹھایا گیا، نہ حوصلہ اَفزائی کی گئی۔ کشمیر کی معاشرت پر اَبھی تک ہندو تہذیب وثقافت کے نمایا اَثرات غالب تھے، جنھیں نہ صرف عوام بلکہ اَربابِ اقتدار بھی اپنائے ہوئے تھے۔ تاہم اِسلامی تعلیمات کی پاکیزگی، سادگی اور مساوات کے نظریات نے ہندو معاشرے بالخصوص اَدنیٰ طبقہ کے ہندوؤں کو خصوصیت کے ساتھ متأثر کرنا شروع کیا تھا۔

کشمیر میں اشاعت اسلام میں جو انقلابی پیش رفت ہوئی، وہ سلطان قطب الدین شہمیری کے عہد میں ہوئی جب وسطِ ایشیا سے صوفیائے کرام کا ایک عظیم کاروان واردِ کشمیر ہوا، جن کا مقصد نہ تو حصول مال و زَر تھا، نہ ہی سیاسی فتوحات بلکہ یہ قافلۂ عاشقاں، محبت الٰہی سے سرشار اور خدمتِ خلق کے جذبے سے شرابور اس ارض کشمیر میں لوگوں کو اِسلام کے نور سے منور کرنے کے لیے آیا تھا، اس کاروانِ امن وآشتی کا سالار خود ایک عظیم مفکر، ایک عظیم صوفی اور ایک امیرِ کبیر رہنما تھا، جن کا اسمِ گرامی سید علی ہمدانی تھا، جو تمام شرعی علوم میں تخصص کے علاوہ کبروی سلسلۂ تصوف کے مشائخ میں شمار کیے جاتے تھیں۔(٧) اگر چہ حضرت بلبل شاہ کے بعد کشمیر میں صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا اور کئی برگزیدہ صوفیائے کرام نے کشمیر کے مختلف خطوں میں قیام کر کے وہاں کے لوگوں کو اِسلام کی ضیاباریوں سے روشناس کیا تھا تاہم اَبھی تک کشمیر میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی، کیوں کہ ابھی تک یہاں پر منظم بنیادوں پر دعوتِ اسلام کی کوئی مؤثر کوشش نہیں ہوئی تھی، میر سید علی ہمدانی نے اُسی دعوتی فقدان کی خلا کو پُر کیا۔ چناں چہ میر سید علی ہمدانی اپنے ساتھ سادات

اور صوفیائے کرام کا ایک بڑا گروہ ساتھ لائے (اکثر مورخین نے اُن رفقا کی تعداد سات سو لکھی ہے)۔سید علی ہمدانی کے اُن رفقا میں علما وصوفیا کے علاوہ مختلف صنعتوں کے کاریگر اَور ماہرین بھی شامل تھے، گویا سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اَپنے ساتھ نہ صرف دین لائے بلکہ اپنے ساتھ مکمل تہذیب وتمدن کا سامان بھی لائے جس سے کشمیر کی ظاہری خوب صورتی کے ساتھ سماجی اور باطنی حسن میں بھی اضافہ ہوا،اس کے نتیجے میں سماجی اَمن وامان کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور رُوحانی اَمن کی بھی فضا مہکنے لگی۔سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے بعد جس شخصیت نے اِشاعت اسلام کے ضمن میں تاریخ ساز خدمات سر اَنجام دیں اُن میں سرخیلِ ریشانِ کشمیر شیخ نورالدین ریشی کی ذاتِ گرامی اہم ہے، اُنھوں نے عوامی سطح پر لوگوں کو اِسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا اور اَپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت کو تیار کیا جنھوں نے اِشاعت اسلام کا کام بڑے خلوص سے قریہ بہ قریہ کیا۔(۸)

عہد وسطیٰ کے کشمیر میں اِسلامی تہذیب کا عروج اور میر سید علی ہمدانی کی خدمات: ثقافت ایک ایسی جامع اِصطلاح ہے جس میں طرز معاشرت یا طریق زندگی کے تمام نمونے آجاتے ہیں یعنی ثقافت کسی قوم کی فکری، جذباتی اور رُوحانی زندگی کے تمام افکار واعمال کا نام ہے۔جب کوئی بھی قوم اپنی ترقی کے مخصوص اُسلوب طے کرتی ہے تو یہی عمل اُس کی مخصوص ثقافت بن جاتا ہے۔کچھ ماہرین کے نزدیک ثقافت اُس کل مجموعے کا نام ہے جس میں مذہب،عقائد،علوم،فنون،اخلاقیات، عادات،رُسوم اور تمام رجحانات واُمور شامل ہیں جو اِنسان اکتساب کے بعد اَنجام دیتا ہے۔گویا اصطلاحاً ثقافت کے مفہوم میں ذہنی ترقی، اخلاق وآداب،تہذیب وتمدن اور قومی خصوصیات شامل ہوتی ہیں۔(۹) پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے مطابق: تہذیب وتمدن کسی قوم کے سماجی معاشرت اور مجموعی طرزِ زندگی کو کہتے ہیں، چناں چہ وہ مزید لکھتے ہیں کہ جب کوئی انسانی گروہ یا معاشرہ سماج مذہبی معاشرتی، اقتصادی، سیاسی،علمی،عقلی اور اَخلاقی میدانوں میں ترقی کا ایک خاص درجہ حاصل کر لیتا ہے تو اُسی کو تہذیب یا ثقافت کہتے ہیں۔(۱۰)

جیسا کہ پہلے ہی بیان ہوا کہ چودھویں صدی عیسوی تاریخ کشمیر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس میں فروغ اِسلام کی ایک منظم تحریک کے علاوہ اِسلامی تہذیب کا فروغ بھی نہایت ہی منظم اَنداز سے شروع ہوا،اِس باب میں میر سید علی ہمدانی جن کو وَادی کشمیر کے لوگ اُن کی بے پناہ دینی خدمات کی وجہ سے بانی مسلمانی،شاہِ ہمدان اور علی ثانی کے اَلقاب سے یاد کرتے ہیں کہ اُن کی خدمات تاریخ ساز ہے۔میر سید علی ہمدانی ایک صوفی اور دَاعی ہونے کے علاوہ اعلیٰ پائے کے محقق اور مصنف بھی تھے،مؤرخین نے اُن کی تصنیفات کی تعداد ۱۶۰ رتک لکھی ہیں،جن میں اگرچہ اَکثر وبیشتر تزکیۂ نفس اور رُوحانیت کے موضوع پر ہیں، تاہم بہت سی کتابیں اِسلامی تہذیب

وثقافت کے مختلف پہلوں پر لکھی گئی ہیں۔ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتابوں میں ''ذخیرۃ الملوک''، ''چہل اسرار'' (فارسی غزلیات)، ''منہاج العارفین''، ''مؤدۃ القربٰی''، ''رسالہ ذکریہ''، ''رسالہ دہ قائدہ'' اور ''اورادِ فتحیہ'' شامل ہیں۔(۱۱) سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی بےلوث خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر م.م. مسعودی اپنی کتاب ''رتیچن سے رنجیت تک'' (تاریخ اِسلام) میں رقمطراز ہیں: شاہِ ہمدان اور دیگر سادات کی سعی مشکور سے خطۂ کشمیر میں اسلام کا نور اس قدر کم وقت میں پھیلا جس کی مثال برصغیر کے کسی اور علاقے میں نہیں ملتی۔ یہ کشمیر کی تاریخ کا وہ دور ہے کہ جہاں سے ایک تازہ کار اَور تازہ دم معاشرے کی تعمیر شروع ہوئی، طرزِ زندگی، آداب و اطوار، زبان و ادب، فرہنگ و ثقافت غرض کشمیری قوم کی مجموعی زندگی ایک نئی ڈگر پر گامزن ہوئی اور اُس کی قلب و ماہیت ہوئی۔ اس طرح وسطِ ایشیائی اَثرات جو ایک ترقی پذیر تمدن کے ہمراہ داخل ہوئے تھے، یہاں کی زَرخیز اور نمودار سرزمین کے ساتھ اِس قدر پیوست ہوگئے گویا اُن کا جنم یہیں ہوا تھا۔ گویا میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی خدمات کا اَثر نہ صرف شاہ میری حکمرانوں پر اَثر انداز ہوا، بلکہ عوام، علما اور خصوصاً کشمیر کے صوفیوں اور رِیشیوں پر صدیوں سے قائم ودائم ہیں۔''(۱۲)

اِسلام کی اشاعت کے ساتھ ہی کشمیر میں اِسلامی رنگ نے کشمیر کی ثقافت کو مزین کیا۔ صوفیائے کرام نے یہاں داخل ہوتے ہی نومسلم لوگوں کو تعلیم کے حصول پر زور دیا جو اُس سے بیشتر صرف برہمنوں تک محدود تھی۔ اِس طرح ہندوؤں کی زبان سنسکرت کو زَوال اور فارسی وعربی زبان کو عروج ملنا شروع ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ مذہبی رَواداری بھی کشمیری تہذیب کا لازمی جز اَور کشمیری تاریخ کی سب سے نمایاں خصوصیت بنی۔ جس کی بدولت فردوس بریں میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو متحدہ ہوکر مل جل کر زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آیا اور اِتحاد اور یگانگت کی فضاؤں میں سانس لینے کا موقع ملا۔ گویا عہد وسطیٰ میں فروغ اِسلام کے بعد مذہبی رَواداری، علم و ادب، ذرائع معیشت، لباس، فن تعمیر، کھانے پینے کا درجہ، فنون لطیفہ، تعمیرات غرض ہر شعبہ ودرجے میں باہمی ربط ورَواداری کی مثال عام ملتی ہے۔

کشمیر میں اِشاعتِ اسلام اور اِسلامی تہذیب کے اِرتقا میں اگر چہ صوفیہ کی خدمات بےمثال ہیں، لیکن مؤرخین نے ہمیشہ مسلم سلاطین کی خدمات کو بھی سراہا ہے، کیوں کہ سلاطینِ کشمیر ہمیشہ صوفیائے کرام کے خوشا چین رہے ہیں، ڈاکٹر اِعجاز فاروق اپنے ایک مقالے میں دونوں کی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ طے کرنا اَز حد مشکل ہے کہ دونوں طبقات میں کس کی مساعی اِس ضمن میں زیادہ مؤثر ہیں۔ بیک نظر صوفیا و مشائخ اور علما کی مساعی اور کردار نہ صرف

زیادہ بلکہ کلیدی حیثیت کا حامل ہیں،مگر سلاطین اِسلام کی کوشش اور مخلصانہ جدوجہد اَور تبلیغ اسلام کی مساعی کی سرپرستی بلکہ تعاون بھی کسی طور کم اہمت کا حامل نہیں۔ یہ کہا جائے تو اَز حد مناسب ہوگا کہ دونوں طبقات نے ایک دوسرے کے تعان ورَہنمائی سے اِسلام کو کشمیر میں رائج کرنے اور اہلِ کشمیر کی سیاسی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی زندگی میں انقلاب لانے کا ایسا کارِ عظیم سرانجام دیا کہ پندرہویں صدی عیسوی کے اختتام تک ۹۵ رفیصد اہلِ کشمیر حلقہ بگوش اسلام ہوکر اپنی زندگیوں کو نورِ اسلام سے منور کر چکے تھے۔''(۱۳)

اختتامیہ (Conclusion): زمانۂ قدیم سے ہی کشمیر کی تاریخ میں مختلف اَوقات پر مختلف قوموں کے تہذیب وثقافت نے عروج وزوال کے مراحل طے کیے۔سب سے پہلے کشمیر کی تاریخ میں ریشیوں اور سنیاسیوں نے ڈیرے جمائے اور قبل اَز مسیح دور میں اپنے انداز میں اپنی تہذیب کی بنیاداُستوار کی۔پھر آریاؤں کی آمد سے ایک نئی تہذیب نے پہلے سے موجودہ تہذیب وثقافت کو مغلوب کیا اور باہمی اختلاط کی صورت میں نئی تہذیب وجود میں آئی۔اُسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں پر مختلف قوموں نے اپنا مسکن کیا اوراَپنے اپنے مذاہب کے ساتھ ساتھ اپنی ثقافت کی راہ کو بھی ہموار کیا،جس میں ہندواَور بدھ قوم میں شامل رہیں۔چودہویں صدی عیسوی میں کشمیر میں اِشاعت اسلام کا سلسلہ اُس وقت تیز رَفتاری سے پھیلنا شروع ہوا جب وسطِ ایشیا اور اِیران سے صوفیائے کرام واردِ کشمیر ہوئے۔صوفیائے کرام نے کشمیر تشریف لانے کے بعد تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ یہاں آکر سماجی اُصولوں اور معاشرتی قوانین سے یہاں کے لوگوں کو روشناس کرایا اور ایک متحدہ معاشرہ تعمیر کرنے کی سعی کی،جس کی بنیادیں اسلامی معاشرت پر مبنی ہوں۔صوفیوں اور مبلغوں نے کشمیر آکر کشمیری عوام کو اِسلامی نظام معاشرت سے روشناس کرایا، جس نے آگے چل کر ایک منظم تہذیب کی شکل اختیار کی اور ایک ہمہ گیر انقلاب سے دنیا کی دیگر تہذیبوں میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔زیادہ تر اُس تہذیب میں عالمگیر اِسلامی تہذیب کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن اُس میں کشمیریت کا اپنا ایک الگ رنگ بھی خوب دیکھنے کو ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔سیدعلی رضا، وادی کشمیر کے تہذیبی وثقافتی ہمہ جہتی پہلو، (غیر مطبوعہ) مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی،شعبہ کشمیریات،کُلیہ شرقیہ،جامعہ پنجاب،لاہور،۲۰۰۸ء،ص:۹

۲۔ پروفیسر محمد اِسحاق خان، کشمیر میں اشاعت اسلام: ریشیانِ کشمیر کی خدمات کا ایک تاریخی جائزہ (اُردو ترجمہ از بدرالدین بٹ)،گلشن پبلیشرز،سری نگر،۲۰۰۲ء

۳۔ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری، کشمیر میں اِسلام: منظر اور پس منظر، مکتبہ علم و ادب، سری نگر، کشمیر،ص:۴۹

۴۔T.W.Arnold, The Preaching of Islam, Adam Publishers New Delhi, 2012

۵۔سید سیف الدین بیہقی، نورِعرفان، کرمانی پبلی کیشنز، رافیع آباد کشمیر، ۲۰۱۱،ص:۵

۶۔م۔م۔مسعودی، رنچن سے رنجیت تک (تاریخ اسلام)، بوک میڈیا، سری نگر،ص:۱۲

۷۔محب الحسن، کشمیر سلاطین کے عہد میں (اردو ترجمہ از میجر علی حماد عباسی)، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء،ص:۷۵

۸۔G.M.D. Sofi, Islamic Culture in Kashmir, Capital Publishing House, Delhi, 1996, p.40

۹۔عطش دُرونی، اسلامی فکر وثقافت، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۰ء،ص:۱۱۲

۱۰۔پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، تاریخ تہذیبِ اسلامی (عہدِ جاہلی وعہد نبوی)، اِنسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اِسٹڈیز، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء،ص:۲۱

۱۱۔ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سید میر علی ہمدانیؒ، شیخ محمد عثمان اینڈ سنز، سری نگر، کشمیر

۱۲۔م۔م۔مسعودی، ایضاً،ص:۸

۱۳۔ڈاکٹر اِعجاز فاروق اکرم، کشمیر، اشاعت وفروغ اِسلام میں صوفیوں وسلاطین کی مساعی،ص:۲۴۰

●●●

ڈاکٹر سرتاج احمد صوفی (۱)

اَہل کشمیر کی اَورادِ فتحیہ کے ساتھ وابستگی

اَز آدم تا اِیں دم دنیا میں اَن گنت اور متعدد لوگ آئے اور چلے گئے۔ کچھ لوگ تو مرنے کے بعد صرف چہارم تک یاد رہے، تو کچھ تھوڑے اور عرصے تک۔ لیکن وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اُن کی یادیں بھی مفقود ہوتی گئیں۔ مگر کچھ لوگ تو مرنے کے بعد بھی زندہ رہے اور آج بھی دنیا اُن کو یاد کرتی ہے اور اُن کی یاد میں کتابیں لکھی جاتی ہیں، سیمیناروں اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے، اُن کو ہر سال خراجِ عقیدت اور خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے اور اَیسا لگتا ہے کہ وہ عالم دنیا میں ہی ہیں۔ ایسی ہی ایک عظیم اور نامور شخصیت آج سے تقریباً چھ صدیاں پہلے ہمدان (ایران) سے ہماری وادیٔ گلپوش کے اندر تشریف آور ہوئی، جس کو کشمیری قوم ''علی ثانی''، ''بانی مسلمانی''، ''امیر کبیر'' اور ''شاہِ ہمدان'' کے اَلقاب سے یاد کرتی ہے۔

میر سید علی ہمدانی بن شہاب الدّین رحمۃ اللہ علیہ جیسی کثیر الجہات شخصیت نے کشمیر کو نورِ عرفان سے منور کر کے جنت بے نظیر بنایا۔ آپ کی مدحت و توصیف میں حکیم الامت علامہ اِقبال یوں رَطب اللّسان ہیں:

سید السادات سالارِ عجم
دست و معمار تقدیرِ اُمم
تا غزالی درس اللہ گرفت
ذکر و فکر او دود ماں او گرفت
مرشدِ آں خطہ مینو نظیر
میر درویش و سلاطین او مشیر

---

(۱) شاہِ ہمدان مرکز برائے اسلامی مطالعات، کشمیر یونیورسٹی

خطِ را آں شاہ دریا آستین
دادعلم وصفت وتہذیب و دیں
آفرید آں مردِ ایرانِ صغیر
با ہنر ہائے غریب و دلپذیر
یک نگاہِ او کُشا ید صد گرہ
خیز و تیزش را بدل راہی بدہ (۱)

اِس کے علاوہ مولانا عبدالرحمن جامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''نفحات الانس'' میں، علامہ ابوالقاسم صاحبِ لوامع التنزیل نے ''کتاب البشریٰ'' میں، علامہ قاضی نوراللہ شوشتری نے ''مجالس المومنین'' کی مجلس ششم ''ذکر صوفیائے کرام'' میں، محمد بن سلیمان الکفوی نے ''اَعلام الاخیار'' میں، حسین بن معین الدین نے ''فوائے'' میں، اور علامہ عبدالحی نے ''نزہتہ الخواطر'' میں اَمیر کبیر کی مدح شاندار طریقے سے کی ہے۔ جہاں تک ہند و پاک اور وسطِ ایشیا کا تعلق ہے یہاں تو آپ کو قطب الارض، اَمیر کبیر اور شاہِ ہمدان وغیرہ کے اَلقاب سے جانا جاتا ہے۔

شاہِ ہمدان فارسی زبان واَدب کے ایک بُلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان واَدب پر بھی یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اُن کی عربی تحریریں زیادہ تر رَسائل سے عبارت ہیں۔ فارسی کی طرح اُن کی عربی تحریروں کے موضوعات بھی عام طور پر تفسیر قرآن، حدیث، اخلاق، تصوّف، اصلاحِ باطن اور حکمت پر مشتمل ہیں۔ یہ تحریریں زیادہ تر مخطوطات (Manuscripts) کی شکل میں اِیران اور دُوسرے ممالک کے کُتب خانوں میں موجود ہیں اور اُن کی اشاعت کے سلسلے میں میری ناقص معلومات کے مطابق اَبھی تک سنجیدگی کے ساتھ کوشش نہیں کی گئی ہے۔ آپ کی عربی تحریروں میں ''الانسان الکامل'' یا ''الروح الاعظم''، ''فی فضل الفقر و بیان حالات الفقراء''، ''رسالہ طالقانیہ''، ''من خواص اہل باطن''، ''اسرار النقطۃ'' اور ''اَورادِ فتحیہ'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

ذکر اَور اَوراد کے موضوع پر آپ کے عربی رسائل میں ''اَورادِ فتحیہ'' آسانی سے مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے۔ اسی رسالے کے اُردو، انگریزی اور کشمیری میں ترجمے بھی دستیاب ہیں۔ نیز اِس کے قلمی نسخے بھی مختلف کُتب خانوں میں موجود ہیں۔

جہاں تک ''اَورادِ فتحیہ'' کے پس منظر کا تعلق ہے تو یہ بات پیش نظر رہے کہ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے تین دفعہ ''ربع سکون'' کا سفر کیا اور دَورانِ سفر دنیا کے متعدد بزرگانِ دین، علمائے عظام اور اَولیائے کرام سے ملاقی ہوئے اور اُن سے اِستفادہ کیا۔ اُن سے اَخذ شدہ وظائف و کلمات کو جمع فرما کر اَپنی خدا داد صلاحیت سے ایک منفرد مگر جاذب القلوب دلکش ترتیب دے کر ''اَوراد''

تیارفرمائی۔ یہ تمام کلمات مبارکہ قرآن مجیداوراَحادیث مبارکہ سے ماخوذ ہیں۔ اِسی مجموعۂ اَورادکو دربارِرسالت سے ''فتحیہ'' نام عنایت ہوا۔

خطۂ کشمیر کے معروف صوفی اورمؤرخ حضرت شیخ عبدالوہاب نوری ''فتوحاتِ کبرویہ'' میں تحریرفرماتے ہیں:

''جناب سیادت فرمودندکہ اوراداز چہارصداَولیائے کرام جمع نمودم درفکرتسمیہ آں شدم چوں مکہ معظمہ رسیدم شبے جناب رسالتماب'' درخواب دیدم فرمودندخُذ ہٰذہ الفتحیۃ چوں بہ خودآمدم دردست آں مجموعہ دیدم بعدازانکہ مدینہ مطہرشدم بعض حضرت رسالت محمدرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جلوہ گرشد اِیں اورادراباولادفتحیہ نامیدندلا جرم سکان ایں خط ہمیشہ آں راورد ساختند ہ وسبب فتح ابوابِ رحمت میتوند۔''(۲)

ترجمہ: حضرت اَمیرفرماتے ہیں کہ ''اَورَادِفتحیہ'' میں نے چارسو(۴۰۰)اَولیائے کرام سے اَخذ کی ہے۔ میں ان جمع کردہ کلمات طیبات کے نام رکھنے کی سوچ رہاتھا۔اسی دوران میں مکہ معظّمہ چلاگیا۔میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھا۔اُنھوں نےفرمایا: ''یہ فتحیہ لےلو۔''

جب میں بیدارہوا،تومیں نے اَورادکا وہ مجموعہ دیکھا جوخواب میں حضورعلیہ السلام نے مجھے عنایت کیاتھا۔پھرمیں مدینہ منورہ چلاگیا۔میں نے وہاں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کودیکھا، اُنھوں نے میرے اِس مجموعۂ اَورادکو''اَوَرادفتحیہ'' نام رکھا۔اس علاقہ(کشمیر)کے باشندے اِس اَورادِفتحیہ کی قراءت میں ثابت قدم رہے۔اُس کو پڑھنے سے اُن پراللہ تعالیٰ کے فیض وبرکات کے دروازے کھل رہے ہیں۔''

اسی طرح صاحبِ منقبت الجواہرحضرت ملّاحیدربدخشی ''اَوَرادفتحیہ'' کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں کچھ یوں رقمطرازہیں:

''درمدینہ منورہ شبے نزدیک روضہ مطہربطریق استخارہ نشتم دردل گذرانیدم کہ ازجدّ بزرگوار پرسم کہ اورادی راکہ جمع کردم اگراجازت باشدخواندہ ہاشم۔ چوں درخواب رفتم لقای پُرنورآں سیدالسادات وآں مُفخرموجودات محمدمصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رادیدم کہ ازآستین مبارک خودنسخہ کتید صرآداوندوفرمودندیاولدی خُذ ھٰذہ الفتحیۃ بیدی فلاجرم آں نسخہ رادیدم اورادکہ من جمع کردہ بودم اَز وردمسنون وازفرمائش مشائخ کبارواَولیائے نامدار۔''(۳)

ترجمہ: ایک رات میں مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کے نزدیک اِستخارہ کے لیے بیٹھا۔میں دل میں سوچ رہاتھا کہ میں اُن سے عرض کروں کہ جواَورادمیں نے جمع کیے ہیں اُن کو پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔اسی دوران مکاشفے میں حضوراَکرم صلی اللہ

علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستین سے میرے جمع کردہ اَورَاد کا مجموعہ نکال کر مجھے عطا کیا اور اِرشاد فرمایا:

''لو یہ فتحیہ میرے ہاتھ سے، تو میں نے دیکھا کہ میرا مجموعۂ اَوراد تھا جو میں نے اَورادِ ماثورہ اور کبارِ اَولیا اور مشائخ عظام سے اخذ کیے تھے۔''

حضرت امیر کبیر جس وقت وادی گلپوش میں براجمان ہوئے اُس وقت کشمیر میں ہندومت (ہندو مذہب) کا دور دورہ تھا۔ یہاں کے سماجی اور دینی حالات بہت ہی ابتر تھے۔ بادشاہِ وقت سلطان شہاب الدّین روزانہ کالی شوری مندر کی پوجا پاٹ کرنے جاتا تھا۔ قطب الدّین نے بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھا تھا جو حرام ہے، اور باقاعدہ طور پر ہندوانہ لباس زیب تن کیا کرتا تھا۔ یہاں کے منادر میں پوجا زُور زُور سے کی جاتی تھی۔ ہر طرف ظلم و جہالت چھائی ہوئی تھی۔ اسلام اور اِسلامی حکومت ہونے کے باوجود بھی مشرکانہ اور غیر اِسلامی اُصولوں کی پیروی کی جاتی تھی۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے اَسرارِ شریعت کے ایک واقف کار، ماہر نفسیات اور مجتہد کی حیثیت سے موجودہ سماج کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر مرض کا صحیح تعین کیا اور بہت ہی حکیمانہ انداز میں اُس مہلک مرض کا تدارک کیا۔ شرک و بدعت کو اَپنے تمام تر اَقسام کے ساتھ ختم کرنے کے لیے اور اِنسان کے قلب میں اللہ کی وحدانیت رچ بس جانے کے لیے ''اورادفتحیہ'' کا اَکسیر نسخہ عطا فرمایا۔

''اورادفتحیہ'' اَہل کشمیر کے لیے خصوصاً اور اَہل اسلام کے لیے عموماً حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا نایاب تحفہ ہے۔ جس کی ہر سطر سے توحیدِ الٰہی کا نور ٹپکتا ہے۔ یہ وہ نسخہ توحید ہے جس کا ہر جملہ قرآن وحدیث کی روشنی سے نہ صرف ثابت ہے بلکہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے مشن کی بنیاد جس خالص توحید پر ہے، اُس کی عکاسی کرتی ہے۔ اطمینان قلب کے ساتھ ساتھ یہ ایسا روح پرور ذِکر ہے جو ایک مؤمن کو مقام غیوب سے مقام شہود تک سیر کراتا ہے اور اِس طرح عبد اَپنے معبود کی معرفتِ حقیقی سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔

حکیم غلام نبی ''شرح اَوَرادفتحیہ'' میں لکھتے ہیں:

''یہ اگرچہ ذِکر و دُعا کا ایک مختصر مجموعہ ہے مگر جس خوبی سے عقیدۂ توحید کو مختصر جملوں میں سمجھایا گیا ہے، راقم کے پاس اُس کی تحسین و آفرین کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ ہاں! مختصراً اِتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت اَمیر نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ ذاکر اُس سے جتنا فیض حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔'' (۴)

ابو عامر لکھتے ہیں: ''اِس رسالے کو وظیفۂ توحید کہا جائے تو بہتر ہوگا، کیوں کہ اُس میں توحید اور اُس کے لوازمات کی توضیحات بڑی دلکش اور تفصیل سے کی گئی اور شرک و کفر کی ہر ایک قسم سے

باخبر کیا گیا۔''(۵)

اگر ہم ایک جملے میں ''اورادِفتحیہ'' کا مرکزی موضوع بیان کرنا چاہیں تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ توحید ہے۔ اُس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اُس کے اثرات، اُس کے حقوق، اللہ کی ذات اور اُس کی صفات مقدسہ کے علاوہ رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سیر حاصل روشنی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جس طرح قرآن مجید کے سورۂ اخلاص کو ''سورۂ توحید'' کہتے ہیں اُسی طرح ''اورادفتحیہ'' کو بلا مبالغہ ''کتابُ التوحید'' کہنا درست ہوگا۔

''اورادفتحیہ'' جہاں عامۃ الناس کے لیے حل مشکلات اور موجب خیر و برکت ہے وہیں خواص کے لیے مقامِ غیوب سے مقامِ شہود تک پہنچنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اَکابر علما و مشائخ نے ''اَورادِفتحیہ'' کی اثر آفرینی کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت ایشاں شیخ یعقوب صرفی رحمۃ اللہ علیہ (جو علامہ ابن حجر مکّی کے شاگرد اَور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے اُستاد رَہ چکے ہیں) وہ فرماتے ہیں:

کعبہ دل را بود کہ صد حجاب
ہست ز فتحیہ او فتح یاب (۶)

مومن کا دل جو کعبہ شریف کی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے اَنوار و تجلیات کی جگہ ہے، اگر وہ غفلت وقسادت کے سیکڑوں پردوں میں جکڑا ہوا ہو، تو دل کی اِس غفلت وقسادت کو دُور ہونے کے لیے اور اُس میں انوار و تجلیات ربّانی پڑنے کا واحد ذریعہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''اَورادِفتحیہ'' کی تلاوت ہے۔

شیخ العالم شیخ نورالدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذکر تہ اوراد یُود وظیفہ آسی
ہے کہ کُس کرتھ ژے ستی مان (۷)

خطۂ کشمیر میں طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی جہاں صوم وصلوٰۃ کا آغاز ہوا وَہیں پابندی کے ساتھ ''اَورادفتحیہ'' کا بصد ذوق وشوق ورد بہ جہر بھی معمول بن گیا جس کی ابتدا خود اَمیر کبیر رحمہ اللہ نے فرمائی اور اُن کی پیروی میں وسط ایشیا سے تشریف آور علما و مشائخ عظام نے بھی جگہ جگہ، قریہ قریہ، مسجد مسجد اِس مسنون ''اَورادِفتحیہ'' کا بالجہر وِرد کیا اور کروایا۔

اس کے ساتھ ہی کشمیر کی سرزمین سے پیدا ہونے والے اَولیائے کرام، صوفیانِ عظام، عرفا و سالکین بالخصوص سلطان کشمیر حضرت شیخ حمزہ مخدومی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری آن و بان، ایمان و اِیقان سے اجتماعی طور پر اُس متبرک اور توحیدی ذکر کو بالجہر بلا ناغہ صبح وشام وِرد جاری وساری رکھا۔

''وِردالمریدین'' میں حضرت بابا داوٗد خاکی فرماتے ہیں:

حلقہ کردہ قاری اَورادِ فتحیہ بشوق
اَولیا بسیار مشہودش بتیر اسر شدہ اَست

محبوب العالم نے تیراسر نامی ایک گاؤں میں اَولیائے رجال الغیب یعنی زمین میں رہنے والے فرشتگانِ الٰہی کو دیکھا کہ حلقہ باندھ کر ذوق وشوق سے ''اوراد ِفتحیہ'' کی تلاوت فرما رہے ہیں:

بعد خفتن ہم بخواں اَوراد فتحیہ بشوق
بامریداں ذولیاش ایں امرہم یکمر شدہ است(۸)

یعنی آپ کو اَولیا کی ایک جماعت کی طرف سے اِس بات کا حکم ملا کہ اپنے مریدوں کے ساتھ ساتھ بیٹھ کر عشا کی نماز کے بعد اَورادِ فتحیہ کا وِرد کریں۔

اُسی طرح حضرت بابا داوٗد خاکی ''قصیدہ لامیہ'' میں حضرت بابا ہردی ریشی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہر صباحے سال ہا اورادِ فتحیہ بخواند
ایں یکے براستی اعتقاد اوست دآں(۹)

کئی برسوں تک ہر صبح ''اَورادِ فتحیہ'' کا وِرد کرتے رہے جو کہ آپ کے اِعتقاد کے سچائی پر واضح اور رَوشن دلیل ہے۔

''اَورادفتحیہ'' دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقبول شدہ وظیفہ ہے۔جس کے ساتھ شروع سے ہی کشمیری عوام کی راسخ وابستگی رہی ہے۔ساکنان کشمیر نے ''اَورادفتحیہ'' سے اپنا تعلق ورشتہ دائم رکھا۔اَمیر کبیر کے وادی سے تشریف لے جانے کے بعد رِہائش پذیر عوام نے اُسے حرزِ جان بنالیا۔بابا داوٗد مشکوٰتی اِس حقیقت کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

''اِس سرزمین (کشمیر) کے باشندے صبح کو نماز اَدا کرنے کے بعد دائرہ میں بلند آواز بلند اَورادِفتحیہ پڑھتے ہیں اور لطف اَندوز ہوجاتے ہیں۔''(۱۰)

کشمیر کی اِسلامی تاریخ شاہد ہے کہ امیر کبیر کے زمانے سے لے کر آج تک سرزمین کشمیر پر کبھی آفتاب طلوع نہیں ہوا، جب یہاں ''اَورادفتحیہ'' کا وِرد اِجتماعی یا اِنفرادی طور پر نہ کیا گیا ہو۔

اِسی بات کا اعتراف کرتے ہوئے شفقت رسول بیگ سابق اَمیر جماعت اِسلامی کشمیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سابق امیر جماعت مولانا سعدالدین تارہ بلی فرماتے ہیں کہ کشمیر کی سرزمین میں چھ صدیوں سے کوئی ایک دن بھی ایسا نہ گزرا ہوگا جب کہ اَورادِفتحیہ کو یہاں کسی نہ کسی مقام پر اِنفرادی

یا اِجتماعی طور پر نہ پڑھا گیا ہو۔''(۱۱)

اسی طرح ایک اور قلم کار رخا کی محمد فاروق اپنی کتاب ''داعی اسلام'' میں فرماتے ہیں:

''حضرت اَمیر کے جانے سے لے کر آج تک اہل کشمیر نے اُس کو بڑی عزّت واحترام کی نگاہوں سے دیکھا اور بہت سے مسلمانوں کو یہ وظیفہ زبان در عام ہے۔ نجی محفلوں کے ساتھ ساتھ اُس کو یہاں مسجدوں اور خانقاہوں میں بھی بڑے شوق وذوق سے لوگ پڑھتے ہیں۔''(۱۲)

کشمیری عوام کی سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت کا اظہار، چھ صدیاں گزرنے کے بعد بھی گھروں، مساجد اَور خانقاہوں میں ''اَورادِفتحیہ'' کے وِرد سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہر سال یہاں عرس ہمدانی عقیدت واحترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اِس موقعے پر مختلف خانقاہوں میں حیات ہمدانی کے بیان کے ساتھ ساتھ ''اَورادِفتحیہ'' کا وِرد بھی کیا جاتا ہے۔

اِس موقع پر اَہل علم حضرات بھی سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرنے کے لیے مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں کا انعقاد کرتے ہیں اور اَمیر کبیر کی حیات کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرتے ہیں۔

''اَورادِفتحیہ'' غیر معمولی عوامی مقبولیت حاصل کر کے کشمیر کی تہذیب میں داخل ہوئی ہے۔ جس طرح ''فیرن'' کشمیری تہذیب کی علامت ہے، اُسی طرح اَورادِفتحیہ بھی کشمیری تہذیب کا ایک حصّہ بن چکی ہے۔ یہاں کے لوگ جس طرح بغیر ''نون چائے'' کے سکون وقرار نہیں پاتے۔ اُسی طرح بغیر وِردِ اَوراد کے سکون وچین کھو بیٹھتے ہیں۔ آج کے پُرفتن دور اَور پُرکٹھن حالات میں بھی لوگ بعد اَز نمازِ فجر بالجہر وِردِ اَوراد میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر مساجد، مزاراتِ اولیا اور خانقاہوں میں قرآن مجید کے نسخوں کے ساتھ ساتھ ''اَورادِفتحیہ'' کے نسخے کثیر تعداد میں دیکھنے کو ملتے ہیں اور لوگ اُن کو پڑھ کر فرحت وسکون حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ''اَورادِفتحیہ'' کے اِس فیضان کو ہمیشہ جاری وساری رکھے اور اُس کے وِرد کے ساتھ ساتھ اُس کے مضامین کو بھی سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

(آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حوالہ جات

۱۔علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال (جاوید نامہ)، کتب خانہ نظیریہ، دہلی، صفحہ:۱۴۶

۲۔عبدالوہاب نوری، فتوحاتِ کبرویہ، مخطوطہ، برگ:۴

۳۔ملا حیدر بدخشی، منقبت الجواہر، صفحہ:۲۹

۴۔حکیم غلام نبی،شرح اَورادِفتحیہ، چنار پبلیکیشنز،سری نگر،کشمیر،۱۹۹۸ء،صفحہ:۴۱
۵۔ابوعامر،داعی اسلام،صفحہ:۵ ۱۳،ماخوذ اَزشفقت رسول بیگ،صفحہ:۸۷-۹۷
۶۔شیخ یعقوب صرفی،مسلک الاخیار،مخطوطہ،برگ:۸
۷۔کلام شیخ العالم،مترجم:ابونعیم
۸۔بابا داوَدخا کی،وردالمریدین
۹۔بابا داوَدخا کی،قصیدہ لامیہ
۱۰۔بابا داوَدمشکوٰتی
۱۱۔شفقت رسول بیگ، دولتہ الکشمیر من طرف الامیر الکبیر (شرح اورادفتحیہ)، مکتبہ اہلسنت،چینی بازار،اِسلام آباد،کشمیر،صفحہ:۸۸
۱۲۔خاکی محمد فاروق،داعی اسلام
●●●

خاکی محمد فاروق

کشمیر میں شاہِ ہمدانؒ کا دعوتی کام

حضرت شاہِ ہمدان میر سیّد علی ہمدانی (متوفی: ۷۸۶ھ) آٹھویں صدی ہجری کے عظیم عالم و فاضل، کامل ولی اللہ اَور کامیاب داعی و مبلغ تھے۔ اُن کے کارناموں میں ایک اہم کارنامہ کشمیر میں اِسلام کی دعوت و اشاعت ہے۔ اُنھیں کی کوششوں سے وادی کشمیر میں ایک عظیم اِسلامی انقلاب برپا ہوا۔ اگرچہ اُن کے کشمیر آنے سے پہلے یہاں حضرت بلبل شاہ نے دعوت دین کا آغاز کیا تھا جس کے نتیجے میں بادشاہ وقت کے ساتھ ایک مختصر طبقے نے اِسلام قبول کیا تھا۔ مگر حضرت اَمیر کبیر کے زمانے میں یہاں کی اکثریت اِسلام اور اِسلامی تعلیمات سے ناآشنا تھی۔

حضرت اَمیر کبیر جب ختلان (تاجکستان) کے قیام کے دوران مختلف ذرائع سے کشمیر کے حالات و واقعات سے باخبر ہوئے، تو اُنھوں نے کشمیر کے سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات جاننے اور یہاں کے لوگوں کی عادات واَطوار معلوم کرنے کے لیے اپنے قابل اعتماد ساتھی اور رَفیقِ خاص حضرت سید حسین سمنانی کو ۷۷۳ھ یا ۷۷۲ھ میں بھیج دیا۔(۱) پھر اُنھوں نے یہاں کے حالات و واقعات اور عوامی مسائل کا صحیح جائزہ لے کر حضرت اَمیر کبیر کو یہاں کے سارے حالات سے باخبر کیا اَور اُنھیں یہاں آنے کی دعوت دی۔

حضرت اَمیر کا کشمیر کا پہلا دورہ: اُس کے بعد حضرت اَمیر نے کشمیر میں اِسلام کی تبلیغ واِشاعت کے لیے ایک جامع ترین منصوبہ عمل مرتب کیا، جس کے مطابق آپ ۷۷۴ھ میں خود کشمیر کی طرف روانہ ہوئے (۲) اور یہاں پہنچ کر سب سے پہلے یہاں بلبل شاہ سے لے کر اُس وقت تک دعوت وتبلیغ اور اِصلاحی کام کا بغور جائزہ لیا اور جن مبلغین اور داعیانِ حق نے اس دوران کشمیر میں دعوت دین کے حوالے سے سعی وجہد کی تھی اُن پر اور اُن کے کام اور طریقہ کار پر بھی ایک محققانہ نظر

ڈالی تا کہ آئندہ جو طریقہ کارِ دعوت واصلاح کے کام کے لیے مرتب کیا جائے وہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہو، اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام ہو۔ ان داعیانِ حق کے طریقہ تبلیغ میں جو خوبیاں ہوں اُنھیں اپنایا جائے اور جو کمزوریاں اور کوتاہیاں ہوں اُنھیں دور کیا جائے۔ اس کے ساتھ آپ نے خود یہاں کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی حالات کا جائزہ لیا اور لوگوں کے رہن سہن، عادات واَطوار اور خیالات وافکار کو بغور دیکھ کر اَپنا دعوتی پروگرام مرتب کیا۔

دوسرا کام آپ نے یہاں پہنچتے ہی دربارِ سلطنت کے ذمّہ داروں اور دیگر بااَثر اَفراد سے روابط قائم کیے۔ چوں کہ آپ جانتے تھے کہ دعوت دین اور اِصلاح کا کام اُمرا کی مدد ومعاونت کے بغیر بہت ہی مشکل ہے۔ اِس لیے آپ نے سلاطین واُمرا کی توجہ دعوت اسلام، اشاعت دین اور شریعت کی ترویج کی طرف مبذول کرائی۔ جس کے نتیجے میں سلطان شہاب الدین اور سلطان قطب الدین اور دیگر ذمّہ داراں بعد میں اِسلام کی ترقی اور ترویج میں بڑے سرگرم ہوئے اور حضرت اُمیر کبیر اَور اُن کے ساتھیوں کے معاون ومددگار ثابت ہوئے۔ بالآخر آپ کئی ماہ یہاں گزار کر واپس ختلان چلے گئے۔

تشکیل جماعت: ختلان پہنچ کر حضرت شاہِ ہمدان کشمیر میں دعوت وتبلیغ اور اِصلاحی مشن کی تکمیل کے لیے کام کرنے لگے۔ چوں کہ کشمیر میں آپ نے حالات کا بچشمِ خود مشاہدہ کیا تھا۔ ان حالات کو مدنظر رَکھ کر آئندہ کے لیے پروگرام ترتیب دینے لگے۔ سب سے پہلے آپ نے ایک منظم جماعت کی تشکیل کی طرف دھیان دیا۔ اکثر مؤرخین ومحققین کے مطابق یہاں سے واپس جانے کے بعد آپ چھ سات سال کے بعد دُوسری بار ۷۸۱ھ میں کشمیر تشریف لائے۔ گمانِ غالب ہوتا ہے کہ آپ نے اُس مدت کو اَفراد کی تعلیم وتربیت اور جماعت کی تشکیل وانتخاب میں صرف کیا ہوگا۔ کیوں کہ دعوت وتبلیغ کی تحریک میں علم وایمان، سیرت وکردار اَور فکروشعور کے اعتبار سے جتنے مضبوط اَفراد ہوں گے، اُتنا ہی دعوت وتبلیغ کا کام حوصلہ اَفزا اَور نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔ اس کے برعکس افراد جتنے فکروشعور اَور علم وایمان کے لحاظ سے کمزور ہوں گے۔ اُتنا ہی یہ کام مشکل اور کم ثمر بار ہوگا۔ یہی کام اسلامی تحریکوں کے لیے اہم اور بڑا نازک ہوتا ہے۔ اِس لیے حضرت میر سید نے ہر فرد کی تعلیم وتربیت اِس انداز سے کی کہ وہ اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی اور دین حق کی سربلندی کی خاطر ہر ایک تکلیف ومشکل برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو اَور راہِ حق میں بے مثال قربانیاں دینے کے لیے تیار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اس دین حق کی دعوت واقامت اور غلبہ کے لیے اپنے گھروں کی پُرسکون زندگی کو خیر باد کہہ کر مسافرانہ زندگی کو گلے لگالیا۔ اپنے اہل وعیال اور دیگر قریبی رشتہ داروں اور دوست واحباب کو چھوڑ کر ایک اجنبی ماحول میں آگئے۔ مال ودولت اور

زمین وجائداد کولات مار کر غربت واَفلاس کی زندگی بسر کی اور اَپنے عزیز وطن سے دور ہو کر کشمیر کو رونق بخشی۔

اس جماعت کا ہر ایک فرد ممبر جوشِ ایمان، علم وعرفان، زہد وتقویٰ، عملِ پیہم، عزم راسخ، حسنِ اخلاق، صبر واستقامت، شوقِ شہادت، ذوق دعوت وتبلیغ اور جرأتِ اظہار میں اپنی مثال آپ تھا۔ اُن کی زندگیوں کو دیکھ کر دَورِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں اُنھوں نے یہاں کے عوام کو اَپنے مومنانہ اَوصاف اور دَاعیانہ سیرت وکردار اَور متقیانہ زندگی سے اپنا گرویدہ بنا دیا۔ پھر جس گاؤں، قصبہ اور علاقے میں گئے وہاں کے لوگوں کو حق وصداقت کے دیوانے بنا گئے۔ جب کہ اُن کے مخاطبین اکثر غیر مسلم تھے جو صدیوں سے بت پرستی اور کفر وشرک کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے اور توحید وحق سے بہت دور گرے ہوئے تھے۔ مگر جب اُنھوں نے اُن داعیانِ حق کا طرزِ عمل، طریقہ دعوت دیکھا تو وہ اُنھیں کے ہو گئے۔ اِس طرح وہ اپنے آبائی مذہب، خاندانی رسُوم اور قدیم صنم پرستی کو چھوڑ کر اِسلام کی آغوش میں آ گئے۔ پھر وہ اُن داعیان دین سے محبت واِحترام کرنے لگے۔ اُن کو اَپنے محسن وخیر خواہ سمجھنے لگے اور اُن کے ہر حکم پر مر مٹنے لگے۔

تاریخ اور مختلف تذکروں سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ نے اس جماعت کا انتخاب کشمیر کے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی اور دیگر حالات کو مدنظر رکھ کر کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت میں عالم وفاضل، فقیہ ومحدث، قاری وحافظ، صوفی وعارف اور مقرر ومدرس کے علاوہ اَعلیٰ پایہ کے ادیب وشاعر اور فنکار ودستکار اَور کاریگر بھی شامل تھے۔ جو علم وہنر اَور فنکاری وکاریگری میں اپنی مثال آپ تھے۔ یہی جماعت ہے جس نے یہاں بعد میں اپنی کوششوں اور کاوشوں سے سیاست واقتصادیت، اخلاق ومعاشرت، کلچر وثقافت اور تہذیب وتمدن میں عظیم انقلاب برپا کر دیا۔

آخر کار جب حضرت میر سیّد رُفقائے کرام کی تعلیم وتربیت اور جماعت کی تشکیل وانتخاب سے فارغ ہوئے، تو آپ اُس فرشتہ صفت کاروان کے ساتھ جس کی تعداد سات سو سے زائد تھی ۷۸۱ھ میں وارِدِ کشمیر ہوئے۔(۴)

داعیانِ حق کی ماموریت: حضرت امیر کبیر ایک منجھے ہوئے داعی حق اور مبلغ اسلام تھے۔ آپ جب کشمیر دوسری بار تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلے کشمیر کے مختلف گاؤں، قصبوں اور علاقوں میں اپنے رُفقائے کرام کو دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں بھیج دیا، اور خود سری نگر میں قیام کر کے اُن کی نگرانی کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً اُن کے کام کا جائزہ لیتے رہے۔ سری نگر میں درس وتدریس اور دعوت واِصلاح کے ساتھ ساتھ آپ بھی کشمیر کی مختلف جگہوں پر گئے اور اِشاعت دین کے کام

میں بالفعل وابستہ رہے۔

چوں کہ اس وقت یہاں کے لوگوں کی اکثریت کفر وشرک اور خدا بے زاری میں مبتلا تھی اگر چہ شہرِ سری نگر اَور ایک دو قصبہ جات میں توحید و اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی۔ مگر اکثر گاؤں، قصبہ جات اور علاقے سِرے سے ہی اسلام اور اُس کے پیغام سے بے خبر تھے۔ اِس لیے آپ نے اسلام کے نور سے وادی کشمیر کو منور کرنے کے لیے اپنے تربیت یافتہ رُفقا کو کشمیر کے اَطراف واَ کناف میں پھیلا دیا۔ سری نگر کے مختلف علاقوں میں آپ نے اپنے کئی رُفقائے کرام کو مامور کیا، اُس کے علاوہ پانپور، لتہ پورہ، بجبہاڑہ، لتر پلوامہ، آون پورہ ترال، آرہامہ شوپیاں، کولگام، نائد کھائی اور بارہ مولہ کے مختلف علاقوں میں اپنے مبلغین کو مامور کیا۔ (۵)۔ پھر اُنھوں نے اُن علاقون اور اُن کی نواحی بستیوں میں بڑی سرگرمی اور جوش وخروش سے دعوتِ دین اور اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ بندگانِ خدا کو صدیوں پُرانے کفر وشرک اور بُت پرستی سے چھٹکارا دلا دیا۔ توحید و رِسالت کے پیغام سے اُنھیں آشنا کیا۔ ہر چھوٹے بڑے، اُمیر وغریب، حاکم ومحکوم اور مرد وزن تک بغیر کسی تمیز کے پیغامِ حق پہنچا دیا۔ درس وتدریس اور نومسلموں کی تعلیم وتربیت کے لیے مختلف جگہوں پر درسگاہیں قائم کیں۔ دعوت وتبلیغ اور اشاعت دین کے لیے درجنوں مراکز بنائیں اور عبادت اِلٰہی کے لیے بہت سی مسجدیں بھی تعمیر کرائیں۔ پھر حضرت امیر کے حکم سے یہیں آخری دم تک قیام پذیر رہیں اور اِسلام کی خدمت انجام دیتے ہوئے اُن ہی علاقوں میں آسودہ خاک ہوئیں۔

روسائے کفار کو دعوت: حضرت امیر کبیر نے اِس بار دوسرا کام یہ کیا کہ آپ نے غیر مسلموں کے مذہبی پیشواؤں اور رَہنماؤں کی طرف توجہ دی۔ کیوں کہ یہی لوگ عوام کی گمراہی اور کفر وشرک کے ذمّہ دار تھے۔ عوام کو اُن سے والہانہ عقیدت تھی، اِس لیے یہ جس طرف چلتے لوگ بھی اُس طرف چل پڑتے۔ جس چیز کو یہ چھوڑتے عوام بھی اُس کو رَد کر دیتے۔ اُن کے ماننے والوں میں کسی کی یہ جرأت نہ تھی کہ اُن کی تقلید واطاعت سے منھ موڑے اور اُن کی مخالفت کرے، بلکہ اُن کے نزدیک یہی مذہبی پیشوا خدا یا خدا کے منظورِ نظر تھے اور اُن کا طریقہ زندگی عینِ مذہب تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ لوگ غلط ہو نہیں سکتے اور نہ اُن سے غلطی ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ جس بات کا ہمیں حکم دے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اُس کی جلد اَز جلد تعمیل کریں۔ اگر اُس میں ہم سے کوئی تاخیر ہوئی، تو ہم مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ چوں کہ حضرت شاہِ ہمدان اُن حالات سے بخوبی واقف تھے، اِس لیے آپ نے پہلے اُن ہی پیشواؤں اور رَاہبوں کو دعوت وتبلیغ کی غرض سے مخاطب کیا اور اپنے رُفقائے کرام کو بھی اِس بات کی تاکید کی، بلکہ داعیانِ حق کی ماموریت کے وقت اُن جگہوں کو اہمیت دی جہاں اُن رہبرانِ کفّار کے مراکز اَور اَڈّے تھے۔ جیسا کہ پانپور، لتہ پور، بیج بہاڑہ،

سری نگر وغیرہ۔ پھر اُن مبلغین دین نے یہاں اُن رہبرانِ مشرکین کو کفروشرک کی زنجیروں سے آزاد کر کے اُن جگہوں کو ہمیشہ کے لیے اسلامی مراکز میں تبدیل کر دیا۔

آپ بھی اُسی جگہ قیام پذیر ہوئے جو کفروشرک کے دیوانوں کا مرکز تھا اور جہاں غیر مسلموں کے بڑے بڑے پیشوا اور رَہنما بیٹھا کرتے تھے اور کذب و باطل کو وادی میں فروغ دیتے تھے۔ گو آپ کی خاص توجہ کفروشرک کے علمبرداروں اور اُن کے مراکز کی طرف تھی۔ اِسی لیے آپ نے آتے ہی پنچال پہاڑ پر ہندوؤں کے ایک بڑے راہب کو دولتِ ایمان سے مالا مال کیا۔ پھر سری نگر پہنچتے ہی آپ کے ذریعے سے یہاں کا بڑا رَاہب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح آپ کے ساتھیوں کے ذریعے سے بھی کئی سربراہانِ کفار مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سربراہانِ ملک کی تربیت: حضرت امیر کبیر رحمہ اللہ نے غیر مسلموں کے مذہبی پیشواؤں اور رَہنماؤں کے ساتھ ساتھ یہاں کے اُمرا اور وزرا کی طرف بھی خاص توجہ دی، چوں کہ اُن سے آپ کے تعلقات پہلے سے ہی اُستوار ہو چکے تھے۔ مگر اِس بار اُن تعلقات کو اَز سرِ نو دینی اور اِسلامی بنیادوں پر مضبوط اور اُستوار کیا اور اُنھیں اسلام اور شریعت محمدی کے اَصل تقاضوں اور مطالبوں سے روشناس کیا گیا اور قرآن وحدیث کی تعلیمات سے اُنھیں واقف کرایا گیا۔ خاص کر سلطان قطب الدین کی تعلیم وتربیت پر زُور دیا گیا۔ کیوں کہ سلطان اسلامی تعلیم اور اَحکام سے ابھی پوری طرح واقف نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مسلمان ہونے کے باوجود بھی مندروں اور بُت خانوں میں جاتا تھا اور کافرانہ لباس پہنتا تھا اور اُس کے نکاح میں بیک وقت دو سگی بہنیں تھیں جو کہ شریعتِ اسلام کی رُو سے حرام ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ اُس کو ایک پختہ مسلمان بنایا جائے اور اُس کو اِسلامی تعلیمات اور اَحکام سے باخبر کیا جائے کیوں کہ حضرت امیر کبیر یہ بخوبی جانتے تھے کہ ایک صالح نظامِ حکومت ایک صالح حاکم سے ہی وجود میں آ سکتا ہے اور صالح معاشرہ اور اِسلامی تہذیب وتمدن صالح نظامِ حکومت کے سائے تلے ہی اپنی پرورش پا سکتا ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ دعوت واِصلاح اور درس وتدریس کا کام بھی بڑی تیزی اور اسلامی بنیادوں پر ہو سکتا ہے۔ جب اُس کے حامی ومددگار اُمرا وسلاطین ہوں۔ اِس لیے حضرت امیر نے اُن کی تعلیم وتربیت اور اصلاح کی طرف خاص توجہ دی۔ جس میں آپ کو بڑی کامیابی وکامرانی حاصل ہوئی۔ جب آپ نے سلطان قطب الدین پر یہ واضح کیا کہ ایک مسلمان بیک وقت دو سگی بہنوں کو اَپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، یہ سراسر قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو سلطان نے فوراً ایک بیوی کو طلاق دے دی۔ (۶)

اُسی طرح یہاں ہندوستانی فیشن کے لباس کا رواج تھا اور سلطان بھی اُس رواج کا پابند تھا۔ لیکن جب اُس کو حضرت اَمیر نے اُس لباس سے رُوکا تو اُس نے لباس کو تبدیل کر دیا۔ (۷)

اِس طرح سلطان کو بتدریج احکامِ الٰہی کی طرف رہنمائی کی۔ جس کے نتیجے میں سلطان حضرت کا بڑا عقیدت مند بن گیا اور آپ کے درس وتدریس کی محفلوں میں بڑے شوق وذوق سے شریک ہوتا اور آپ کے علم وعرفان اور صحبتِ بابرکت سے مستفید ہوتا اور سعادت ابدی حاصل کرتا رہتا اور وہ اَدنیٰ غلام کی طرح آپ کے حکم کی تعمیل کرتا تھا اور حضرت امیرؒ بھی ان کی عزت کرتے اور اُن پر بڑے مہربان ہوتے تھے۔ چناں چہ اُنھوں نے تبرکاً اپنی کلاہ اُسے عطا فرمائی۔(۸)

اِس طرح حضرت اَمیر کبیر سلطان اور اُس کے ارکانِ سلطنت کی تربیت کرتے رہے اور اُنھیں یہ واضح کیا کہ یہ دنیوی زندگی بہرحال عارضی اور فانی ہے۔ اَصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، لہٰذا ایک بندے کو چاہیے کہ اُس دائمی زندگی کی خوشحالی کے لیے کام کرے اور یہ یقین اپنے ذہن میں ہمیشہ مستحضر رکھے کہ اُسے یہاں کے ہر چھوٹے بڑے کام کا اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اور ایک حاکم واَمیر کو یہ یاد رَکھنا چاہیے کہ یہ امارت وحکومت اصل میں میرے پاس امانت ہے اُس کے متعلق آخرت میں مجھ سے پوچھ تاچھ ہوگی۔ اس لیے اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کے حکم کے مطابق اُمورِ سلطنت انجام دے۔

حضرت شاہِ ہمدان سلطان قطب الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشاد کے بموجب دین نصیحت ہے۔ اِس لیے محبت کی وجہ سے نصیحت کرنا لازمی ہے، تجھے نصیحت کررَہا ہوں کہ دنیوی دولت میں رہ کر اَبدی نعمت کو نہ بھلانا۔ دنیوی نعمت ہوا کی طرح گزرجانے والی اور خواب کی طرح ہے اور سخت ناپیدار ہوتی ہے۔ اُس شخص کو عقلمند نہیں کہا جاسکتا جو خواب سے دھوکا کھائے اور جو ہلاک ہوئے غافل لوگوں کے اَنجام سے عبرت حاصل نہ کرے اور یقین کرو کہ جو کوئی دوسروں کی حالت سے عبرت حاصل نہ کرے اُسے دوسروں کے لیے عبرت بنادیا جاتا ہے۔''(۹)

ایک اور خطہ میں رقمطراز ہیں: ''حاکم پر لازم ہے کہ وہ حکومت کے فرائض کی ذمہ داری کے خطرات پر غور کرے، اور بندگانِ خدا کے اُمور کی تکمیل اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کے کام کو آسان نہ جانے اور اَللہ کی مرضی اور ناراضگی کے نتائج کے اَثرات کو حقیر اَور مساوی خیال نہ کرے، اور خلفائے راشدین اور نیکوکار سلاطین کی سیرتوں پر غور وخوض کرے۔ حاکم کو چاہیے کہ آداب دین کے لوازمات سے اپنے آپ کو محروم نہ رکھے اور دنیوی نعمتوں کو عقبیٰ کے نقصان وزیاں کا باعث نہ بنائے اور کمزوروں پر رحم وشفقت کرنے سے باز نہ رہے اور دنیا کی فانی دوست پر اِعتماد نہ کرے اور قیامت کے دن کی گرفتاری اور رُسوائی کو یاد کرے اور زندگی کے ایّامِ مہلت کو غنیمت جانے۔ اے عزیز! تم بھی تو ایک بادشاہ ایک حکمران اور ایک امیر ہو''۔(۱۰)

اُس کے علاوہ آپ نے سلطان قطب الدین کی تعلیم وتربیت اور احکامِ شریعت سے واقف کرانے اور اِسلام کے نظامِ رحمت سے آگاہ کرنے کے لیے اپنے خاص دو رَفیقوں پیر محمد قاری اور سید کمال الدین کو مامور کیا۔ چوں کہ پیر محمد قاری بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ اور حافظ تھے اور قرآن کی ساتوں قراءتوں کے ماہر تھے۔ سید کمال الدین بھی بڑے بزرگ اور مبلغ تھے۔ (۱۰) پھر ان دونوں بزرگوں نے سلطان کی اِس طرح تربیت کی کہ اُن کی زندگی ہی بدل گئی۔ اُس کے دل ودماغ میں ایمان ویقین ایسا بس گیا کہ وہ زندگی کے ہر ایک شعبے میں اسلامی احکام کے پابند ہو گیا۔ عدل وانصاف سے سلطنت کو رَونق بخشی اور دعوت دین اور اِشاعت اسلام میں بڑی دلچسپی لینے لگا اور داعیان حق کی ہر لحاظ سے مدد کی اور اُن کے لیے خانقاہیں اور دیگر اِدارے قائم کیے اور خود بھی ایک پُرجوش داعی دین بن گیا اور کفر وشرک اور بُت پرستی مٹانے پر کمر بستہ ہو گیا۔

دعوتی وعلمی مراکز کا قیام: حضرت شاہِ ہمدان جب دوسری بار کشمیر آئے تو آپ نے مسجدوں، درسگاہوں اور خانقاہوں اور دیگر دینی مراکز کی طرف توجہ دی۔ آپ جانتے تھے کہ اسلامی انقلاب کے لیے اِسلامی مراکز کا قیام نہایت ضروری ہیں اور اُن کے بغیر ایک صالح اور پائدار انقلاب برپا نہیں ہوسکتا اور اِس بات سے بھی آپ واقف تھے کہ ایک قوم کو بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے فکر وشعور اَور خیالات کو بدل دیا جائے۔ لہٰذا فکر وخیال کی تبدیلی کے لیے اِسلامی دانش گاہوں اور علمی اداروں کا قیام عمل میں لانا نہایت ضروری تھا۔ اِس لیے آپ جب یہاں آئے تو آپ محلہ علاؤالدین پورہ میں قیام پذیر ہوئے اور یہاں عبادت کے لیے ایک چبوترہ بنادیا۔ چوں کہ یہ چبوترہ ایک عبادت خانہ ہی نہیں تھا، بلکہ یہ درس وتدریس کے لیے ایک درسگاہ اور دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کا مرکز اَور داعیان حق کی اجتماع گاہ بھی تھی۔ یہیں دعوت واصلاح کے منصوبے اور پروگرام بنتے تھے اور اُسی مرکز سے داعیانِ حق کے لیے ماموریت کے احکام صادر ہوتے تھے جو کتابوں کا ذخیرہ حضرت میر سیداَ پنے ساتھ لائے تھے اُس کو بھی یہیں رکھا اور اِس طرح ایک عالی شان کتب خانہ بھی یہاں قائم کیا۔ (۱۲) اور اُسی جگہ پر آپ نومسلموں کی دینی تربیت کرتے تھے۔ اُنھیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ فرماتے۔

اس کے ساتھ آپ نے اپنے رُفقائے کرام کی توجہ بھی دینی مراکز اور علمی اداروں کے قیام کی طرف مبذول کرائی، جس کے نتیجے میں اُنھوں نے بھی کشمیر کے مختلف علاقوں میں دعوتی وعلمی مراکز کا قیام عمل میں لایا جن میں یہ آس پاس کے علاقہ جات میں اشاعت دین اور تعلیماتِ اسلام کے پھیلاؤ کی خاطر پروگرام بناتے تھے۔ یہیں نومسلموں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتے تھے۔ یہیں سے پڑھے لکھے لوگوں میں علمی اِستعداد اَور اِسلام سے قریب کرنے کے لیے دینی اور دیگر

کتابیں اِجرا کرتے تھے۔ اِس طرح وہ یہاں عملی، علمی اور شعوری بنیادوں پر ایک اسلامی انقلاب بر پا کرنا چاہتے تھے جو دِیر پا بھی ہواَور ہر لحاظ سے مضبوط بھی۔ اِس لیے اُنھوں نے زور و جبر کے بجائے وعظ و تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کو اِسلام کے قریب کر کے نعمتِ ایمان سے بہرہ مند کیا۔ اُن کے جذبات کو اُبھارنے کے بجائے اُن کے شعور و فہم کو بیدار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے کشمیر کے مختلف علاقوں میں درسگاہیں، مسجدیں، کتب خانے اور خانقاہیں قائم کیں تاکہ اہلِ کشمیر کو اِسلامی عقائد و اَعمال، فکر و ثقافت، پیغام و تعلیمات اور تہذیب و تمدن سے واقف کیا جائے اور نومسلموں کی قرآن و حدیث کی بنیاد پر تعلیم و تربیت کی جائے۔

تاریخ میں ایسی ساری مساجد و خانقاہوں اور مدارس کا تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں ملتا جنھیں اُن پاکبازوں نے قائم کیا۔ اَلبتہ! چند مساجد و خانقاہوں اور درسگاہوں کا تذکرہ ملتا ہیں۔ وہ یوں ہیں: خانقاہ معلیٰ جس کا ذکر اُوپر ہوا ہے کہ یہاں حضرت امیر کبیر نے آتے ہی ایک چبوترہ بنایا۔ بعد میں سلطان قطب الدین کے حکم سے یہاں مسجد تعمیر کی گئی۔ حضرت اَمیر نے جب سلطان شہاب الدین کو فیروز شاہ تغلق سلطان ہند کے ساتھ صلح کرایا، تو سلطان نے یہاں پہنچ کر شہاب الدین پورہ میں (جو اَب شہام پورہ کہلاتا ہے) ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کی۔ (۱۳) ایک مدرسہ بھی بنوایا جس میں علوم اِسلامیہ کے زیور سے طلبا کو آراستہ کیا جاتا تھا۔ (۱۴) حضرت اَمیر کبیر کے رفیق خاص سید جمال الدین محدث نے فتح کدل سری نگر کے قریب ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس کا نام عُروۃُ الوُثقیٰ تھا۔ (۱۵) بجبہاڑہ میں حضرت امیر کے رفیق حضرت سید محمد قریشی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ (۱۶)

اِس طرح حضرت امیر کبیر اور اُن کے رُفقا جہاں بھی گئے وہاں اُنھوں نے مسجدیں، درسگاہیں اور علمی اور دینی مراکز قائم کیے۔ اُن میں کچھ مستقل طور پر قائم کیے گئے اور بعض جگہوں پر اُن کا قیام عارضی تھا۔ یہی جگہیں ہیں جن پر بعد میں بڑی بڑی خانقاہیں، مدارس اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ خانقاہ معلیٰ، خانقاہِ اعلیٰ ترال، خانقاہ امیریہ نمبلہ بل پانپور، خانقاہِ والا وچی، خانقاہِ کبروی مٹن اسلام آباد، خانقاہ امیریہ مونگہامہ پلوامہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (۱۷)

اُن درسگاہوں اور دینی مراکز کے ساتھ لوگوں کے مطالعے کے لیے کتب خانے بھی قائم کیے گئے۔ اِس طرح حضرت داعی اسلام نے ان علمی اداروں کے ذریعے سے کشمیر میں اسلامی علوم کی بنیادیں مضبوط بنادیں اور وَادی میں تعلیمی لحاظ سے ایک انقلاب برپا کردیا اور فکر و ثقافت اور علم واَدب کے اعتبار سے بگڑی ہوئی کشمیری قوم کو بڑی قوموں کی صف میں لا کھڑا کردیا۔ اُنھوں نے کشمیر میں علم واَدب کا ایسا بیج بودیا، جس کا برگ و بار اَہل کشمیر نے سلطان سکندر اَور سلطان زین العابدین

کے زمانے میں دیکھا۔ نیز آپ اور آپ کے ساتھ داعیانِ حق نے مسلمانوں کی توجہ علم وتحقیق کی جانب مبذول کرائی تا کہ وہ جذباتی بنیاد پر اِسلام کے ساتھ وابستہ نہ رہے بلکہ شعوری وتحقیقی اور علمی بنیاد پر اِسلام کے ساتھ وابستہ رہے۔

چناں چہ ان مدارس اور دانش گاہوں کے معلمین اور اساتذہ وہی داعیان حق تھے جو حضرت کی شاگردی میں فیض یاب ہوئے تھے۔ اِس لیے یہ عقلی ونقلی اور دینی وعصری علوم سے آراستہ تھے۔ اُن میں اعلیٰ پایہ کے مفسر، محدث، قاری، فقیہ، مفکر، محقق، مصنف، شاعر، ادیب اور ماہر تعلیم تھے۔ حضرت سید جلال الدین محدث کے متعلق آیا کہ وہ بلند پایہ ماہر حدیث تھے، اِس لیے محدّث کہلاتے تھے۔ پیر محمد قاری اور شیخ احمد خوشخوان بڑے اعلیٰ پایہ کے قاری قرآن تھے اور قرأت قرآن کے بڑے ماہر تھے۔

کامیابی کی اہم وجہ: یہ تھی کہ حضرت امیر کبیر کو کشمیر میں دعوت وتبلیغ میں جو غیر معمولی اور اہم کامیابی حاصل ہوئی۔ ایسی کامیابی شاید برصغیر کے کسی داعی کو نصیب نہ ہوئی ہو۔ اُس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ نے یہاں کے حالات اور لوگوں کے رہن سہن کو دیکھ کر اِشاعتِ دین کے لیے ایک مؤثر طریقہ کار اور منصوبہ عمل مرتب کیا تھا۔ اُس منصوبہ عمل اور طریقہ کار میں آپ نے یہاں کے سیاسی، سماجی، اخلاقی اور مذہبی حالات کے ساتھ ساتھ اقتصادی بدحالی کو بھی پیش نظر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ جو داعیان حق تھے وہ عالم وفاضل، فقیہ ومحدث، عارف ومتقی، شاعر وادیب ہی نہ تھے بلکہ وہ بڑے اعلیٰ پایہ کے ماہرِ فن وہنر، کاسب وکاریگر اور صنّاع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جماعت کشمیریوں کے لیے مالی لحاظ سے بوجھ نہ بنی بلکہ اُنھوں نے کشمیریوں کے معاشی بوجھ کو کم کر دیا اور اُن کو صدیوں پُرانی اقتصادی بدحالی سے نکال کر مالی ترقی کی نئی دنیا میں لا کھڑا کر دیا اور اُن کے لیے ترقی کی نئی راہیں کھول دیں۔ اُنھیں بہت سے فنون وصنعت کاری سے آشنا کیا۔ جس سے یہاں کے بہت سے معاشی مسائل کا حل نکل آیا۔ بے روزگاری میں بڑی حد تک کمی آئی۔ غریب عوام کی رُوزی روٹی کا انتظام ہوا، اور چوری، لوٹ کھسوٹ اور مالی بدحالی پر کسی حد تک قابو پایا گیا۔ چوں کہ حضرت امیر خود عالم وفاضل، روحانی بزرگ، عارف اور مبلغ ہونے کے ساتھ ایک ماہرِ فن تھے۔ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک اعلیٰ پایہ کے ماہر اقتصادیات بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کو اور اُن کی جماعت کو کشمیریوں نے گلے لگالیا اور اُنھیں بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھنے لگے، اُن کی باتیں بڑی شوق وذوق سے سُننے لگے۔ جس کے نتیجے میں حضرت امیر کبیر اور اُن کی جماعت کو دعوت دین اور اِشاعتِ اسلام میں ایک عظیم الشان اور بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔

حضرت امیر جس وقت یہاں تشریف لائے، اُس وقت کشمیر میں تقریباً بارہ ہزار بُت تراش موجود تھے، جو مختلف دیوی اور دیوتاؤں کی مورتیاں بنانے میں ماہر تھے۔ چوں کہ اِسلام کی رُو سے بُت پرستی اور بُت تراشی حرام ہے، لہٰذا اِشاعت اِسلام کے بعد یہاں بہت سے معاشی مسائل پیدا ہو سکتے تھے اور لوگوں کا ایک بڑا طبقہ مالی بدحالی کا شکار ہوسکتا تھا۔ اِس لیے حضرت امیر کبیر نے اُس کا پہلے سے ہی علاج کر رَکھا تھا۔ آپ نے اُن کشمیری بُت تراشوں کو اِیرانی سنگ تراشی اور دستگاری سے آشنا کیا۔ اِس طرح یہ لوگ بُت گری کو چھوڑ کر پتھروں پر دیدہ زیب اور اِیمان اَفروز قرآنی آیات اور دیگر چیزیں کندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس سے وادی کے بُت تراشوں کی زندگی نے ایک نیا رُخ اختیار کیا اَور ماضی کا غیر اِسلامی چولا اُتار پھینکا۔

دین کے ساتھ دنیا بھی دی: محمد شعبان نور پوری بیان کرتے ہیں: ''چودھویں صدی عیسوی میں اِسلام وارد ہونے سے قبل ہاتھ سے بنی بہت سی چیزوں کا رواج ختم ہو گیا تھا۔ لیکن اُس کے بعد سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اور اُن کے ساتھی یہاں تشریف لائے تو اُنھوں نے ایران سے اپنے ساتھ کچھ فنکار اور کاری گر لائے، جنھوں نے یہاں کے بے جان ہاتھ کے کاموں میں ایک نئی روح پھونک دی۔'' (۱۸)

شال بافی کی صنعت حضرت امیر کبیر اَور اُن کے رُفقائے کرام کی ہی لائی ہوئی ہے اور یہاں اُس کے موجد یہی سعادت مند لوگ ہیں۔ (۱۹) اَصل میں یہ بہت سے فنون میں ماہر تھے۔ حضرت اَمیر خود بھی ایک منجھے ہوئے دستکار، ہنرمند اَور صنّاع تھے۔ شالبافی کی صنعت کے علاوہ یہ ٹوپیاں بنانے کی دستکاری کے ساتھ زبردست شغف رکھتے تھے اور وہ خوداَپنے ہاتھ سے ٹوپیاں یا کلاہ بناتے اور اُن سے جو آمدنی اُن کو ملتی اُسے اپنی ضروریات پر صرف کیا کرتے تھے آپ نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک ٹوپی بطورِ تحفہ سلطان قطب الدین کو عطا کی۔ (۲۰)

پروفیسر جگن ناتھ آزاد اپنی کتاب ''اقبال اور کشمیر'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت سید علی ہمدانی ایران سے اپنے ہمراہ درویشوں کے ساتھ ہزاروں کاریگروں اور صنعت کاروں کو بھی لائے تھے جن میں بڑی تعداد لکڑی پر کام کرنے والے دستکاروں اور قالین بافوں کی ہی تھی۔'' (۲۱)

مختلف تذکروں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر کبیر اَور اُن کے ساتھیوں نے کشمیر میں اِن فنون اور دستکاریوں کی بنیاد ڈالی، مثلاً: شال بافی، قالین بافی، جلد سازی، ضرب سازی، صابون سازی، نبات سازی، زین سازی، کاغذ سازی، نمدہ سازی، شاخ سازی، ریشم سازی، رنگ سازی، نقش گری، کوزہ گری، کمان گری، پنجرہ کاری، چوب کاری، سوزن کاری، خوشنویسی، خطاطی، سنگ تراشی، پیپر ماشی، آرہ کشی، تلہ دوزی وغیرہ۔ (۲۲)

اِس کے علاوہ حضرت نے اَربابِ حکومت اورعوام کی توجہ بھی زراعت کی طرف مبذول کرائی۔عبدالحمید اعظمی اپنی کتاب ''شاہ ہمدان اور کشمیر'' میں لکھتے ہیں:

''کشمیر اکثر قحط کا شکار ہوتا رہتا تھا۔امیر کبیر نے زراعت کی اہمیت کو نہ صرف خود محسوس کیا بلکہ اَربابِ حکومت اور سلطان کو بھی اُس کی اہمیت کا قائل کر دیا۔زرعی زمین اور پانی موجود تھا۔مگر دہقان کو اِطمینان قلب اور آسودگی نصیب نہ تھی۔اس کی حیثیت محض مجبور و مقہور کا شتکار کی تھی۔زمین کے مالک بڑے بڑے جاگیردار تھے جو اَپنے خزانوں کے لیے زمین کی پیداوار کے محتاج نہیں تھے۔وہ ہمسایہ ریاستوں پر حملہ کر کے دولت اکٹھی کر لیا کرتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ تھا کہ زَرعی پیداوار میں اضافہ کی طرف کسی کا دھیان نہ تھا۔امیر کبیر نے سلطان قطب الدین کو زَرعی نظام میں اصلاح کے لیے آمادہ کیا۔نئے نظام کا اَصل مقصد ہی پیداوار میں اضافہ تھا۔اِس طرح دیہی آبادی خوشحالی سے روشناس ہوئی۔...ملک میں ہر طرح کی لکڑی وافر مقدار میں مہیا تھی،اُس سے مکان بھی بنائے جاتے تھے۔اُنھوں نے ضرورت کی اشیا بھی اور چوبی کام کے ماہرین بھی جمع کیے جنھوں نے لکڑی پر اِسلامی روایات کے مطابق بیل بوٹے بنانا سکھایا۔تعمیرات میں پتھر بھی اِستعمال ہوتے تھے،اُن پر بھی نقش و نگار بنائے گئے۔''

اِس طرح حضرت امیر کبیر نے کشمیریوں کی اقتصادیت میں ایک بڑا اِنقلاب برپا کر دیا اور اِشاعت دین کے ساتھ اُن کی معاشی بدحالی بھی دور کر دی۔اُنھیں نئے فنون و ہنر اور صنعت کاری سے آشنا کیا اور اُن کے عقائد و اعمال،تہذیب و تمدن،کلچر و ثقافت اور مذہب و اخلاق کے ساتھ اُن کے معاش کمانے اور خرچ کرنے کے طریقے بھی بدل کے رکھ دیے اور اُنھیں مالی ترقی کے عروج پر بھی پہنچا دیا۔

اِس بار حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ یہاں ڈھائی سال قیام کر کے ۷۸۳ھ میں واپس چلے گئے۔(۲۳) اِس مدت میں آپ اور آپ کے رُفقائے کرام کے ذریعے سے ہزاروں لوگ دینِ حق سے متعارف ہو کر دَائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔جس کے نتیجے میں یہاں مسلمانوں کی اقلیت،اکثریت میں تبدیل ہو گئی۔

تبلیغی دورے: حضرت امیر کبیر ۷۸۵ھ میں کشمیر تیسری اور آخری بار وارد ہوئے۔(۲۴) اِس مرتبہ آپ نے یہاں دس ماہ قیام فرمایا۔(۲۵) اِس بار آپ نے آتے ہی یہاں ہو رَہے دعوت و تبلیغ کے کام کا باقاعدہ جائزہ لیا۔جن مبلغین دین کو آپ نے پہلے ہی سے کشمیر کے مختلف گاؤں،قصبوں اور علاقوں میں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں مامور کیا تھا۔سب سے پہلے آپ نے اُن کے کام کا جائزہ لیا اور اُس کے لیے آپ اُن علاقوں میں گئے جہاں وہ مامور تھے اور اُن کے

بنائے ہوئے دینی ودعوتی مراکز اَور درسگاہوں کو مزید فعال اور متحرک بنانے کی کوشش کی گئی۔ اُنھیں اس بارے میں بڑی اہم ہدایات دی گئیں اور اُنھیں یہ واضح کیا گیا کہ آئندہ وہ کیسے دعوت دین اور اِشاعتِ اسلام کا کام انجام دیں اور دینی مدارس کو عام کریں تا کہ اسلامی فکر وثقافت اور علم وادب سے سارا کشمیر مہک اُٹھے۔

اِس کے علاوہ اور بھی بہت سے گاؤں اور علاقوں کے تبلیغی دورے کیے اور وہاں عارضی طور پر دعوتی مراکز اور درس وتدریس کے لیے درسگاہیں بھی قائم کیں۔ چوں کہ وادی میں بہت سی خانقاہیں حضرت امیر کبیر سے منسوب ہیں۔ اکثر مؤرخین ومحققین کے نزدیک یہ خانقاہیں حضرت امیر کے فرزند حضرت میر محمد ہمدانی نے سلطان سکندر کے زمانے میں سلطان کی معاونت سے تعمیر کیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ حضرت امیر اُن جگہوں پر دعوت وتبلیغ اور اِصلاح کے لیے گئے اور یہاں اپنے درسوں اور وعظ وتبلیغ سے خلق خدا کو قرآن وحدیث کے پیغام سے آگاہ کیا اور اُنھیں زندگی کے اَصل مقصد سے آشنا کیا اور اُن علاقوں میں علم وعرفان کے پھول بکھیر دیے۔

اُن کے بارے میں محترم غلام رسول بٹ صاحب یوں رقمطراز ہیں:

''راقم کی تحقیق کے مطابق حضرت میر سید علی ہمدانی قریباً دس مہینے تک کشمیر میں قیام کرکے ۷۸۵ھ کے موسم خزاں کے شروع ہونے سے پہلے ہی کشمیر سے واپس چلے گئے تھے۔ جناب میر سید علی ہمدانی کشمیر میں اپنے قیام کے دوران تبلیغ دین کے پیش نظر کشمیر کے اکثر قصبوں میں پہنچے اور وہاں لوگوں کو دینِ مبین سے فیض یاب کیا جن قصبوں اور گاؤں میں اُنھوں نے تبلیغِ اسلام کے لیے قیام کیا، اُن میں سے بعض قصبوں اور گاؤں میں اُن کے فرزندارجمند میر محمد ہمدانی نے بعد میں خانقاہیں تعمیر کیں اور اُن ہی تعمیر شدہ خانقاہوں کو کشمیر کے اکثر لوگ حضرت میر سید علی ہمدانی سے منسوب کرتے ہیں۔''(۲۶)

توحید کی دعوت: اِسلام کی بنیادوں میں توحید اوّلین بنیاد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر لحاظ سے ایک صرف ایک ماننا اور شرک اُس کے نزدیک مبغوض ترین چیز ہے۔ یعنی اللہ کی ذات وصفات اور کمالات واختیارات وغیرہ میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام اَنبیائے کرام کی دعوت کی بنیاد ہی توحید رہی ہے اور شرک کے مٹانے کی کوشش میں وہ بہت سے مصائب وآلام کے شکار ہوئے اور اُن پر ظلم وجبر اور تعدّی کے کوڑے بھی برسائے گئے، بعض اَنبیا اپنی جانوں سے بھی گئے۔

چوں کہ امیر کبیر بہت بڑے داعی حق، مبلغ اسلام اور عالمِ دین تھے۔ اس لیے آپ قرآن وحدیث اور اَنبیائی طریقۂ تبلیغ سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا آپ نے یہاں کفر وشرک کی جڑیں

اُکھاڑنے اورایک خدا کے تصور کورَاسخ کرنے کی ابتدا ہی سے کوششیں کیں۔ چناں چہ آپ یہاں کے حالات سے باخبر تھے کہ یہاں اسلام سے پہلے لوگ پتھر، درخت، چشمہ، تالاب، دریا، پہاڑ، سورج، چاند، ستارے، آگ، سانپ نہ جانے کن کن چیزوں کو خدا مانتے تھے اور یہاں لاکھوں بُت اور ہزاروں بت کدے موجود تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں سے زیادہ تعداد میں خدا تھے۔ یہ بھی آپ جانتے تھے کہ آپ کی پہلی تشریف آوری کے وقت یہاں کے کچھ مسلمان مسلمان ہونے کے باوجود بھی بُت پرستی بڑے مزے سے کرتے اور بغیر کسی خوف وخطر کے بُت کدے میں جاتے تھے، اور اُسی بدعقیدہ گی کی بیماری میں سلطان وقت قطب الدین بھی مبتلا تھا۔ اصل میں کشمیریوں کے ظاہر و باطن، قلب وعقل اور رَگ و پے میں بُت پرستی اور شرک صدیوں سے بس چکا تھا اور اُس کے بغیر اُنھیں زندگی میں بڑی تلخی اور بدمزگی محسوس ہوتی تھی۔

اِن حالات کا احساس کرتے ہوئے حضرت اَمیر نے اپنے آخری دورے کے موقع پر ''اَورادِفتحیہ'' کی صورت میں کشمیریوں کو ایک خاص تحفہ دیا، تا کہ یہ اُس کو پڑھیں، سمجھیں، اُس پر تدّبر وتفکّر کر کے عمل کریں اور اُس کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائیں۔ کیوں کہ یہ وظیفہ اَوّل سے آخر تک توحید سے بھرا ہوا ہے۔ اِس میں توحید کے تقاضے، مطالبات اور مقاصد وَاضح کیے گئے اور شرک کی ہر قسم سے پڑھنے والے کو باخبر کیا گیا ہے تا کہ یہاں کے لوگوں میں کفر وشرک اور بُت پرستی کی بیماریاں عود کر پھر پیدا نہ ہوں۔ اِس طرح حضرت امیر نے کشمیریوں کو ''اَورادِفتحیہ'' کی صورت میں ایک عظیم تحفہ دیا، تا کہ اُن کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کی تعمیر توحید کی بنیاد پر ہو، اَور اُس کے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اُن کے قلب وعقل اور ظاہر و باطن کا تزکیہ اور سماج ومعاشرے کی تطہیر ہو۔

سنت نبوی کی ترویج: تاریخ حسن میں ہے کہ'' جب آپ آخری بار کشمیر وَارد ہوئے تو آپ نے اِس مرتبہ سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قوانین کو ترویج دی۔ ہر شخص کو اَحکام شریعت کی پابندی کرنے کی تلقین کی۔ اسلام کو اُس ملک میں جاری کیا۔''

یعنی اِس بار آپ نے مسلمانوں کی توجہ اسلامی قوانین واحکام کی طرف مبذول کی۔ اُنھیں اِس بات کی وضاحت کی کہ اسلام ایک نظام زندگی، ضابطہ حیات اور دین کامل ہے۔ اِس لیے ایک مسلمان کو اُس کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی ساری زندگی اس ضابطہ حیات کے مطابق گزارے اور ہر جگہ اور ہر وقت اللہ کا عابد و مطیع اور فرماں بردار بن کر رہے اور جو بھی معاملہ زندگی کا طے کرے وہ اللہ کے حکم کو سامنے رکھ کر طے کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ نماز ورُوزہ، زکوٰۃ وحج کرتے ہوئے بھی ایک کامل اور حقیقی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اسلام انسان کو ہر شعبہ زندگی اور معاملے میں رہنمائی اور رَہبری

کرتا ہے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ آپ نے سلطان اور دیگر اَرکانِ سلطنت کا بھی دھیان اِس جانب پھیرا، اُنھیں یہ واضح کیا کہ ایک سلطان وحاکم ایوان سلطنت وحکومت میں بھی ایک مسلمان ہو اَور جو بھی کام کرے اِسلام کے مطابق کرے اور جو بھی حکم دے قرآن وحدیث کے تحت دے۔آپ نے جوخطوط سلطان قطب الدین کے نام لکھے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہاں ایک اسلامی حکومت کے خواہش مند تھے۔ جو اِسلامی قوانین واحکام کوملک میں نافذ کرے اور پھر ہر چھوٹا بڑا کام اِسلام کے مطابق ہو اَور کشمیر اِسلامی فیوض و برکات سے مالا مال ہو۔

ایک عظیم انقلاب: داعی اسلام حضرت امیر کبیر نے کشمیر میں اپنی سعی وجہد سے وہ بے مثال انقلاب بر پا کر دیا، جوتا روزِ حشر سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔آپ کی تشریف آوری نے کشمیریوں کی تقدیر ہی بدل کے رکھ دی۔ کفر وشرک کے مریضوں کو آپ نے توحید کی دوا دِے دِے کر ہمیشہ کے لیے صحت یاب کیا۔ یہاں کے ہزاروں خدا بے زار باشندوں کو خدا پرست بنا دیا۔ بُت کدوں کے مجاوروں کو نعمت ایمان سے بہرہ مند کر کے اُنھیں مسجدوں کا امام ومتولی بنا دیا۔جن کا کوئی دستور نہ تھا، اُنھیں قرآن حکیم دے کر دستورِ حیات دے دیا۔جن کی زندگیاں بے مقصد تھیں، اُنھیں اِلَّالِیَعۡبُدُوۡنَ کہہ کر مقصد زندگی سے آشنا کیا۔جن کی پیشیانیاں غیر اللہ کے آگے جھک جھک کر گھس چکی تھیں، اُنھیں ایک خدا کے سوا کسی اور کے آگے جھکنے سے روک دیا۔اِس طرح آپ نے کفر وشرک کی صدیوں پُرانی جڑیں اُکھاڑ کر پھینک دیں اور توحید کی گونج گھر گھر، قریہ قریہ سُنانے لگی، کلمہ حق لوگوں کا وظیفہ حیات بن گیا۔ پیامِ سیرت کے چرچے عام ہو گئے، قرآن اور اُس کی تعلیم نے تمام زندگی پر اَپنی چھاپ ڈال دی۔توحید و اِسلام نے اپنے سائے پھیلا دیے اور دیانت داری، امانت داری نے قیمت پالی، حق وصداقت نے اپنی آغوش میں تمام وادی کو لے لیا۔ جو کل عورت کی عزّت وعفّت کی نیلامی سر بازار کرتے تھے وہی آج اُن کے پاسبان بن گئے۔ بداَخلاقی اور بدکرداری کی ذِلّت میں گرے ہوئے حسنِ سیرت وحسن اخلاق کی انمول دولت سے مالا مال ہوئے۔شرم وحیا کی حدیں پھاندھنے والے آج شرم وحیا کی چادر میں پناہیں ڈھونڈنے لگے۔ جو غریب ومفلس اور کمزور پر ظلم وجبر کرتے کرتے تھکتے نہ تھے تو وہ آج اُن کے ہمدرد وغمگسار بن گئے۔جس قوم کے چھوٹے بڑے کل تک نظامِ باطل کے حامی ومعاون بن کر اُس کے آلۂ کار بنے تھے وہی آج نظامِ حق نافذ کرنے والے بنے۔ جو لوگ علم واَدب کے لحاظ سے بہت پیچھے تھے اُن کو آپ نے علوم اِسلامیہ سے ایسا آراستہ کیا کہ جس کا اثر آج بھی محسوس کیا جا رہا ہے۔ جاہل وبے خبر کو عالم وفاضل بنا دیا۔جس کشمیر میں بُت خانے ہی بت خانے تھے، اُس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں سے بھر دیا۔آپ نے خونِ آدم کے پیاسوں کو انسانیت کے محافظ بنا دیا۔ باہمی

نفرت وعداوت کو آپسی الفت واُخوت میں بدل کے رکھ دیا۔ جو رَنگ وَنسل کی بنیاد پر ایک دوسرے کے بھگوان بنے تھے، اُنھیں انسانیت کا خادم بنادیا۔جس معاشرے کی تشکیل ذات پات کی بنیاد پر ہوئی تھی اِیمان وتقویٰ کی بنیاد پر اُس کی اَز سرِ نو تشکیل کی۔ آپ نے نہ صرف وادی کشمیر کو نعمتِ اسلام سے بہرہ مند کیا، بلکہ آپ نے اُس کو صنعت وحرفت، اورفنون وہنر کی دولت سے مالا مال کیا۔ جو مالی زُبوں حالی سے پریشان تھے اُنھیں مالی ترقی اورفراوانی کی نئی راہیں دکھادی۔ جو چوری، ڈاکہ زنی، لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری، سودخوری، قمار بازی اورشراب نوشی جیسے بدترین بُرائیوں میں مبتلا تھے، اُنھیں قناعت گزار، اِعتدال پسنداَورنیکوکار بنادیا۔ جواُمرا وسلاطین امارت وسلطنت کو عیش وعشرت، جاہ وحشمت اورحصولِ مال وشہرت کا سامان تصوّر کرتے تھے وہی آج ان منصبوں کو اللہ کی عنایت وامانت سمجھنے لگے اور خدمت خلق اور نظام حق کے قائم کرنے کا اُنھیں ذریعہ تصوّر کرنے لگے اور قرآن وحدیث اور دین اسلام کے پیچھے دیوانوں کی طرح دوڑے۔ اشاعت دین اورعلوم اسلامیہ کی ترویج میں دلچسپی لینے لگے۔شاہانہ لباس کے بجائے فقیرانہ لباس زیب تن کرنے لگے۔غریب ومفلس اور کمزور وناتواں اور عام رعایا کے لیے اپنے دربار کے دروازے کھولنے لگے۔اپنے منصب وامارت پر فخر وناز کرنے کے بجائے اللہ کی حمد وشکر کرنے لگے۔

غرض کہ اُن کی زندگی اور اَیوانِ سلطنت میں ایمان واسلام کا پرتو نظر آنے لگا۔آپ کی کوششوں سے یہاں کی اکثریت کو اسلام نے اپنی باہوں میں لے لیا جس سے کفروشرک کی آماجگاہ توحید واِسلام کا گہوارہ بن گیا۔آپ نے صدیوں سے سوئی ہوئی عقل وشعور کو بیدار کیا۔فکروخیال کی تطہیر کی، قلب ورُوح کا تزکیہ کرکے ایک نئے انسان کو وجود میں لایا۔ پھر اَمن وآشتی اورسکون نے اپنے پیروں تلے تمام بداَمنیوں، اَفراتفری اورفتنہ وفساد کو رَوند ڈالا۔ظلم وجبر کی جگہ عدل وانصاف نے لے لی۔

حواشی

۱۔شاہ ہمدان اور کشمیر، نگارستان کشمیر

۲۔تاریخ حسن

۳۔سیّد میر علی ہمدانی، مکمل تاریخ کشمیر

۴۔واقعات کشمیر، اَولیائے کشمیر، سیّد میر علی ہمدانی

۵۔تاریخ دعوت وتبلیغ جموں وکشمیر کے تناظر میں

۶۔مکمل تاریخ کشمیر

۷۔ایضاً

۸۔شاہ ہمدان: حیات اور کارنامے
۹۔ایضاً
۱۰۔واقعات کشمیر،تاریخ حسن
۱۱۔شیرازہ شاہ ہمدان اور کشمیر
۱۲۔مکمل تاریخ کشمیر
۱۳۔سیّد میر علی ہمدانی،سیدہ اشرف ظفر
۱۴۔ایضاً
۱۵۔تاریخ حسن
۱۶۔داعی اسلام حضرت امیر کبیر
۱۷۔شیرازہ شاہ ہمدان نمبر
۱۸۔ایضاً
۱۹۔ایضاً
۲۰۔ایضاً
۲۱۔شاہ ہمدان اور کشمیر،شیرازہ شاہ ہمدان نمبر
۲۲۔سیّد میر علی ہمدانی،سیدہ اشرف ظفر
۲۳۔ایضاً
۲۴۔شیرازہ شاہ ہمدان نمبر،بعض روایات میں آیا کہ ایک سال قیام فرمایا۔سید میر علی ہمدانی اور شاہ ہمدان حیات اور کارنامے۔
۲۵۔شیرازہ شاہ ہمدان نمبر

●●●

محمد یٰسین کامبے (۱)

کشمیر اور شاہِ ہمدانؒ

کوہ و دریا و غروب آفتاب
من خدا را دیدم آنجا بی حجاب

کشمیر کی فطری اور طبعی خوب صورتی کی توصیف صرف حکیم الامت علامہ اقبال تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ فارسی زبان وادب سے وابستہ گان اور وابستہ گان شعرا نے کشمیر کی خوب صورتی اور زیبایی کی بڑے آب وتاب کے ساتھ تعریف کی ہے اور اِس طرح سے علم پروری اور ادب دوستی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ عہد قدیم سے ہی اس حسین وادی کی سرسبزی وشادابی اور لازوال حسن وجمال کو دیکھنے کے لیے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں گونا گون مما لک سے یہاں سیاح آتے ہیں۔ بقول پروفیسر سید امیر حسین عابدی: ''جب کوئی فارسی زبان وادبیات کا طالب علم یہاں آتا ہے تو اِس سرزمین کو ایک نئے زاویہ سے دیکھتا ہے۔''(۱)

کشمیر کی تعریف سبحان رائے بٹالوی نے اپنی کتاب میں یوں کی ہے:

''کشمیر عجیب دلکشا خطہ ہے۔ اسے آسمانی قلوے کے اندر ایک سدا بہار باغ کہیے تو بجا ہے اور اگر گوشہ نشین عارفوں کا خلل عشرت کدہ تصور کیجئے تو روا ہے۔ پانی خوشگوار، آبجوؤں کی روانی، آبشاروں کے زمزے اور گلزاروں کے شگفتگی کے عالم بیاں سے باہر ہے۔''(۲)

اُوشا شرما نے اپنی کتاب میں کشمیر کی توصیف یوں کی ہے:

The natural beauties, the glorious climate and other attractions of the Kashmir valley have recieved such extravagent praise on the past that the new-comer is apt to picture to himself a paradise on earth.3

---

(۱) ریسرچ اسکالر، سینٹر آف سینٹرل ایشین اسٹڈیز، کشمیر یونیورسٹی، کشمیر

دراَصل چشمہائے خوشگوار، سبز ہائے لطافت آ ثار سے پُروَادیٔ کشمیر اور اُس کی آب وہوا اُس خطے کے محشوقوں کی خوب صورتی اور شکل وشمائل کی عکاسی کرتا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جس کے بارے میں عرفی شیرازی نے کہا تھا:

ہر سوختہ جانی کی بہ کشمیر در آید
گرمرغ کباب است با بال وپرآید
می آید و می سوزد ازین رشک کہ کشمیر
چوں یافت کہ آید بہ کجا براثر آید (۴)

عہد جہاں گیر کے معروف ترین قصیدہ گواَور ملک الشعراء طالب آملی کشمیر کی تعریف میں یوں رَطب السان ہے:

فیض پیالہ بخشید آب وہوای کشمیر
از خشت خم نہادن گویابنای کشمیر
کشمیر میستانم از حق بجای جنت
ام نمی ستانم جنت بجای کشمیر
ہر کس پُر تماشا کردند خوش فضای
رضوان فضای جنت طالب فضای کشمیر (۵)

ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ قدرت نے یہاں کے لوگوں کی علم پروری، اَدب شناسی اور معنوی فیوض سے مالا مال کیا ہے۔ وادی کشمیر میں عقبری وباکمال شاعر اودب، صوفیائے کرام، متقی اَولیاواَ کابر رِشی جنم لیتے رہے اور اُنھوں نے اہلِ دل اَہلِ یقین حضرات کی ہدایت اور رَہنمائی کی خاطر عوام الناس کے لیے اپنی زندگی وقف رکھی تھی۔ جتنے بھی غیر ملکی خدا دُوست سالک، رشی وصوفی وارِدِ کشمیر ہوئے، اُن میں سے کسی نے بھی لوگوں پر اِتنا اَثر نہیں ڈالا جتنا کہ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی شخصیت نے ڈالا ہے۔

حضرت اَمیر کبیر، سید السادات، جامع الکمالات، ولایت پناہ، معمار تقدیر، علی ثانی، شاہ ہمدان، خاندان نبوت کے چشم وچراغ اور علم وعرفان کا یہ روشن ستارہ مطلع ہدایت پر ۱۲/رجب ۷۱۴ ہجری کو ایران کے مشہور شہر ہمدان میں طلوع ہوا۔(۶) کشمیر کے مشہور ومعروف شاعر وعالم شیخ یعقوب صرفی نے اشعار کی صورت میں ''ہمدان'' کا ذکر یوں کیا ہے:

این ہمدانی ہمہ دانی دہد
معرفت سہ نہانی دہد

از همدان نور ولی آمد پدید
عاقبت آن نور بہ ختلان رسید (۷)

آپ بیک وقت ایک عالم، بالغ نظر مبلغ، پرہیزگار ومتقی، صوفی و رہبر اور اعلیٰ پایہ کے ادیب تھے۔ بنابریں آپ روحانی مرتبت کے پیشوا بھی تھے۔ آپ کے والد بزرگوار سید شہاب الدین ہمدان کے حاکم اعلیٰ تھے اور معاصرین نے آپ کے علم وفضل اور زُہد وتقویٰ کی بہت تعریف کی ہے۔ حضرت سید نے پوری زندگی اسلام کی بقا اور اُس کی نشر واشاعت کے لیے وقف رکھی۔ اُن کی مساعی جمیل اور فیوض و برکات کا نتیجہ ہے کہ کشمیر میں اسلام کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھنے کے بجائے جگمگاتے ہوئے سورج کی طرح منور اَور رَوشن ہوا۔ شاہِ ہمدان کی کشمیر آنے سے پہلے ہی ترکستان کے سیدزَادے شیخ شہاب الدین سہروردی کے شاگرد حضرت بلال المعروف بہ بلبل شاہ کے ہاتھوں رنچن شاہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد کشمیر میں نہ صرف مسلم حکومت قائم ہوئی بلکہ معاشرتی، ثقافتی اور لسانی نظام میں بھی اسلامی عناصر کا غلبہ دن بہ دن بڑھتا جا تا رہا۔ رنچن شاہ شاہمیری سلطنت کا پہلا حکمران گزرا ہے اور اِس طرح سے وہ ۷۲۵ھ میں کشمیر کا پہلا حکمران بن گیا۔ (۸) اور صدرالدین کے نام سے مشہور ہوئے، اس کے ساتھ ہی امیروں، وزیروں اور دیگر اَشخاص بھی اسلام کے دائرے میں آئے۔ یہاں تک کہ تیرہویں صدی عیسوی کے اَواخر تک خطۂ کشمیر کے تہذیب وتمدن میں زبردست تنزل آیا تھا۔ رنچن شاہ کے دور میں فارسی نظم ونثر اَور دیگر علوم وفنون کے ساتھ مساجد وخانقاہیں بھی تعمیر ہوئی، اُن میں ایک خانقاہ سری نگر میں دریائے جہلم کے کنارے تعمیر ہوئی جو بلبل لنگر کے نام سے آج بھی موجود ہے۔ رنچن شاہ نے دوسال اور سات مہینے حکومت کی اور آخرکار ۷۲۸ھ بمطابق ۱۳۲۷ء اِس دنیائے فانی سے دارالبقا کی طرف چلے گئے۔ (۹)

حضرت شاہِ ہمدان نے کشمیر آنے سے پہلے اپنے حضرت سید تاج الدین اور سید حسین سمنانی کو کشمیر کے حالات دریافت کرنے کی غرض سے بیجا تھا۔ تاکہ وہ یہاں کے حالات وواقعات سے حضرت سید کو باخبر کرے۔ مؤرخ غلام محمد صوفی اِس بارے میں یوں رقم طراز ہے:

"It appears that the two brothers Taj-ud-din and Syed Hussan were sent to Kashmir by Syed Ali Hamadani, probably to survey the field for propagation of Islam"(۱۰)

حضرت بلبل شاہ کی تشریف آوری کے بعد بہت سارے صوفیائے کرام کشمیر تشریف لائے ہے۔ مگر اُن میں سے نوابغ، اہم ترین اور بزرگ ترین حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدان تھے۔ حضرت سید کے مقدس ہاتھوں سے تمام وادی کشمیر کے لوگوں نے دین مبین اسلام کے

دائرے میں داخل ہو گئے اور اِس حسین اور صوفیائے کرام کی وادی میں ظلمت اور جہالت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوا۔ غرض کہ آپ کی آمد نے وادی کشمیر کو کفر کے ظلمت اور اندھیرے سے نکال کر نور اسلام سے منور کیا۔ یہ آپ کا ہمارے اُوپر عظیم احسان ہے جس کو ہم رہتی دنیا تک یاد رکھیں گے۔ حضرت سید پہلی بار ۱۳۷۲ء میں خطۂ کشمیر میں وارد ہوئے۔(۱۱) یہ تاریخی واقعہ سلطان شہاب الدین کے دور میں ہوا۔ پہلی بار حضرت سید نے کشمیر میں چار سال تک قیام کیا اور اُس کے بعد حج بیت اللہ شریف کی زیارت کے اِرادے سے واپس تشریف لے گئے۔ غرض کہ آپ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی اِسلامی عقائد اَور فارسی زبان وتمدن اِیران کی بنیاد ڈالی اور مجموعی طور پر وادی کشمیر میں اسلام پھلنے پھولنے لگا۔ شہاب الدین کے دور میں بھی کشمیر میں گونا گون مساجد و مدارس معرض وجود میں آئے اور علم وادب کو کافی ترقی ملی۔ شہاب الدین نہ صرف بادشاہ فاتح تھے بلکہ علم دوست، ادب نواز اَور دین دار بھی تھے۔(۱۲)

حضرت سید ۷۸۱ھ کے اَوائل میں دوسری بار ہمراہ بہ سات سو سادات وارد کشمیر ہوکر تازگی بخشی ہے۔ یہ واقعہ سلطان قطب الدین کے دور میں پیش آیا اور حضرت سید کے ساتھ جو سادات کرام کشمیر تشریف لائے، اُنھوں نے کشمیر کے مختلف اور دور اُفتاد علاقوں سے لوگوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ ان مبلغین کی مادری زبان فارسی تھی، گرچہ اُنھوں نے عربی زبان میں قرآن واحادیث کی تعلیم لوگوں کو دی ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ مادری بول چال کا بھی خاصہ اَثر رہا ہے۔

حضرت سید کے ساتھ جو سادات آئے تھے، اُن میں کچھ نے یہاں پر مستقل سکونت اختیار کی جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے، مثلاً: سید محمد مدنی، سید محمد حصار شادمانی، سید فخر الدین، سید حسین، سید زیرک، سید علی اکبر، سید کمال وغیرہ ہیں۔ تمام سادات حضرت شاہ ہمدان کے نقش قدم پر دینی خدمات بخوبی اَحسن انجام دیتے رہے اور اپنی پوری زندگی رشد وہدایت میں بسر کی۔(۱۳)

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ تیسری بار ۷۸۵ھ میں وارد کشمیر ہوئے اور ایک سال یہاں پر قیام کیا اَور بعد میں مناسک حج کی غرض سے مکہ تشریف لے گئے لیکن اس کے چھ دن بعد ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور حقیقت ابدی سے جا ملے۔ شیخ محمد سرائے جو حضرت سید کے صلحا میں تھے حضرت سید کی وفات پر ایک تاریخی قطعہ نذرانۂ عقیدت کے طور پر پیش کیا ہے ملاحظہ ہو:

مفخر عارفان شاہ ہمدان
کز دمش باغِ معرفت بشگفت

مظہر نورِ حق کہ رویش را
عاقب از جہانیان بنہفت
عقل تاریخ سال رحلت او
سید ما علی ثانی گفت (۱۴)

حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ ایک بلند مرتبہ زاہد، داعی، معمارِ قوم، مفکرِ اسلام، صوفی و عارف ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین قلم کار بھی تھے۔ نیز آپ نے اسلام کی آبیاری کے ساتھ ساتھ علومِ سیاست و معاشرت، اقتصاد و اِنتظام کی بہتری کے لیے کارہائے نمایاں بھی انجام دیا ہے۔ آپ فارسی اور عربی زبان کے بڑے استاد تھے۔ آپ نے نہ صرف اسلامی علوم میں کمال حاصل کیا تھا بلکہ اپنے زمانے کے بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ قادر التحریر مصنف بھی تھے۔ حضرت سید نے کئی کتابیں اور رِسالے فارسی و عربی زبان میں بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ اُن میں سے بیشتر فارسی زبان میں ہے۔ وہ نہ صرف آٹھویں صدی ہجری کے صف اَوّل کے نمایاں روحانی بزرگ اور مصلح تھے بلکہ وہ جامع کمالات کے مالک تھے۔ جہاں اُنھوں نے اپنی تصانیف میں شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت کے دقیق طرین مسائل زیر بحث لاکر اُنھیں عام فہم بنایا۔ وہاں اُنھوں نے حکومت، سیاست، معاشیات، اخلاقیات، فلسفہ، تصوف، عرفان اَور دیگر علوم کو بھی زینت بخشی۔ وہ بیک وقت مرشد کامل تھے اور دینوی رہنما بھی، مقرر بھی، ادیب بھی، مفسر بھی، محدث بھی، شاعر بھی اور مضمون نویس بھی اور وہی ایک لامثال خطوط نگار بھی۔ غرض کہ اُن کی زندگی کے کس کس پہلو کو اُجاگر کیا جائے کہ اُجاگر کر کے بھی تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔

جہاں وہ اپنے وقت کے سب سے اعلیٰ محدث، شریعت محمدی کے عظیم علم بردار اَور حقیقی معنوں میں اِسلامی انقلاب برپا کرنے والے تھے، وہیں وہ مطلعِ روحانیت پر چمکتے ستارے اور صاحبِ اسرار بھی، جہاں وہ ایک ہمہ گیر منتظم تھے وہیں تنہائی کا دلدادہ بھی۔ ایک محطاط اَندازے کے مطابق حضرت امیر نے عربی اور فارسی میں کُل ۱۴۰ رکُتب و رسائل تصنیف فرمائیں، اِس کے علاوہ حضرت اَمیر نے مختلف لوگوں کو خطوط بھی روانہ فرمائے جو اَب کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں اور اَپنے انداز میں بھی بے مثال ہے اور خطوط میں بھی اہم مسائل کو زیر بحث لایا ہے۔

غرض یہ کہ آپ کی تصانیف و تالیفات ہر فن اور ہر باب میں خاص کر معرفت و حقیقت کے رازوں اور بھیدوں میں مشہور و معروف ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ حضرت سید نے تین بار دنیا کے ایک بڑے حصے کے گردِ سفر کی صعوبتیں اختیار کی اور بالاتفاق تمام مؤرخین: تین بار اُنھوں نے وادی گُل پوش کو اَپنے تشریف

آوری سے مشرف فرمایا۔ میں ایک بار پھر یہ ذاتی رائے دہرادوں کہ اُن کی تعلیمات کا اثر اِس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ اُنھوں نے کُفر وشرک اور دیگر بُرائیوں میں پھنسے ہوئے بندگانِ باری تعالیٰ کو باہر نکالا اور اُنھیں فرزندانِ توحید شامل فرمایا۔ اِس کے علاوہ بھی حضرت امیر کے تعلیمات کا اَثر یہ رہا ہے کہ جہاں بھی گئے وہاں اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتے رہے اور اُس کا اثر لوگ قبول کرتے رہے۔ کشمیر میں لباس کی تبدیلی بھی عام طور پر بھی آپ کی طرف منسوب ہے۔ پشمینہ تجارت کی شروعات بھی آپ کی طرف منسوب ہے۔

آپ جہاں جہاں بھی گئے دعوتِ حق دیتے رہے اور وہاں لوگوں کے اعمال و اخلاق معیشت اور کاروبار میں بہتری پیدا کرنے کے لیے اُنھیں کارآمد مشورے دیتے رہے۔ آج کل پوری دنیا میں کشمیر اپنی دستِ کاری کی وجہ سے مشہور ہے اور یہ آپ کی ہی منصوبہ بند تعلیمات کا نتیجہ ہے اور آپ کی ہی نظرِ عنایت سے یہ وادی گُل پوش ''ایرانِ صغیر'' کا درجہ حاصل کرسکی۔

حق تو یہ ہے کہ یہ بات میرے علم وقلم سے باہر ہے کہ میں اُس بے مثال بحرِ علم وعمل، عشق وعرفان کے پیکر کے بارے میں کچھ لکھ سکوں۔ آخر میں علامہ اقبال لاہوری کے اشعارِ زیریں سے اپنے مقالے کا اختتام کرتا ہوں:

سید السادات سالارِ عجم
دستِ او معمار تقدیر اُمم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت
ذِکر وفکر اَز دودمان او گرفت
مُرشد آن خطہ مینو نظیر
مرد درویش و سلاطین را مُشیر
آفرید آن مرد ایران صغیر
با ہنرہائے غریب و دلپذیر
خِطہ را آن شاہ دریا آستین
دادِ علم وصنعت وتہذیب و دین
یک نگاہ او کشد صد گرہ خیز
و ترش را بدل راہے بدَہ (۱۵)

حوالہ جات وکتابیات

۱۔ دانش، مجلہ بخشِ فارسی دانش گاہِ کشمیر، سال: ۱۹۹۲ء، ص: ۴۳

۲۔خلاصۃ التواریخ اَز سبحان رائے بٹالوی، مترجم: ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، ص: ۱۲۸
۳۔ History of Jammy Kashmir & Ladakh by Usha Sharma, Radha Publications Darya Gunj New Delhi-2001, P No 135
۴۔ کُلیات عُرفی شیرازی اَز عرفی، بھائی گورداس کُتب خانہ، امرتسر، پنجاب، زیر ایکسشن نمبر: ۲۶۰۲۹
۵۔ کشمیر میں فارسی ادب کی تعریف اَز عبدالقادر سروری، ناشر: شیخ محمد عثمان اینڈ سنز، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۰۲
۶۔ تاریخ حسن اَز حسن شاہ کھویہامی، ناشر: سازمان تحقیق و اِشاعت، جموں و کشمیر، سال: ۱۳۰۵ھ، ص: ۱۱
۷۔ مسلک الاخیار اَز حضرت شیخ یعقوب صرفی، نسخہ خطی، کتاب خانہ مرکزی علامہ اقبال دانش گاہ، کشمیر، شمارہ: ۱۳
۸۔ تاریخ حسن، کھویہامی، مترجم: عابد گلزار، ناشر: الحیات پرٹو گرافرس سری نگر، ۲۰۱۳ء، جلد: دوم، ص: ۳
۹۔ ریتچن سے رنجیت تک اَز ڈاکٹر منور مسعودی، سال: ۱۹۹۳ء، ناشر: انڈین پرٹنگ پریس ڈل گیٹ، سری نگر، ص: ۱۶
۱۰۔ Islamic Culture in Kashmir, by G.M.D Sofi, 2nd Edition 2017-18, Light a nd Life Publications Jammu. P. 35
۱۱۔ مفصل تاریخ وتحریک کشمیر، شبنم قیوم، جلد: ۱، سیٹی بک سینٹرز، بڈشاہ چوک، سری نگر، ۲۰۱۵ء، ص: ۱۷
۱۲۔ The History of Kashmir, PMK Bamzai, Gulshan Books Srinagar, Vol. 2. P. 317
۱۳۔ تاریخ حسن، پیر غلام حسن شاہ کھویہامی، ص: ۶۷
۱۴۔ واقعات کشمیر، خواجہ محمد ازم دیدمری، مترجم: پروفیسر شمس الدین احمد، نازیہ پرنٹرز، دہلی، سال: ۲۰۰۱ء، ص: ۳۷
۱۵۔ کلیات اقبال (جاوید نامہ)، چاپ: اوّل، ۱۹۶۲ء، ناشر: کتب خانہ نظیریہ، اُردو بازار، دہلی، ص: ۱۴۶

●●●

شاہدہ اختر اویسی

شاہِ ہمدانؒ کے سیاسی افکار

(ذخیرۃ الملوک کے حوالے سے)

حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی ترویج و اِشاعت کے لیے اپنی عمرِ عزیز کے اکیس برس صرف کیے، اس مقصد کے لیے مختلف ممالک کی سیاحت کی، نتائج کے لحاظ سے کشمیر کی سیاحت اہم مانی جاتی ہے کیوں کہ یہاں شاہ ہمدان ہی کی مبارک کوششوں سے اسلام تحریکی انداز سے پھیلا۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں بندگانِ خدا اِسلام کے نور سے منور ہوئے اور کشمیر میں سیاسی، سماجی اور مذہبی انقلاب آ گیا اور وہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا مرکز بن گیا۔

شاہِ ہمدان کے سیاسی افکار اُن کی مشہور و معروف تصنیف ''ذخیرۃ الملوک'' میں بہت ہی احسن طریقے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگرچہ آپ ایک سیاسی رہنما نہیں تھے اور نہ ہی آپ سیاسی تبدیلی لانے کو اَپنی تبلیغ کا مقصد سمجھتے تھے بلکہ آپ روحانی و اخلاقی سطح پر ایک ایسا ہمہ گیر اِسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے جو اِنسانی حیات کے جملہ شعبہ جات کو متأثر کرنے کا زور رَکھتا ہو۔ ''ذخیرۃ الملوک'' دس ابواب پر مشتمل ہے۔ اُس کے پانچویں باب میں حضرت شاہِ ہمدان نے حکومت و سلطنت کے بارے میں اپنے خیالات تفصیل سے ظاہر کیے ہیں۔ آپ کے نزدیک ایک صحت مند اور بہتر معاشرہ کے لیے حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے لیکن اُس نے انسان کو بلند مقام پر فائز کیا، یعنی اشرف المخلوقات بنایا تاکہ وہ اِس زمین پر خلیفہ بنایا جائے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ (ص)

ترجمہ:اے داوٗد! بے شک ہم نے آپ کوزَمین میں) اپنا(نائب بنایا سوتم لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلے (یا حکومت) کیا کرو اَور خواہش کی پیروی نہ کرنا، ورنہ(یہ پیروی) تمھیں راہِ خدا سے بھٹکا دے گی ، بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے،اس وجہ سے کہ وہ یومِ حساب کو بھول گئے۔

لیکن اِس صحت مند معاشرے کے لیے ایک عادل حکمران کا ہونا ضروری ہے اور اُس کا انتخاب اور حکومت کی تاسیس اور تشکیل سے لے کر اَور تشریعی و انتظامی معاملات تک اہل ایمان کے باہمی مشورے سے چلنا چاہیے۔حضرت شاہِ ہمدان اِس آیت کے ذریعے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں:وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۞ (شوریٰ)

ترجمہ: اُن کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔

اِس طرح اگر خداوندِ برتر نے چاہا کہ لوگوں کے درمیان ایک حاکمِ عادل اور مصلح موجود ہو جو اَولادِ آدم کے احکام کی کارگزاریوں اور اَہلِ علم کی سرگرمیوں کے معاملات کو فیصلہ کن قوت، مؤثر نصیحت و فہمائش اور مناسب تعلیم و تربیت سے صحیح راستے پر لگادے اور اَحکامِ شریعت کو نافذ کرنے میں ممکن حد تک پوری کوشش کرے اسلامی حدود و قوانین کی حفاظت کے لیے لوگوں کے درمیان مساوات اور برابری قائم رکھے اور سیاسی طاقت اور اِنسدادی تدابیر کو بروئے کار لاکر طاقتور کے ظلم وزیادتی کرنے والے ہاتھوں کو کمزوروں اور مظلوموں کی طرف بڑھنے سے روکے تاکہ زندگی کا نظام صحیح صورت میں قائم رہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۞(مائدہ)

ترجمہ:اے ایمان والو!اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاوَ اَور کسی قوم کی سخت دشمنی بھی (تمھیں اس بات پر براَنگیختہ نہ کرے کہ تم) اس سے(عدل نہ کرو، عدل کیا کرو) کہ(وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے، اور اَللہ سے ڈرا کرو، بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۔

حضرت شاہِ ہمدان کے نزدیک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی پیروی ایک مسلمان کے لیے لازمی ہے۔شاہِ ہمدان نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ،حضرت عثمان رضی اللہ عنہ،حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے واقعات پیش کر کے مسلمان حکمران کے سامنے ایک ایسا نمونہ رکھا ہے جس پر چل کر وہ اپنی سلطنت میں دیانت واَمانت، عدل وانصاف، رحم واُلفت، کشادہ دلی،عفو و درگزر،تنقید و تقریر کی مثالیں

پیش کرسکتا ہے۔

حضرت شاہِ ہمدان کے نزدیک حکمران اپنے آپ کو رِعایا ہی کے مانند ایک فرد تصور کرے اور دوسروں کو اَپنے اُوپر حاکم سمجھے اِس لیے جب کوئی واقعہ یا مسئلہ درپیش ہو تو اُس میں جو اَپنے لیے فیصلہ جائز نہ سمجھے، دوسروں کے لیے بھی جائز نہ سمجھے۔ جو اَپنے لیے پسند کرے دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرے۔ شرعی حکم میں نرمی سے بات کہے اور بے وجہ سختی نہ کرے، اور لوگوں کے عذر سننے سے ملول نہ ہو اَور کمزوروں، مسکینوں اور محتاجوں سے بات کرنے میں اُسے عار معلوم نہ ہو، حاکم تکبر اور جبر وسختی سے مخلوق کو اَپنے سے متوحش اور بیزار نہ کرے، بلکہ کمزوروں اور زِیردستوں کے ساتھ عدل وانصاف اور شفقت کر کے اپنے آپ کو رِعایا کا محبوب بنائے۔

حکومت ولایت کی عظمت واہمیت سے غافل نہ رہے اور یقین جانے کہ حکومت وامارت ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے آخرت کی سعادت اور نیک نامی بھی حاصل کی جاسکتی ہے اور اُسی سے انسان ابدی شقاوت، عذاب وبدنامی میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے۔

صلحائے اُمت وعلمائے دین کی زیارت وصحبت کا راغب اور خواستگار ہو اَور دَجال سیرت جاہلوں اور نیک صورت فاسقوں سے اِحتراز کرے۔ اپنے نائبین اور عاملین یعنی حاکموں کی خیانت اور ظلم سے غافل نہ ہو اَور بھیڑیوں کی خصلت والے ظالموں کو مظلوم رعایا پر مسلط نہ کرے۔ جب اُن میں سے کسی ایک کی خیانت ظاہر ہو تو اُس کی گرفت میں لا کر اَیسی سزا دے جو دوسروں کے لیے عبرت ہو اَور حکومت کی سیاست اور رُعب داب میں سہل انگاری اور سستی روا نہ رکھے اور دولت مندوں کو نصیحت اور خوف دونوں کے ذریعے مہذب بنائے اور رَاہِ راست پر لائے، اور اُسی میں فراست وعقلمندی ہے۔ ہر حاکم اور بادشاہ پر واجب ہے کہ حوادث وواقعات اور مسائل میں گہرے غور وفکر اَور عقل وفہم سے کام لے کر ہر حکم کی حقیقت کی خوب چھان بین کرے اور بصیرت کی آنکھ سے لوازم، لواحق اور عوارض پر نظر رکھے۔ کامیابی آخرت ودنیا کی یقینی مل جائے گی۔

حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ نے مسلم اور غیر مسلموں کے حقوق اِس طرح بیان کیے، مثلاً:

حاکم پر واجب ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے اور حکومت ولایت کی وجہ سے کسی مسلمان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ متکبروں اور جباروں کو دشمن رکھتا ہے۔

حاکم ایک دوسرے کی نسبت عوام الناس کی باتیں نہ سنے، کیوں کہ اِس کا نتیجہ فتنہ اور ندامت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ خصوصاً فاسقوں، حاسدوں، خودغرضوں اور حریصوں کی باتوں پر اعتماد نہ کرے۔ کیوں کہ لالچی آدمی اپنے ایک لقمے کے واسطے کئی لوگوں کو رَنج پہنچاتا ہے اور حاسد

ہر ہنر کو عیب سمجھتا ہے۔

مسلمانوں کے درمیان مصالحت میں جلدی کرنا اپنے اُوپر فرض سمجھے اور اُن کے جھگڑوں کا تصفیہ کرنے میں تاخیر نہ کرے، خصوصاً اُن اختلافات میں جن کی حقیقت ظاہر و باہر ہو، کیوں کہ یہ مخاصمت اور دشمنی کا ذریعہ بننے کے علاوہ موجب فساد بھی ہوسکتی ہے۔

حاکم مسلمانوں کی ہر بستی میں مسجد بنائے، اُس کے لیے امام اور مؤذن مقرر کرے، جن کے گزارے کے لیے وظائف مقرر کرے تاکہ وہ فارغ البال ہو کر اَوقاتِ نماز کی پابندی کرسکیں اور ضروریاتِ زندگی اُس میں مانع نہ ہوسکیں۔ حاکم اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غافل نہ ہو بلکہ خاص و عام سب کی دعوت و تبلیغ کے لیے نظم و نسق کرے۔

شاہِ ہمدان کے مطابق: ایک حاکم کو تمام رعایا کو مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق ضرور فراہم کرنا چاہیے۔ ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق لازمی ہے کیوں کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ حاکم اپنی رعایا میں تفریق و امتیاز نہ کرے بلکہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔

حاکم شکوک و شبہات سے پرہیز کرے اور تہمت کے مواقع سے اِحتراز کرے، ورنہ لوگ گناہوں پر دلیر ہو جائیں گے۔ اگر خدانخواستہ وہ کبھی خود کسی گناہ میں ملوث ہوجائے تو اُس کو لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رکھے۔ کیوں کہ عام لوگ نیکی اور بدی میں حاکم کے پیرو ہوتے ہیں۔

حاکم فقر و فاقہ کے حالات سے غافل نہ رہے اور بیواؤں اور یتیموں کے حالات کی خبر گیری اپنے اُوپر فرض سمجھے اور قیامت کی باز پُرس سے ڈرے کہ اُس دن مال اور ملک کام نہیں آئے گا۔

حاکم اپنے سیاسی دبدبے سے کام لے کر رَاستوں کو پُرامن رکھے۔ حاکم خوف و خطرے کی جگہوں پر عمارتیں بنوادے، ورنہ کم از کم محافظ اور نگہبان مقرر کردے۔

حضرت شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُن تمام شرائط اور حقوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت کا استحکام لازمی ہے اور اَیسا تب ہی ممکن ہے جب حکومت شریعت مطہرہ کے احکامات کے عین مطابق نظم و نسق چلائے اور عدل و انصاف کے اقدار کو اَپنا اُوڑھنا بچھونا بنائے۔

●●●

ادبیات

پروفیسر قدوس جاوید(۱)

شاہِ ہمدانؒ کی غزل کا تعمیری کردار

اپنی جڑوں سے مضبوط، معاشرہ، ثقافت اور شعریات کے اندر پروان چڑھنے والی زبان کی شاعری بھی اتنی زندہ، زرخیز اَور پُر امکان ہوتی ہے کہ خواہ کسی بھی معاشرے اور ثقافت میں کیوں نہ چلی جائے جذب وانجذ اب اور تغیر وتبدل کے مراحل سے گزرتے ہوئے مقامی معاشرہ اور ثقافت میں بھی جدت طرازیوں کے گُل بوٹے کھلاتی ہی رہتی ہے۔ کشمیر میں فارسی شاعری کے آغاز وارتقا اور مزاج ومعیار کا مطالعہ فارسی شاعری کی اس غیر معمولی قوت کے حوالے سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

ہم گریرسن کے اِس قول کا انکار نہیں کرتے کہ ''برعظیم کی تمام جدید زبانیں اَپ بھرنش ہی کے بچے ہیں۔'' لیکن اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُن میں سے اکثر بچوں کو لسانی، صنفی، شعری اور فکری اِعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے، چلنے اور دَوڑنے کا حوصلہ فارسی زبان اور شاعری نے ہی بخشا ہے۔ کہیں براہِ راست اپنی گود میں لے کر تو کہیں ''سبک ہندی'' کے جُھولے میں جُھلاتے ہوئے خاص طور پر وہ شئے جسے لسانی وشعری تہذیب Culturolgy کہتے ہیں اور جس کے عناصر ترکیبی میں لطافت ونزاکت، فصاحت و بلاغت اور سوز وگداز وغیرہ صفات شامل ہیں، برصغیر کی اکثر جدید زَبانوں کو فارسی زبان اور شاعری ہی کی دین ہے۔ کمال یہ ہے کہ فارسی زبان اور شاعری نے یہ کارنامہ ہر جگہ معاشرتی اور ثقافتی تشخص کا اِحترام کرتے ہوئے انجام دیا ہے۔ ہاں! مقامی رنگ پر اِسلامی رنگ کا غالب آجانا بھی ایک سچائی ہے، لیکن اِس کی داستان طویل ہے۔ ویسے تاریخ کے حوالے سے اِتنی بات تو سبھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہند آمد سے قبل ہی اپنی شاندار تاریخ کے ساتھ فارسی زبان اور شاعری، بعض تحفظات اور مستثنیات کے

---

(۱) سابق صدر شعبۂ اردو، کشمیر یونیورسٹی

باوجود اِسلامی ثقافت اور شعریات کے اَثر ونفوذ سے سرشار ہو چکی تھی بلکہ تقلیب وتطہیر کے مرحلوں سے گزر کر اَپنی شعریات کو اُس سانچے میں ڈھال چکی تھی جسے ''اِسلامی شعریات'' کہتے ہیں۔ ہاں! ہندوستان کی بُت پرست معاشرت ثقافت اور شعریات پر فارسی زبان اور شاعری کے حوالے سے، اِسلامی رنگ کیسے غالب آتا گیا یہ مطالعے کا ایک الگ موضوع ہے۔ پھر بھی مختصراً چند تاریخی نکات اَز سرِنو رَوشن کرتے چلیں تو مضائقہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اُن نکات کا تعلق بہر حال کشمیر میں فارسی زبان اور شاعری کے آغاز وارتقا اور شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی شاعری کے مزاج ومعیار سے بھی ہے، مثلاً: ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ وملتان اور پنجاب سے لے کر ۱۰۰۱ء میں محمود غزنوی کے حملوں اور پھر ۱۰۳۰ء تک سندھ ملتان اور پنجاب سے لے کر شمال میں میرٹھ دہلی اور نواح دہلی تک کے علاقوں پر محمود غزنوی آل محمود کے تسلط اور پھر بابر کی فتح ہند تک کا زمانہ تقریباً ۵۰۰ سال کو محیط ہے۔ اِس عرصے میں شمالی ہندوستان کے ایک بڑے علاقے پر اِسلامی معاشرت اور ثقافت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان اور شاعری کا غلبہ قائم ہو چکا تھا۔ اسی دوران امیر کبیر سید علی شاہ ہمدانی المعروف بہ شاہ ہمدان کی پیدائش ۱۳۱۲ء سے دو سال قبل ۱۳۱۰ء میں سلطان علاؤالدین خلجی کا لشکر جرار دکن اور مالوہ کے خشک وتر کو زِیر وزَبر کرتا ہوا کم وبیش پورے جنوبی ہندوستان پر نہ صرف قابض ہو چکا تھا بلکہ بنیادی طور پر فارسی کے ہی توسط سے یہ پورا علاقہ اِسلامی معاشرت اور ثقافت اور شعریات کے نُور سے منور بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِس عرصے میں شمالی وجنوبی ہند کے دوسرے علاقوں کی طرح وادی کشمیر میں بھی اِسلام کی رُوح پروَر ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ شاہِ ہمدان کی کشمیر آمد سے چند سال قبل ہی ترکستان کے سید زادے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے شاگرد حضرت بلبل شاہ کے ہاتھوں رنچن شاہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد کشمیر میں نہ صرف مسلم حکومت قائم ہوتی ہے بلکہ معاشرتی، ثقافتی اور لسانی نظام میں بھی اِسلامی عناصر کا غلبہ دن بہ دن بڑھتا جاتا ہے۔ خاص طور پر نظم ونسق میں مسلمانوں کی شمولیت اور سرکار دربار اَور بازار میں سنسکرت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کی حصہ داری سے ہر سطح پر اِسلام کے برکات وفیوض کے عام ہونے کی شروعات ہوتی ہے۔ چناں چہ بقول پروفیسر منور مسعودی: ۱۳۴۰ء میں شہمیری دور کے سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت میں جب پہلی بار کشمیر میں سید اَمیر کبیر کا وَرود مسعود ہوتا ہے تو اُس وقت تک اسلام، اسلامی معاشرت، ثقافت اور فارسی زبان وشاعری کے لیے اس ''ایران صغیر'' وادی کشمیر کی زمین ہموار ہو چکی تھی۔ گریرسن کے ''دی ایمپیریل گزیٹیر آف انڈیا'' اور ڈاکٹر تاراچند کے ''تمدن ہند پر اِسلامی اثرات'' سے لے کر جمیل جالبی کی ''تاریخ ادب اُردو'' تک متعدد تصنیفات میں بار بار کہا گیا ہے کہ چودھویں صدی کے وسط تک آ کر جب کہ اَمیر کبیر شاہ ہمدان کی کشمیر آمد

ہوئی تو برّ اعظم کے ایک بڑے علاقے میں فارسی زبان طبقہ شرفا کی کم وبیش ''لنگوا فرینکا'' بن چکی تھی اور دوسرے طبقوں کی زبانیں اور بولیاں بھی فارسی کے لسانی نظام کے قریب آنے لگی تھیں اور یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ سندھ، پنجاب، ملتان، دکن، گجرات، راجپوتانہ، مہاراشٹر اور دِلّی سے لے کر کشمیر تک بنیادی طور پر فارسی اور فارسی سے متأثر زبانوں ہی کے توسط سے اِسلامی معاشرت اور ثقافت کا آفتاب تازہ بڑے کروفر سے اُجالے بکھیرتا رہتا ہے۔ اِس اعتبار سے برّعظیم میں فارسی اور فارسی سے متأثر زبان اور شاعری کے آغاز و اِرتقا کی داستان اس خطے میں دین اسلام کی توسیع و اشاعت کی بھی داستان ہے اور شاہِ ہمدان اس داستان کا روشن ترین باب ہیں یوں تو شاہ ہمدان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ داعی اسلام تھے اور اُن کی شعری و نثری سرگرمیوں کی غرض و غایت بھی دین اِسلام کی تبلیغ و اِشاعت ہی ہے۔ پروفیسر غلام رسول ملک نے ''چہل اَسرار، غزلیات شاہ ہمدان مرتبہ: پروفیسر منور مسعودی کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''...نظم ونثر میں ان کی کلکِ گوہر بار سے جو کچھ صادر ہوا ہے وہ بھی اُن کی داعیانہ حیثیت کا ایک پرتو ہے اور اُس کی مناسب تفہیم اور تعیین قدر کے لیے اُس بات کا ذہین نشین رہنا بہت ضروری ہے بالفاظ دیگر اُن کی شاعری تبلیغی یا دینی شاعری ہے اور اُسے اُسی حیثیت سے پرکھا جانا چاہے۔''

شاہ ہمدان کی شاعری: بحیثیت مجموعی دینی اور تبلیغی شاعری ہے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن شاہ ہمدان کی شاعری، خصوصاً ''فارسی غزل'' کی شعریات کے حوالے سے بطور، شاعری پڑھی اَور قبول کی جائے تو معلوم ہوگا کہ شاہِ ہمدان کی شاعری صرف اور محض اِس وجہ سے بڑی شاعری نہیں ہے کہ اُس کا سرچشمہ دین اور مقصد تبلیغ ہے۔ بلکہ اِس وجہ سے بھی بڑی شاعری ہے کہ شاہِ ہمدان نے اپنی غزلوں میں لسانی وشعری اور فنی و جمالیاتی مضمرات کو اِس غیر معمولی شاعرانہ مہارت کے ساتھ برتا ہے جو مہارت کسی بھی شاعری کو بڑی شاعری بناتی ہے۔ اس کا اندازہ شاہِ ہمدان کے درج ذیل اشعار سے لگایا جا سکتا ہے:

اگر ہمای قاف قربی بال ہمت برگُشا
در فضائی لامکان با قدسیاں انبار شو

(غزل: ۵، شعر: ۸، اگر تم کوہ قاف کے عنقا ہو تو ہمت کے پر کھول دو اَور لامکان کی فضاؤں میں پرواز کر کے فرشتوں کے ہمراہی بن جاؤ۔)

چو در دریائے وحدت گُم نہ گشتی
اَز انت درُ عرفاں در شکم نیست

غزل: ۴، شعر: ۷، چوں کہ تم نے دریائے وحدت کی غواصّی نہیں کی ہے اِس لیے تمہارے

وجود کے اندر عرفان وادراک کے موتی نہیں ہیں۔

۳۔

گرآتش فراقش با صبر یار بودی
اندوہ اشتیاقش در دیدہ خار بودی

غزل:۶،شعر:۱،اے کاش!معشوق سے جدائی کی آگ کے ساتھ ساتھ دیدار یار کے لیے صبر کی طاقت بھی ملی ہوتی اور شوق دیدار کا کرب آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا۔

یوں جمالش را نظر خورشید تاباں میکند
آفتاب از رشک حسنش روی پنہاں میکند

غزل:۱۶،شعر:۱،چمکتا ہوا سورج بھی جب اُس کے حسن و جمال کو دیکھتا ہے تو وہ بھی رشکِ حسن سے اپنا چہرہ چھپالیتا ہے۔

یادرَ ہے کہ ''چہل اَسرار'' کی غزلیں، معجزاتی طور پر،ہی چودھویں صدی کے اَخیر میں وجود میں آتی ہیں۔لہٰذا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ شاہِ ہمدان کی غزلوں میں بھی اُنھیں فنی اور جمالیاتی اَقدار کو برتا گیا ہے جن کا رواج اِس دور تک کی غزلوں میں ملتا ہے،مثلاً:

۱۔شاہ ہمدان کی غزلوں میں بھی مطلع و مقطع کا اہتمام ملتا ہے،بعض غزلوں میں تو حسنِ مطلع کے طور پر بھی اِشعار لائے گئے ہیں۔

۲۔شاہ ہمدان کے مقطع کے اشعار میں بطور تخلص کہیں علائی اور کہیں علی لایا گیا ہے۔

۳۔شاہ ہمدان کی زیادہ تر غزلیں چھوٹی رواں بحروں میں ہیں جس سے کہ قاری کو شعر کی قرأت میں اور مغنی کو نغمہ سنجی میں آسانی ہوتی ہے۔

۴۔شاہ ہمدان کی غزلوں میں عام طور پر ترنم خیز رَدیف وقوافی کا استعمال ہوا ہے جن سے قرأت کے نتیجے میں غنائیت کا اِخراج بلا رُوک ٹوک فطری طور پر ہوتا ہے۔

۵۔دیگر شعرا کی طرح شاہ ہمدان کی غزلوں میں بھی اشعار کی تعداد میں یکسانیت نہیں۔ غزل میں اشعار کی کم سے کم تعداد کسی نے تین کسی نے پانچ بتائی ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ سے پچیس تک بھی بتائی گئی ہے۔لیکن یہ سب مفروضات ہیں غالب کے یہاں دو شعر کی غزلیں بھی ہیں اور تین شعر کی بھی شاہِ ہمدان کی اکثر غزلیں ۹-۹ اَشعار پر مشتمل ہیں۔کم سے کم ۷/اَشعار کی غزلیں بھی ہیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۵/اَشعار کی غزلیں ملتی ہیں۔اَساتذہ کے یہاں غزل کے اَشعار کی تعداد طاق رکھنے کی روایت رہی ہے لیکن اُس کا کوئی منطقی جواز نہیں۔شاہِ ہمدان کی غزلوں میں بھی اشعار کی تعدادِ زیادہ تر طاق ہی ہے لیکن ۱۲/اَشعار پر مشتمل غزلیں بھی ہیں۔

۶۔شاہِ ہمدان کی غزلوں میں بھی ہر شعر معنوی اعتبار سے آزاد حیثیت رکھتا ہے۔لیکن فکر کی متعین سمت اور شاعری کے طے شدہ مقصد کے سبب علامہ اقبال کی طرح شاہ ہمدان کے بھی اکثر اشعار میں معنوی اِرتباط وارتقا کی کیفیت ملتی ہے۔اس لیے آج کی زبان میں شاہ ہمدان کی اکثر غزلوں میں بین المتونیت [Intertextuality] بھی ملتی ہے اور متن پر متن قائم کرنے کی مثالیں بھی۔

۷۔شاہ ہمدان کی غزلوں کا اُسلوب بنیادی طور پر اِستعاراتی ہے۔ایسا اِس لیے ہے کہ شاہ ہمدان کو پتا تھا کہ ''غزل کی پہلی اور آخری پہچان اُس کی داخلیت، غیر واقعیت اور بالواسطگی ہے اور غزل میں خارجی فکری اور نظریاتی خیالات وتجربات کو تشبیہ و اِستعارہ کی مدد سے ہی بیان کیا جاسکتا ہے۔اِسی لیے شاہ ہمدان کی غزلوں میں تشبیہات و اِستعارات کا ایک قابل قدر سرمایہ ملتا ہے۔

۸۔غزل کثرت اَلفاظ کا نہیں کفایت الفاظ کا فن ہے اور بڑا شاعر وہ ہے جو شعر کی زمین۔یعنی بحر، وزن، ردیف وقافیہ کی قدر و قیمت ذہن میں رکھ کر کم سے کم الفاظ کے لسانی برتاؤ سے شعر میں معنی ومفہوم، کیفیت وتاثر کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرے۔شاہ ہمدان کے اَشعار میں معنی ومفہوم کی تخم رِیزی (Dissmination) کا یہ عمل عمدہ صورتوں میں ملتا ہے۔

۹۔شاہ ہمدان کی غزلوں کے متون بھی دو طرح کے ہیں ایک وہ جسے سبقی متن یا Readerly Text کہتے ہیں اور جو قاری کے ذوق اور معیار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ایسے متون سے قاری وہی معنی ومفہوم اَخذ کرتا ہے جو شاہ ہمدان رحمہ اللہ قاری تک پہنچانا چاہتے ہیں۔لیکن دوسری طرح کے بعض متون ایسے ہیں جنھیں تخلیقی متون Writerly Text کہا گیا ہے۔ایسے متن معنیاتی اور جمالیاتی امکانات کی ترسیل کے لیے منتخب قاری اور مخصوص قرأت کا تقاضہ کرتے ہیں۔ ''چہل اسرار'' کی کئی غزلوں میں ایسے متون ملتے ہیں۔

۱۰۔شاہِ ہمدان کی غزلوں میں اَرضیت زیادہ ہے۔وہ حق ومعرفت کی باتیں شاعرانہ صنعت گری کے ساتھ کرتے ہیں۔اکثر مبالغے سے بھی کام لیتے ہیں لیکن پھر بھی اُن کے اشعار اتنے پیچیدہ نہیں کہ فہم وفراست سے ماورا ہو جائیں۔

شاہِ ہمدان کی غزلوں کے اِن عمومی صنفی اور شعری امتیازات کے ذکر کے بعد اَگر اُن بنیادی خصائص کا جائزہ لیں جن پر ''چہل اسرار'' کی عظمت اور معنویت کا اِنحصار ہے تو دُو باتیں سب سے پہلے سامنے آئیں گی:

اَوّل: یہ کہ ''چہل اسرار'' کی شاعری اسلامی نظریہ جمال کی تابع شاعری ہے جو اِسلامی معاشرت اور ثقافت کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

دوم: یہ کہ گرچہ ''چہل اسرار'' غزلیات کا مجموعہ ہے لیکن اُس کی غزلیں اپنے فکری اور

معنیاتی نظام کی بنا پر۔غزلیہ شاعری کے کلیدی عناصر یعنی حسن وعشق اور رِندی وسرمستی کے رسمی اور اصطلاحی مفاہیم کو ترک کر کے شاہِ ہمدان کی شاعری کو پاکیزہ مقدس اور تعمیری قلب ماہیئت کی شاعری بناتی ہیں اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔اسلامی نظریۂ جمال کی رُو سے فن کی عظمت وعلویت کے لیے فن میں اعلیٰ تعمیری مقصدیت کی موجودگی کو آرائش فن کے لوازمات کے برتاؤ پر فوقیت حاصل ہے۔اگر چہ اعلیٰ تعمیری مقصدیت ہی ''حُسن اصلی'' ہے لیکن اُس حسن کے فنی اظہار کو حسین بنانے کے لے ضروری ہے کہ فنی اور جمالیاتی تقاضوں کو بھی موزونی وکمال اور تناسب و اِعتدال کے ساتھ برتا جائے۔اِس طرح کے تخلیقی رویے (Creative Attitude) کے سبب ہی فن میں بوقلمونی،موزونیت،جامعیت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

اِسلامی نظریۂ جمال کا دوسرا پہلو ''تخلیق بالحق'' یا ''تخلقو ا باخلاق اللہ'' ہے،جس کے مطابق فن میں ''تخیل وتصوّر'' پر ''تعقل وتفکر'' کو ترجیح حاصل ہے۔دوسرے لفظوں میں اسلامی نظریۂ جمال کی رُو سے وہی فن یا شاعری اعلیٰ وعمدہ شاعری ہے جس میں تنظیم وتہذیب سے عاری بے مقصد اَور خام جذبات وخیالات کے بجائے منظم مربوط،مہذب بامقصد اَور تعمیری افکار ونظریات کا اظہار کیا گیا ہو۔کیوں کہ ایسی ہی شاعری نہ صرف یہ کہ صوری ومعنوی اعتبار سے حسین وجمیل ہوتی ہے بلکہ انسان کو ظاہری اور باطنی،انفرادی اور اِجتماعی ہر لحاظ سے حسن وخوبی کا پیکر بننے میں بھی ممدومعاون ثابت ہوتی ہے۔شاہ ہمدان کی شاعری ایسی ہی شاعری کے زُمرے میں آتی ہے۔یاداشت کے لیے صرف دو اَشعار سامنے رکھ سکتے ہیں کہ

اَز ہوای نفس گریکرہ خلاصی باشدس
در ہوائی لامکان لاف از ملک افزوں زند

غزل:۲۲،شعر:۵،ہوائے نفس سے اگر دِل خلاصی حاصل کرے تو لامکان کی خواہش میں وہ فرشتوں سے بھی بلند وبرتر ثابت ہوگا۔

تو کوئے دوست ہی جوئی ونمیدانی
کہ گر نظر بہ حقیقت کُنی تو آں کوئی

غزل:۲۸،شعر:۲،تم کوچۂ یار کی تلاش میں ہواَور نہیں جانتے کہ درحقیقت خود تمہارے اندر ہی وہ کوچہ ہے،یعنی انسان خود اَپنے اندر ہی خدا کی تلاش کرسکتا ہے۔

شاہِ ہمدان نے ہر طرح کے مضامین اپنی غزلوں میں بیان کیے ہیں اور غزل میں،حسن وعشق اور آزادہ رَوی کے ساتھ ہی تصوف بھی بنیادی موضوع رہا ہے۔گرچہ اسلامی تصوف میں سب سے زیادہ وقعت عشق حقیقی کو حاصل ہے لیکن بعض شعرا کے یہاں عشق حقیقی کو عشق مجازی کے پردے

میں پیش کرنے کا جوڑ جحان ملتا ہے اُس کے اپنے غیر اِسلامی معاشرتی اور ثقافتی اسباب ہیں۔

شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی صوفیانہ شاعری کا امتیاز یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے چند ایک اشعار میں حقیقت کو مجاز کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے لیکن اِس طرح کہ مجاز کے آئینے میں حقیقت کا نظارہ کیا سکتا ہے، مثلاً:

قبلۂ دل آفتاب روئے اوست
کعبۂ جاں خاکِ راہ کوئے اوست
چوں زِ زُلفش گشت عالم مشکبوئے
دوستیٔ ایں و آں بربوئی اوست
کفرُ دین و نورو ظلمت در جہان
از رُخِ ماہ و شب گسیوئی اوست

غزل:۲،شعر:۱،۲،۳، اُس کا آفتاب کی طرح روشن چہرہ، قبلہ دل و جاں ہے اور اُس کے کوچے کی گر دِرَاہ کعبہ جان وایمان ہے۔

اُس کی زلفوں کی خوشبو سے جب یہ سارا عالم معطر ہو گیا تو اُسی خوشبو کے طفیل دنیائے محبت واُخوت وجود میں آئی اور دُنیا میں کفر و دین اور نور و ظلمت معشوق کے چاند سے چہرے اور سیاہ زلفوں کے سبب ہی وجود میں آئے ہیں۔

دراَصل بیرون ہند سے ہندوستان آنے والے صوفیا اور مشائخ مثلاً خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ فریدالدین گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیا، شیخ عبدالقادر گیلانی، خواجہ باقی باللہ، شیخ اَحمد سرہندی وغیرہ نے الگ الگ علاقوں میں اِسلام اور اِسلامی تصوف کو اُس کے حقیقی خدوخال میں برقرار رَکھتے ہوئے اُس کی توسیع وتبلیغ کی جو کوششیں کی تھیں۔ کشمیر میں شاہِ ہمدان کی شاعری بھی اُسی کی ایک شکل ہے۔ اِسلامی تصوف کی رُو سے قربِ الٰہی کا واحد ذریعہ عشق ہے اور ''وحدت الوجودی'' عقیدے کے مطابق عشق کی انتہا ''فنافی اللہ'' ہے۔ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی شاعری میں ''فنافی اللہ'' کے حوالے سے کثرت سے اشعار ملتے ہیں، مثلاً:

اگر فانی شوی در بحر توحید
عیاں بینی کہ آنجا کیف و کم نیست

غزل:۴،شعر:۹، اگر تم توحید کے سمندر میں فنا ہو جاؤ تو بے قیل وقال تم پر سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔

قطرہ، بہ دریا شدہ، مطلق بجا شدہ
بحر محیط قدم، قید شدہ در حدود

غزل:۸،شعر:۷،قطرہ دریا میں مل گیا اور اُس کی وجہ سے بحر محیط کی روانی بھی حدود میں قید ہو گئی۔

جیسا کہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے کہ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی شاعری غزلیات پر مشتمل ہے اور روایتی معنوں میں غزل کا بنیادی وصف تغزل ہے۔ عام تصور یہ رہا ہے کہ غزل میں تغزل مخصوص مضامین، مخصوص لب ولہجہ اور مخصوص زبان کے برتاؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ مخصوص مضامین سے مراد حسن وعشق، حق ومعرفت، تصوف و اخلاق، رِندی و سرمستی اور سوز وغم کے مضامین ہیں۔ لیکن متوسطین نے جن میں شاہ ہمدان بھی شامل ہیں، رندی و سرمستی جیسے مضامین کو رَسمی اور اِصطلاحی معنوں میں نہیں بلکہ پاکیزہ اور تعمیری معنوں میں برتا ہے۔ حافظؔ، سعدیؔ اور بیدلؔ سے لے کر اقبالؔ تک کے یہاں رندی و سرمستی کے مضامین کے بیان میں مخصوص الفاظ تراکیب اور اِصطلاحات کے پاکیزہ اجتہادی معنوں میں استعمال کی مثالیں بھری پڑی ہیں۔ اُسی طرح شاہ ہمدان نے بھی اپنی غزلوں میں ایسے الفاظ وتراکیب کو حق ومعرفت کے مضامین بیان کرنے کے لیے اِستعمال کر کے تغزل کی ایک مقدس فضا پیدا کی ہے، مثلاً یہ اَشعار دیکھئے:

چوں در ریاض اُنس شراب بقا چشید
خوش تیغ ترک بر رُخ دار الفنا زنند

غزل:۹،شعر:۸، جب وہ گلستان محبت میں شراب بقا کا مزا چکھتے ہیں تو وہ فرطِ مسرت کی تلوار کو دَارالفنا سے ٹکراتے نظر آتے ہیں۔

بادہ غم نوش اگر خواہی رہائی زیں خمار
راہِ رندان گیر گر جوئی تو قرب آنجناب

غزل:۲۶،شعر:۶، تم اگر مستی وخمارِ دنیا سے چھٹکارا چاہتے ہو تو اُس کے غم کی شراب پیو۔ اور اَگر تم اُس (خدائے برحق کی) قربت کے خواہاں ہو، تو نشہ عشق اِلٰہی سے سرشار اَیسے ہی رِندوں کا طریقہ اختیار کرو۔

اُسی طرح تغزل کی دوسری شرط یعنی نرم اور دھیمے لہجے کا استعمال بھی شاہ ہمدان کی غزلوں میں کامیابی کے ساتھ ہوا ہے۔ خواہ اَلفاظ سے حزنیہ تاثرات پیدا ہوئے ہوں یا نشاطیہ، بلکہ پاکیزہ اور تعمیری مضمون آفرینی کے لیے بھی جہاں حسن وعشق کے تصورات ایک حد تک مجاز میں پیش کیے ہیں وہاں یہ نرم لہجہ لطیف جذبے کے ساتھ مل کر ایک دلکش رومانی فضا بھی پیدا کرتا ہے، مثلاً یہ شعر:

بوئی ز زلف آنمہ بگذشت در دوعالم
ذرات کُون از آن بوئی سر مست افتادند

غزل:۲۷،شعر:۳،میرے محبوب کی زُلف سے خوشبو کا ایک جھونکا دونوں عالم میں پھیل گیا اور اُس خوشبو سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ مدہوش ہو گیا ہے۔

مخصوص ومنفرد زَبان کا اِستعمال صرف تغزل نہیں بلکہ شاعرانہ عظمت وانفرادیت پیدا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اِسی لیے ہر بڑے شاعر کی طرح شاہِ ہمدان کی شاعری میں بھی نادر افکار وخیالات کے اظہار کے لیے نت نئے الفاظ کی ایجاد و اِختراع اور اُن کے فن کارانہ لسانی برتاؤ کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ اِسی لیے شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے دینی اور تعمیری افکار، شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی شاعرانہ جدِت سے پگھل کر شعری تجربے کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں اور ایسا حسن آہنگ پیدا کرتے ہیں جو شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی شاعری کو عظمت و اِنفرادیت بخشتے ہیں۔ چناں چہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ اپنے جذبہ واِحساس، فکر وخیال اور شعری تجربہ کے اظہار کے حوالے سے نادر الفاظ وتراکیب کا قابل قدر سرمایہ بھی فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً کوئے مفلسی، آب دیدہ، صید شاہین، زیور ذکر، سالک راہِ وصل، کعبہ جاں، قبلہ دِل، نرگس جادو، بحر توحید، دُرِّ عرفان، ہمائے قاف، آتش فراق، اندوہ اشتیاق، روضۂ وصال، ملامت گاہ عشاق، مصر دل، داغ اِرادت، مستان جام شوق، تیر نیاز غیرہ وغیرہ۔ ان الفاظ وتراکیب کی روشنی میں صرف شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی فکری نہج کا ہی نہیں الفاظ کے لسانی برتاؤ اور اِظہار کے تخلیقی رویے کا بھی بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ دراَصل شعر میں تراکیب کے اِستعمال کے جتنے بھی فوائد بیان کیے گئے ہیں یعنی اختصار، جامعیت، بلاغت اور زُور بیان وغیرہ سارے شاعرانہ فوائد ''چہل اسرار'' کے اشعار میں بہ تمام وکمال سامنے آئے ہیں۔ اِس ضمن میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی اکثر غزلوں میں الفاظ وتراکیب کے نادر لسانی وشعری برتاؤ کے ذریعے صوتی آہنگ پیدا کرنے کی بھی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں، مثلاً: ''چہل اسرار'' کی بیسویں غزل کے یہ اشعار دیکھئے:

از کنار خویش می یابم وپا دم بوئی یار
زاں ہمی گیرم بہردم خویشتن را درکنار
چوں کنارم رامیانی نیست پیدا ہر زمان
درمیان خونِ دل جانم غمش را کرد کنار

غزل:۲۰،شعر:۱،۲، میں اپنے محبوب کی رعنائیاں ہر وقت اپنے قریب پاتا ہوں اور اِسی لیے میں اُس کی جانب کھنچا چلا جاتا ہوں۔

میں ہر وقت اُسے (اپنے محبوب کو) اپنے قریب پاتا ہوں اِسی لیے اُس سے جدائی کا غم میرے دل میں جاگزیں ہے۔

شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی بعض غزلوں (مثلاً غزل: ۲، ۱۰ وغیرہ) میں مترنم رَدیف وقوافی کے اِلتزام سے بھی غنائیت سے بھر پور صوتی آہنگ پیدا کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ اِس ضمن میں حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے قرآنی آیات، الفاظ وتراکیب کا استعمال بھی آزادانہ کیا ہے۔

غرض یہ کہ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی غزلوں کے مجموعے ''چہل اسرار'' کے لسانی وشعری، فنی وفکری اَور جمالیاتی اسرار کے اور بھی کئی پہلو ہیں جن پر گفتگو ہوسکتی ہے پھر بھی مندرجہ بالاسطور میں جن چند نکات سے بحث کی گئی ہے اُن کی روشنی میں شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی شاعری ''خاک پائے رسول عربی'' کی برکتوں سے سرفراز ہے اور ہندوستان آنے والے اُن بزرگان دین کی مسلسل اور اجتماعی سرگرمیوں کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد بلند وبانگ پہاڑوں، لق ودق صحراؤں اور ناپیدا کنار دریاؤں پر مشتمل اِس برِعظیم کو دِینِ مصطفیٰ کے زیرِ سایہ لانا تھا۔

شاعری ذات کے اندرون میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے جذبہ واحساس اور فکر ودانش کے فطری اور بے محابہ اظہار کا نام ہے، تو پھر شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی غزل بھی اس معشوق حقیقی کے وصل کے ذوق وشوق میں سالک کے اِضطراب کسک اور تڑپ کے اظہار سے ہی عبارت ہے۔ لہٰذا صوفیانہ اور دینی وتبلیغی مزاج رکھنے کے باوجود شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی غزلیں تغزل کی فضا سے معمور ہیں اور فارسی اور اُردو غزل کی شعریات کے جو بنیادی تعمیری امتیازات ہمارے عظیم شعرا کی غزلوں میں ملتے ہیں اُن کا سلسلہ کہیں دور سے کہیں قریب سے شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی غزلیہ شعریات سے بھی ملتا ہے، لہٰذا سچ تو یہ ہے کہ چودھویں، پندرھویں صدی میں جب کہ دراوڑی اور آریائی تہذیبوں کے زیرِ اَثر سنسکرت سے لے کر اَپ بھرنشوں تک کی شاعری لذت پرستی کی دلدل میں ڈوب چکی تھیں اور برِعظیم کی جدید زبانوں میں بھی کنگھی چوٹی بلکہ جنسی لذتیت سے بھر پور شاعری کا رواج عام ہو چکا تھا اَیسے میں اگر مسعود سعد سلمان، بابا فرید، شرف الدین یحییٰ منیری، بوعلی شاہ قلندر، بہاؤالدین باجن، قاضی محمود وغیرہ کے ساتھ ساتھ امیر کبیر شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی دینی، تبلیغی اور تعمیری شاعری سامنے نہ آئی ہوتی تو آج ہندوستانی معاشرت اور ثقافت میں اسلامی رنگ وبو کے اتنے اور وَیسے نظارے بھی نہ ہوتے جتنے اور جیسے نظاروں کے درمیان ہم اور آپ جی رہے ہیں۔

●●●

پروفیسر غلام رسول ملک (۱)

چہل اسرار: تعارف وتجزیہ

''چہل اسرار'' ملت اسلامیہ کشمیر کے عظیم محسن حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے بے بہا تحائف میں سے ایک ہے۔ اُن کے دوسرے گراں قدر تحائف مثلاً ''ذخیرۃ الملوک''، ''منہاج العارفین'' اور ''اَورادِ فتحیہ'' کی طرح اُن کا یہ تحفہ بھی اُن کے عرفان اور رُوحانی تجربے کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور قلب ونظر کو زِندگی سے مالا مال کر دیتا ہے۔

حضرت میر سید علی ہمدانی فی الاصل ایک مخلص اور دَرد مند داعی اسلام تھے۔ یہ اُن کی داعیانہ شفقت تھی جس کی بنا پر وہ ہمدان سے ترک وطن کر کے کشمیر تشریف لائے اور یہاں اِسلام کی روشنی عام کی۔ اگر چہ دینِ حق کا تعارف یہاں محدود پیمانے پر اُن کے آنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا، تاہم اُسے یہاں کی اکثریت کا مذہب بنانے میں اُن کا رول سب سے اہم ہے۔ کشمیر میں اِسلام کی اشاعت اور اُس کے اِستحکام کے سلسلے میں اُن کی عظیم خدمات کے باعث اُنھیں یہاں ''بانی مسلمانی'' اور ''شاہ ہمدان'' کے اَلقاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی ہمہ جہت شخصیت کے بے شک اور بھی کئی تابناک پہلو ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب اُن کی داعیانہ حیثیت کے تابع ہیں۔ چناں چہ نظم ونثر میں اُن کی کلک گوہر بار سے جو کچھ صادر ہوا ہے وہ بھی اُن کی داعیانہ شخصیت کا ایک پرتو ہے اَور اُس کی مناسب تفہیم اور تعین قدر کے لیے اِس بات کا ذہن نشین رہنا بہت ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر اُن کی شاعری تبلیغی یا دینی شاعری ہے اور اُسے اُسی حیثیت سے پرکھا جانا چاہیے۔ مذہبی اور دینی شاعری کو ایک طرح سے دو بڑی اقسام پر تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک قسم کی شاعری وہ ہے جس میں دین کے اُصول وعقائد یا اُس کے متعلق مختلف مسائل کو

(۱) سابق صدر، شعبہ انگریزی، کشمیر یونیورسٹی

ایک گونہ شیرین اور سہل الحفظ بنانے کے لیے شعر کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ شاعری ایسی ہی ہے جیسی وہ شاعری عربی گرامر کے خشک مضامین کو دِلچسپ بنانے کی خاطر بہ تکلّف تیار کی گئی ہے، جیسے کہ حروفِ جر کے متعلق یہ شعر:

باؤ و تاؤ و کاف و لام و وَاؤ و منذ مذ خلا
رُبَّ حَاشَا مِنْ عَدَا فِي عَنْ عَلٰى حَتّٰى إلٰى

یا حروفِ جوازم المضارع کے بارے میں یہ شعر:

إنْ وَ لَمْ، لَمَّا وَ لَامِ اَمْر وَ لَاءِ نَہی نیز
پنج حرف جازم فعل اندو ہریک بے دغا

یا پھر زَوائدات کے متعلق یہ شعر:

سَئَلْتُ الْحُروفَ الزَّوَایداتِ عن اسْمِهَا
فَقَالَتْ وَلَمْ يَبْخَلْ اَمَان وَ تَسْهِيْل

اُسی نہج پر ہمارے بہت سے فقہا نے مسائلِ فقہ کو فہم اور یادداشت کے لیے آسان بنانے کے خاطر نظم کی صورت میں ڈھال لیا ہے۔ اسی طرح قرانی مطالب ومفاہیم اور اَحادیث سے ماخوذ مضامین کو نظم کرنے کی بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ اِس قسم کی شاعری سے ادب کا کوئی بھی حسّاس اور درّاک طالب علم جمالیاتی تسکین کی توقع نہیں رکھتا اِس لیے کہ وہ جانتا ہے اُس کے موزون ہونے کا ایک مخصوص مقصد ہے جس سے آگے اُس کی نظر نہیں جاتی جیسا کہ بہ آسانی دیکھا جاسکتا ہے کہ اِس قسم کی شاعری کے وجود میں آنے کے عمل میں لاشعور سے زیادہ شعور کی اور جذبہ واِحساس سے زیادہ تعقل اور کسب ومہارت کی کارفرمائی ہوجاتی ہے۔

دوسری قسم کی مذہبی شاعری وہ ہے جو دینی حقائق کی تعلیم وتدریس کے لیے نہیں لکھی جاتی بلکہ گہرے مذہبی تجربے اور جامع و پُراَسرار صوفیانہ بصیرت کے منبع سے صادر ہوتی ہے۔ اِس قسم کا صوفیانہ تجربہ انسانی وجود کی گہرائیوں میں محسوس ہوتا ہے اور اَپنی شدت اور تاثیر کے اعتبار سے ایک ذاتی واردات کی حیثیت رکھتا ہے اور جو چیز ذاتی واردات بن جاتی ہے وہ اگر شعر کی صورت میں جلوہ گر ہو تو مستند تخلیق سامنے آتی ہے۔ صوفیانہ تجربے کے متعلق مشکل یہ ہے کہ یہ بالعموم ناقابل ترسیل ہوتا ہے اِس لیے کہ یہ سرحد اِدراک سے حددرجہ ماورا ہوتا ہے۔ شاعری اور صوفیانہ تجربے میں اَہم ترین قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں مافوق العقل عنصر شامل ہوتا ہے مگر دَرجہ اور نوع دونوں کے اہم فرق کے ساتھ صوفیانہ تجربہ سراسر ماورائے عقل ہوتا ہے اِس لیے اکثر اُس کی ترسیل ممکن نہیں ہوتی جب کہ شاعرانہ تجربے میں قوت تعقل وتفکر اَور ماورائے عقل عناصر باہم دیگر

ایک نامیاتی وحدت کی صورت میں موجود ہوتے ہیں اِس لیے اُس کی ترسیل نسبتاً آسان ہوتی ہے۔حق یہ ہے کہ شاعری کی نسبت ترسیل کا لفظ اس سیاق وسباق میں غیر موزون ہے اِس لیے کہ شاعر اَلفاظ ہی کی صورت میں تجربے کو اَپنی گرفت میں لاتا ہے اور شاعری جب حقیقی معنوں میں مستند ہوتو یہ الفاظ ناقابل تبدیل ہوتے ہیں۔ایک ایسی شخصیت جو صوفیانہ بصیرت اور شاعرانہ صلاحیت سے بیک وقت بہرہ ور ہو اُس راہ کی مشکلات کا گہرا شعور رَکھتی ہے۔

جیسا کہ حضرت رومی رحمہ اللہ ایک ایسے ہی کٹھن مرحلے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ

اے خدا بنمائے جاں را آں مقام
کاندراں بے حرف می روید کلام

دراَصل، زبان اُن تجربات انسانی کی ترسیل کے لیے وضع ہوئی ہے جو محسوس وموجود اَشیا ومظاہر کے ساتھ انسان کے تعلق سے پیدا ہوتے ہیں۔جن تجربات کا تعلق موجود ومحسوس سے پرے غیبی اُمور کے ساتھ ہو یا جو اِنسانی روح، جو اپنی ماہیت میں غیب ہی کا ایک حصہ ہے کے کوائف سے متعلق ہوں اُن کی مکمل ترسیل سے انسانی زبان قاصر ہے۔صوفیانہ بصیرت کی حامل ایسی شخصیات جو شاعرانہ صلاحیت سے متصف ہوتی ہیں انسانی زبان کو شکست وریخت اور تعمیر نو کے ذریعے اپنے تجربے کا آئینہ دار بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔اِس قسم کی مستند مذہبی شاعری کے نمونے رومی، حکیم سنائی، ابوسعید ابوالخیر، ڈَن، جارج ہربرٹ، ایمیلی ڈکنسن، کرسٹینا روزیٹی، ٹی، ایس، ایلیٹ (چار چوسازیے FOUR QUARTETS والا ایلیٹ) اور اَپنے گھر کے آس پاس عارفہ کے کلام میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ضروری نہیں کہ اس قسم کی شاعری غیر متزلزل ایمان کے بطن سے پیدا ہو، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ شخصیتِ انسانی کی گہرائیوں میں پائے جانے والے ایک ایسے کرب سے برآمد ہوتی ہے جو لاینحل ذاتی گتھیوں، شک کی بے قراری، ہستی کی ناپائیداری کے گہرے اور دکھ بھرے شعور خیر وشر کی قوتوں اور رُجحانات، میں انسان کے اندر اَور باہر کی رزم آرائی کے المناک مشاہدہ اور ایک پُراَسرار کائنات میں تحیر ودر ماندگی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔تخلیقی زاویۂ نگاہ سے یہی مذہبی شاعری سب سے زیادہ پُراَثر اَور جاندار ہوتی ہے۔

شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری مذکورہ بالا دو قسم کی مذہبی شاعروں کے بیچ کی چیز ہے۔یہ نہ تو نری تعلیم وتلقین ہے اور نہ ہی کسی گہرے کرب اور کشمکش کی آئینہ دار ہے۔اس کے برعکس اس کے اندر چند اِذعانات اور معتقدات پر گہرا اِعتماد اَور ذات حق کے تئیں خود سپردگی کا اطمینان جھلکتا نظر آتا ہے۔اِس قسم کے اعتماد واِطمینان سے جو شاعری وجود میں آتی ہے اُس کی اپنی رعنایاں

اور بلندیاں ہوتی ہیں۔ اُس کی عظیم ترین بلندیوں میں وہ مقامات شامل ہیں کہ جہاں بات تو سیدھی سادھی ہوتی ہے مگر شاعری ہوتی ہے۔ سادہ معرّیٰ اور بے لباس حقیقت اپنی ایک مخصوص جاذبیت رکھتی ہے جو کسی صناعی اور مشاطگی کی محتاج نہیں ہوتی۔ ٹیگور کی گیتا نجلی جب

"THOU HAST MADE ME ENDLESS, SUCH IS THE PLEASURE"

کا ساز چھیڑ کر اَپنی روانی اور برجستگی کے ساتھ بہنے لگتی ہے تو سماں بندھ جاتا ہے۔

دانتے کا "IN THY WILL IS OUR PEACE" اسی اطمنان کا اظہار ہے۔ ڈن کا

"THOU HAST MADE ME AND SHALL THY WORK DECAY?"

جارج ہربرٹ کا

" AH MY DEAR GOD! THOUGH I AM CLEAN FORGOT LET ME NOT LOVE THEE, IF I LOVE THEE NOT."

فرانسس ٹامپسن کا

"NOTHING BEGINS AND NOTHING ENDS THAT IS NOT PAID WITH MOAN FOR WE ARE BORN IN OTHER'S PAIN AND PERISH IN OUR OWN."

اور کرسٹینا روزیٹی کا

"THE BIRTHDAY OF MY LIFE IS COME, MY LOVE IS COME TO ME"

اِس قبیل کی شاعری کے نمونے ہیں۔ اِس قسم کی شاعرانہ بلندیاں استناد کا وہی درجہ رکھتی ہیں جو اُوپر مزکور دوسری قسم کی مذہبی شاعری کو حاصل ہے۔ اس قسم کی شاعری کے نمونے اگرچہ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے یہاں بہت کم ہیں لیکن کہیں کہیں ضرور نظر آتے ہیں۔

مثال کے طور پر ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

دید علائی عیاں بر ورق کائنات
جملہ ذرّات کون پیشِ رُخش در سجود

عاشقاں عکس رخت در ہمہ اشیا بینند
سیر سودائے تو در سینہ ہویدا بینند

اگر تو بر سر کولیش دمی گزریابی
کنوز غیب دوعالم بیک نظریابی
چراغ مجلسِ روحانیانِ عالم قدس
ز نور تست گر از نور جاں خبریابی

ندائے ہاتفِ غیبی ز لامکاں ہردم
بہ سمعِ دل شنوی گر اَز خود خبر یابی

تو کوے دوست ہمی جوئی و نمیدانی
کہ گر نظر بہ حقیقت کنی تو آں کوئی

پہلے دو اَشعار کو پڑھتے ہی شیخ سعدی کا یہ عظیم شعر یاد آ تا ہے:

برگِ درختان سبز درنظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور آخری تین شعر رُومی اور اِقبال کی بھی یاد دِلاتے ہیں اور اُس صوفیانہ فلسفے کی بھی کہ جس کی نمائندگی مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کا مشہور مقولہ کرتا ہے۔ تاہم یہاں یہ بات یاد رَکھنے کے قابل ہے کہ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کی شاعری کی اَصل لے خودی کی نہیں بلکہ نیستی اور خودفراموشی کی ہے۔ قطرے کا سمندر کے اندر گم ہونا ہی اِس کا منتہائے مقصود ہے:

چو قطرہ غرق دریا شد بکلّی
ہمہ دریاست آنجا کیف وکم نیست

عشق جاناں آتش و جانِ علائی خس بود
خس چو در آتش فنا شد دیگر آنرا خس مخواں

تن چو زندانت و جانت سد راہ جان جاں
جانِ جاں گر بایدت بابند و با زنداں مساز

●●●

پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی(۱)

رسالۂ خواطریہ: ایک مطالعہ

امام غزالی رحمہ اللہ کے اثرات عالم اسلام کے تمام اہم علما و صوفیا پر اُس زمانے سے مرتب ہونے شروع ہوئے جب سے غزالی کے افکار و اَحوال کی واقفیت دنیا کو ہوئی۔ کشمیر میں اِسلام کے وَرُود کے تھوڑے عرصے بعد اِمام غزالی سے آگہی کا سراغ ملتا ہے۔ شاہِ ہمدان سید علی ہمدانی رحمہ اللہ چوں کہ خود صوفی صافی ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ کے شافعی عالم، فقیہ و متکلم اور داعی اِسلام تھے، اِس لیے اُن کی کتب میں امام غزالی کے ساتھ اِعتنا کا بڑا اِہتمام ملتا ہے۔ آپ کی کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' ایسا لگتا ہے کہ امام غزالی کی فارسی تصنیف ''نصیحۃ الملوک'' کے طرزِ تصنیف کی تقلید کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اگرچہ ''ذخیرۃ الملوک'' بادشاہوں اور حکمرانوں کے سامنے شریعت اسلامیہ کی تطبیق اور اِشاعت کے مکمل نظام کو پیش کرنے کی ایک داعیانہ اور مصلحانہ سعی مشکور کی حامل تصنیف ہے اور اُس میں علم حدیث اور ذخیرۂ احادیث سے آبدار موتی چن چن کر بھی سامنے لائے گئے ہیں۔ جب کہ ''نصیحۃ الملوک'' دراَصل اُن مکاتیب پر مشتمل ہے جو امام غزالی نے سلاطین وقت کے نام وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ اگرچہ بہت سارے خطوط دوسرے لوگوں کے نام بھی لکھے گئے تھے۔ مگر جہاں تک نفس مضمون کا تعلق ہے تو دونوں کتابوں کا مقصد اوّلین حکمرانوں کو شریعت اسلامیہ کو نافذ کرنے پر نہ صرف آمادہ کرنا تھا بلکہ عملاً بھی اِس سلسلے میں تمام مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے مسائل کا حل بھی سامنے لانا تھا۔

حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے بہت سارے علمی اور تصنیفی کارناموں میں اُن کا عربی رسالہ خواطریہ اِس لحاظ سے کافی ممتاز ہے کہ اُس رسالے سے حضرت شاہ ہمدان کی علمی بصیرت،

---

(۱) سینٹرل یونیورسٹی آف کشمیر، کشمیر

فقیہانہ عظمت، متکلمانہ جلالت اور صوفیانہ عزیمت کا واشگاف اظہار ہوتا ہے۔ انسانوں کو کس کس طرح شیطان گمراہ کرتا ہے یا کرسکتا ہے اُس کی تفصیل اِس رسالے میں موجود ہے کہ یہ معلومات مختصر ہونے کے باوجود اپنی مثال آپ ہیں۔ سب سے پہلے موصوف نے قرآن پاک کی اُن آیات کو بیان کیا ہے جن میں شیطان کے مکروفریب کو بیان کیا گیا ہے۔ اُس کے بعد اَحادیث کی ایسی روایات کو بیان کیا گیا ہے جن میں شیطان کے اُن طور طریقوں کو مبرہن کیا گیا ہے کہ جن کے ذریعے سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، مثلاً: اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَیَجْرِیْ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مَجْرَی الدَّمِ اِس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ شیطان ہر انسان کے ساتھ بطور جن کے لگا ہوا ہے۔ مفسرین کرام کا حوالہ دے کر فرمایا گیا ہے کہ شیطان انسانوں، جنوں، چوپایوں اور پرندوں میں بھی موجود ہوتا ہے۔ جنوں کے شیطان کا نام ابلیس ہے اور اُس کے پیروکار، انسانوں میں لعنیم بن محود کا نام لیا ہے۔ اُسی طرح جانوروں اور پرندوں میں بھی شیطان کی موجودگی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

خواطر کی تشریح کرتے ہوئے چار قسم کے خواطر کی وضاحت کی ہے۔ خاطر ربانی، خاطر ملکی، خاطر نفسانی اور خاطر شیطانی۔ پھر شیطانوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ قسم معنوی

۲۔ قسم حسی

ایک دلچسپ بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ معنوی شیطانوں کی کارستانی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شیطان اہل ہوئی کے اُوپر دروازہ کھول دیتا ہے۔ وہ اِس طرح سے کہ اُن کے سامنے کوئی صحیح چیز رکھ دیتا ہے جس کے لیے اُن کے دل میں اُن کو کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا ہے اور اُس کے بعد تلبیسات ابلیسی کا آغاز ہوجاتا ہے اور لوگ چوں کہ اُن تلبیسات شیطان کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اِس لیے وہ گمراہ ہوجاتے ہیں۔ اِس قسم کے معاملات زیادہ تر بقول شاہ ہمدان شیعہ فرقے کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

یہاں بھی شاہ ہمدان رحمہ اللہ امام غزالی کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیطان شر کو خیر کے مواقع کے لیے اِستعمال کرتا ہے، جہاں دونوں میں امتیاز کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور اِس طرح اکثر لوگ ہلاکت کے شکار ہوجاتے ہیں۔ کیوں کہ شیطان اِس بات پر قدرت نہیں رکھتا ہے کہ براہِ راست لوگوں کو شر کی طرف بلائے اِس لیے وہ شر کو خیر کے لبادے میں پیش کرتا ہے، مثلاً: شیطان، عالم سے کہتا ہے کہ بطور وَعظ ونصیحت کے کیا تو نہیں دیکھتا لوگوں کو کہ وہ مُردہ ہیں۔ جہالت کی وجہ سے اور غفلت سے ہلاک ہوگئے ہیں۔ اللہ نے آپ کو شرف بخشا ہے تاکہ آپ اُن کو تباہی سے نجات دلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلب بصیر اور زَبانِ شریں سے نوازا

ہے اور آپ کا لہجہ مقبول ہے اِس لیے آپ کیسے خدا کی نعمت کا کفران کر سکتے ہیں اور اُس کے غضب کو دعوت دے سکتے ہیں اور اِشاعت علم کے فریضے سے کیسے دور رَہ سکتے ہیں اور دعوت حق سے صراط مستقیم کی طرف لوگوں کو بلانے سے کیسے غافل رہ سکتے ہیں۔ اِس کے بعد شیطان لطیف حیلوں کے ذریعے سے اُس کو وعظ ونصیحت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اُس کے بعد اُس کو تیار کرتا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے آنے کے وقت زیب وزِینت اور تصنع سے بھی کام لے۔ تاکہ اُس کا وعظ خوب صورت بنے، اس سے کہہ دیتا ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو اُس کے کلام کی وقعت جاتی رہے گی۔ لوگوں کے سامنے وہ ہرگز حق کی طرف ہدایت حاصل نہیں کریں گے اور وہ اِس حد تک اُس معاملے کو تائید کے ساتھ اُس کے سامنے پیش کرتا ہے کہ ریاکاری کے امکانات اُس عمل میں شامل ہوجاتے ہیں اور قبول خلق کے داعیات اُس کی توجہ کے باعث بن جاتے ہیں۔ وہ جاہ پسند بن جاتا ہے اور وہ اِس طرح نصیحت کرتے کرتے خود ہلاکت کا شکار ہوجاتا ہے۔ جب وہ بولتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ اُس کا مقصد خیر کا حصول ہے جب کہ حقیقتاً اُس کا مقصد حب جاہ اور قبولیت کا حصول ہوتا ہے اور اِسی سبب سے وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔ حالاں کہ اَب بھی اُس کا گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اُس کا ایک خاص مقام ہے۔ ایسا آدمی ان لوگوں کے زُمرے میں شامل ہے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کی تائید ایک فاجر سے بھی کروالے گا۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی اِس طویل عبارت کو نقل کرنے کے بعد سید علی ہمدانی، شیخ نجم الدین کبریٰ کے اَقوال کو نقل فرماتے ہیں، مثلاً: شیطان کے وسوسوں اور خواطر میں وہ اقسام بھی شامل ہیں جو وہ عبادات اور خیرات اور حب کرامات کے سلسلے میں روا رَکھتا ہے اور اَخلاص کے بغیر اُن تمام معاملات میں شیطان کا اَثر قائم رہتا ہے، اور جب اُن میں انسان کو اَخلاص حاصل ہوجاتا ہے، تو شیطان انسان سے الگ ہوجاتا ہے۔ شیطان وسوسوں کے سلسلے میں نفس انسانی کی موافقت کرتا ہے، اگر وہ خبیث نوعیت کے ہوں، یعنی وہ انسان کے اندر وَسوسہ ڈال دیتا ہے اور قبیح کو حسین بنا کے سامنے لاتا ہے۔ شیطان کے خواطر دُوفنون ہوسکتے ہیں۔ جب کہ نفس کا خاطر دوفن ہوتا ہے۔ کیوں کہ انسانی نفس چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے۔ شیطان اُس سے وعدہ کرتا ہے اور وہ اُس کو صحیح سمجھتا ہے، جب کہ شیطانی حیل ومکر بالغ انسان کی طرح ہوتا ہے اور وَہ انسان کے پاس تمام راستوں سے آجاتا ہے۔ صرف باب الاخلاص سے نہیں آسکتا ہے۔ نجم الدین کبریٰ کو نقل کرنے کے بعد شاہ ہمدان رحمہ اللہ دوبارہ امام غزالی کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ شیطان کس طرح مختلف لوگوں کے پاس آتے ہیں اور اُن میں صرف وہ لوگ اُن کے شروں سے محفوظ رہتے

ہیں جو توبہ استغفار کرتے ہیں مگر اُس کے بعد وہ دوبارہ اُن کے پاس آ جاتے ہیں اور اُن کو گمراہ کرنے سے مایوس نہیں ہوتے ہیں، جب کہ دوسرا طبقہ لوگوں کا ایسا ہوتا ہے وہ شیطان کے ہاتھوں کھلونوں کی طرح ہوتے ہیں جن سے وہ کھیلتے رہتے ہیں، جب کہ تیسرا طبقہ معصوم لوگوں کا ہوتا ہے جن پر شیطان کو دَسترس نہیں ہوتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کے اقوال زرّیں کو پیش کرنے کے بعد شاہ صاحب دُوبارہ نجم الدین کبریٰ کے اَقوال شافی کو پیش کرتے ہیں، جن کے مطابق شیطان ہر آدمی کو اُس طریقے سے گمراہ کرتا ہے جو آدمی کے مناسب حال ہوں۔ جب کہ عالم اور زُہّاد کو دوسرے طریقوں سے مثلاً: جب ایک عالم اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اُس کے پاس شیطان آ جاتا ہے اور اُس سے کہتا ہے کہ آپ کو تمام علوم کا پہلے پہل حصول کرنا چاہیے اور اِس طرح اُس کو علوم کی تحصیل میں مشغول کر لیتا ہے اور اُس بہانے کہ تو اُس طرح اِس حدیث پر عمل کر پائے گا۔ اَلْفَقِيْهُ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ اور اُس پر قرآن کی یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ، يَارَبِّ زِدْنِي عِلْمًا اور اُس حالت میں انسانی نفس شیطان کی بات کی تائید کرتا ہے اور اُس سے کہتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں عمل کرنا چاہیے۔ علم کے حصول کے بعد اِس بیچ میں موت اچانک آ جاتی ہے۔

اِن تمام تفصیلات کے بعد حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ ایک اہم نکتے کی وضاحت فرماتے ہیں کہ مرشد اور شیخ کامل کی صحبت سے شیطان کے وساوس کا کیسے علاج ہوسکتا ہے۔ شروع میں دل مریض ہوتا ہے اِس لیے اُس کو شیخ و مرشد دُرست کر دیتا ہے اور وہ صحت مند ہو جاتا ہے اور قلب سلیم بن جاتا ہے۔ شروع شروع میں وہ عبادت کی حلاوت کا مزہ چکھتا ہے مگر جب قلب اَصح بن جاتا ہے اور اُس کا ذوق سلیم بن جاتا ہے، تو وہ عبادت کی حلاوت پانا شروع کر لیتا ہے اور معصیت سے اُس کو کراہت ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ کیفیت صرف خواص کی عبادت ساتھ کے ہو جاتی ہے، تو ہم جواب دیں گے کہ نہیں۔ البتہ! اِس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اِس کیفیت کو کلفت (مشقت) کے خوف سے تعبیر کیا جائے، تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بلا مشقت اور بلا کلفت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، بلکہ وہ عبادات میں لذت اور سرور محسوس کرنے لگتے ہیں۔ کیوں کہ صلوٰۃ تو مناجات ہے مگر جب عابد شیطان کے موافق ہو اَور رَحمٰن کے مخالف ہو تو وہ مناجات کی لذت سے محروم رہ جاتا ہے، بلکہ اُس کے لیے وہ کافی مشقت طلب عمل بن جاتا ہے۔ کیوں کہ منافق کی مناجات اُس کے جسم و جان کے لیے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ خواطر کی پہچان نجم الدین کبریٰ نے یہ بتائی ہے کہ کسی معاملے پر آدمی کو ثبات حاصل نہ ہو۔ خاص طور سے اطاعت کے معاملات میں اور

آدمی اپنے دل کو کسی ایک معاملے پر مضبوط نہ کر پاتا ہو۔ چوں کہ شیطان حریص ہے اور آگ کی لپٹ سے پیدا شدہ اور آگ کی لپٹ سریع الزوال ہوتی ہے اِس لیے ابلیس کی اصل عَدَمُ الْبقَاءِ عَلٰی حَالَةٍ وَاحِدَةٍ کا منظر ہے مگر اِنسان کو ثبات حاصل ہے، کیوں کہ وہ مٹی سے ہے اِس لیے وہ گرم و سرد دُونوں احوال کا حامل ہے چناں چہ وہ اپنی تخلیق (پیدائشی حالت) پر ثابت قدم رہتا ہے۔

نوٹ: یہ مضمون اَوّلاً فاضل مصنف کی کتاب ''کشمیر میں اسلام'' میں شائع ہوا اور اُسے مصنف کی اجازت سے اِس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے۔ (مرتب)

●●●

ڈاکٹر محمد تنویر حیات

مکتوباتِ شاہِ ہمدانؒ کے کچھ نمایاں پہلو

علم ایک ایسا وقیع حوالہ ہے جو کسی بھی قوم کی ہمہ پہلو ترقی اور عروج کا ضامن ہے۔ یہ تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جن قوموں نے اپنے درمیان علم کو رواج دیا، وہی تہذیب وتمدن سے آشنا ہوئیں اور اَقوام عالم کے درمیان سربلند ہوئیں۔علم نے ہی اُنھیں ترقی کی راہوں پر گامزن کیا، اسی کے سبب فلاحی معاشرہ کی تشکیل ہوئی اور قوموں نے زندگی گزارنے کے ڈھنگ سیکھے۔ جن قوموں نے علم سے اپنا رابطہ کمزور اَور علما کی ناقدری کی، کامیابیوں نے اُن سے منھ موڑ لیا اور ترقی و کامرانی زوال میں بدل گئی۔ علم کی ترویج اور اُس کے ذریعے قوموں کی سربلندی میں علما کا کردار ہمیشہ اہم اور کلیدی حیثیت کا حامل رہا۔ یہ ذمہ داری جتنی گراں قدر تھی اُسی نسبت سے علما نے اُس کا حق ادا کیا اَور اُسے بہر صورت نبھایا۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کا ماحصل علمی حقائق کی صورت میں اپنی قوم کو نہ صرف منتقل کیا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی محفوظ کیا۔ راہِ علم کی ہزار دقتوں کے باوجود علما کی اَن تھک اور مخلصانہ مساعی کے نتیجے میں قلم وقرطاس کے ملاپ سے علم واَدب کے ایسے عظیم اور نادِر شہ پارے وجود میں آئے جنھوں نے کل اُمتوں کو رفعتوں سے ہمکنار کیا، یہ شہ پارے آج بھی نہ صرف ماضی کی عظمتوں کے شاہد ہیں بلکہ روشن حال اور تابناک مستقبل کے پیامبر بھی ہیں۔

ماضی کے افراد اور اَقوام کے لیے تجربہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے سیکھ کر وَہ اپنے مستقبل کی تعمیر کرتے ہیں۔ وہ قومیں جن کا تعلق اپنے ماضی سے اُستوار نہ رہے، نہ اُن کا حال قابل فخر ہوتا ہے اور نہ مستقبل باعث اطمینان۔ کوئی زبان، علم یا معاشرہ اپنی اِرتقا کی کس منزل میں ہے، اُس کی عکاسی اور نشاندہی اُس کی کتابوں اور علمی وتحقیقی کام سے ہوتی ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ

ہوتی ہیں اور اِنسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور اُن کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں درحقیقت وہ صحیفے ہیں جن میں علوم وفنون اور اُن کے مختلف شعبوں کی اِرتقا کی داستانیں رقم ہیں۔ معاشرہ، مستقبل میں ترقی وکمال کی کن بلندیوں سے آشنا ہوگا اُس کی بشارت بھی کتابوں کے اَوراق ہی میں ملتی ہے۔ ہمارے اسلاف کے علمی سرمائے کا ایک بہت بڑا حصہ اَبھی تک مخطوطات کی شکل میں دنیا کی مختلف لائبریوں میں موجود ہے، جن پر آہستہ آہستہ کام ہورہا ہے۔

مخطوطات انسان کے تہذیبی کارناموں کا عظیم قیمتی ورثہ ہیں۔ یہ انسان کی سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی، فکری، جذباتی اور نفسیاتی حالات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ یہ ماحول اور فضا کو پیش کرتے ہیں جن میں وہ تخلیق ہوئے۔ یہ انسانی معاشرہ کی روایات اور اَقدار کے اَمین ہوتے ہیں جس سے آئندہ نسلیں رہنمائی حاصل کرتی ہیں۔ یہ ماضی کے یادگار وَاقعات وحالات کا ریکارڈ ہوتے ہیں جس کے مطالعے سے انسان میں مستقبل سے نمٹنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ ماضی کی سائنسی، تکنیکی ایجادات کی پیش رفت کا دستاویزی ثبوت ہوتے ہیں اور اُن کی بنیاد پر ترقی کی اگلی منزلوں کی طرف گامزن ہونا آسان ہوجاتا ہے۔ یہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی لغزشوں، فروگزاشتوں اور خطاؤں کے عکاس ہوتے ہیں جن سے آئندہ نسلوں کے افراد اَور اُبھرنے والی اقوام درسِ عبرت حاصل کرتی ہیں اور زِندگی میں کامیابی کے لیے رہنما اُصول مرتب کرتی ہیں۔

اُمت اسلامیہ جب سیاسی اَبتری اور اَندرونی عدم استحکام کا شکار ہوئی تو علمی ترقی کو بھی زوال آیا اور علم کے مراکز بے آباد، علما بے بس، اور کتب خانے بیرونی حملہ آوروں کا نشانہ بنے۔ مخطوطات کے نادرِ رُوزگار سرمائے کو بڑی طرح سے برباد کیا گیا، مثلاً:

۱۔ عباسی عہد میں تاتاریوں کے بغداد پر حملے کے دوران ''بیت الحکمہ'' کا سارا علمی ذخیرہ دریائے دجلہ میں بہادینا کہ اُس کی سیاہی سے کئی روز تک دجلہ کا پانی سیاہ رہا۔

۲۔ اُندلس میں طوائف الملوکی سے فائدہ اُٹھا کر عیسائیوں نے طیش میں آکر کتابوں کے اَنبار لگا کر اُنھیں جلا کر خاکستر کردیا۔

۳۔ صلیبی لشکر نے شام میں ''مکتبہ بنی عمار'' میں موجود ہزاروں مخطوطات کو تباہ کرڈالا۔

۴۔ ۴۶۱ھ میں مصر کے قحط کے دوران لوگوں نے محل پر دھاوا بول کر ہزاروں کتابیں پھاڑ ڈالیں اور اُن کی چرمی جلدوں سے جوتے بنالیے۔

حیران کن اَمر یہ ہے کہ اتنے عظیم نقصانات کے باوجود ترقی علم کا کارواں رُکا نہیں بلکہ علما نے بھرپور محنت کرکے یہ سلسلہ بحال رکھا۔ ہماری وادی کشمیر میں بھی اگرچہ وقتاً فوقتاً ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں بہت سارے کتب خانے اور لائبریریاں جل کر رَاکھ ہوئے، اِس کے باوجود

بھی کشمیر میں ہزاروں کی تعداد میں مختلف قلمی نسخے موجود ہیں جن میں میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کے نسخے بھی شامل ہیں۔ کشمیر کی علم و ادب کا گہوارہ ہونے کا ثبوت اِس بات سے ملتا ہے کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر اپنی متعدد مہموں کے دوران جب کشمیر پر نا کام حملہ کر دیا، تو اَلبیرونی بہت مایوس ہوگئے۔ اَلبیرونی کشمیر کی مہم کے دوران محمود کے ہمراہ تھے۔ کشمیر کی مہم میں ناکامی پر اُنھوں نے لکھا: ''اگر محمود کی کشمیر کی مہم کامیاب ہوگئی ہوتی، تو ہم علم کے خزانے تک رسائی حاصل کر لیتے۔''(۱) اَلبیرونی خود ایک عالم تھا۔ چناں چہ اُن کو محمود کی کشمیر کی مہم میں ناکامی سے اِس وجہ سے مایوسی ہوئی کیوں کہ وہ کشمیر کے عالموں سے تعلق پیدا کرنے کا موقع کھو چکے تھے۔ ہماری علمی و مذہبی وراثت کے جو قیمتی سرمائے ہیں، اُن میں تفسیر قرآن، حدیث، فقہی کتب، منطق، فلسفہ، اسلامی تاریخ، ملفوظات اور مکتوبات وغیرہ کے مجموعے شمار ہوتے ہیں۔ یہاں پر میں موضوع کی مناسبت سے صرف ''مکتوبات اَمیریہ'' کے حوالے سے چند گزارشات پیش کر رہا ہوں:

مکتوبات کو زَمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اہمیت اور مقبولیت حاصل ہے۔ اُنھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اُنھیں اصلاح حال کے لیے نفع بخش مانا جاتا ہے۔ حضرت امیرِ کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے نقوش اِسلامی معاشرے میں بہت گہرے ہیں۔ خصوصاً اِسلامی کشمیر کی فکری اور رُوحانی زندگی کو بامعنی بنانے میں اُنھوں نے زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ حضرت امیر اپنی زندگی میں ہی شہرت پا چکے تھے اور اپنی عظمت کا سکہ بھی جما چکے تھے۔ آگے چل کر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اُن کی شہرت میں اضافہ ہوتا گیا اور لوگوں کے دلوں پر اُن کی عظمت کے اَثرات اور زیادہ گہرے ہوتے چلے گئے۔ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ ایک منفرد شخصیت ہیں اور اُن کا طرزِ نگارش بھی اُنہی کی طرح منفرد ہے۔ صِدق و صفا میں گُندھے الفاظ کا انتخاب ایسا ہے کہ ہر لفظ میں حق جلوہ گر ہے۔ جملوں کی ساخت ایسی ہے کہ ہر جُملہ معانی کے سمندر دل کی گہرائیوں میں اُتار دیتا ہے۔ ہر پیرائے میں خیال ایسا ہے کہ کئی کُتب پر حاوی ہے۔ ہر رسالہ کا نفسِ مضمون ایسا اچھوتا اور نرالا ہے کہ قرآن و احادیث کا ہالہ کیے مضمون آفرینی کا حق ادا کر دیا ہے۔ زبان میں مٹھاس اور چاشنی ایسی ہے کہ ادائیگی الفاظ سے دلِ غفلت کو بیداری عطا ہوتی ہے۔ پروفیسر سیدہ اَشرف ظفر کے مطابق: ''میر سید علی ہمدانی کی بیشتر کتابوں کے موضوع سیاست مدنی، فلسفہ، کلام، تصوف و عرفان اور شریعت اِسلام ہیں۔ آپ کی تحریر مؤثر اَور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ آپ اپنی بات کو عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔...(۲)

میر سید علی ہمدانی نے مُتعدد کتابیں لکھیں۔ اُن کی کئی کتابیں مغلیہ دور میں شاملِ نصاب

رہیں۔اُن کتابوں کے قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں اور لائبریوں میں موجود ہیں۔

میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ اپنے مریدوں اور حاکمانِ وقت کے ساتھ اکثر خط و کتابت کیا کرتے تھے۔آپ کے اُن خطوط کو بعد میں یکجا کرکے ''مکتوباتِ امیریہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے یہ مکتوبات سادہ اور فصیح فارسی میں لکھے گئے ہیں۔پروفیسر سیدہ اشرف ظفر نے بائیس مکتوبات کا ذکر کیا ہے۔(۳) پروفیسر عبدالقیوم رفیقی نے اُن مکتوبات کو تصحیح متن اور انگریزی ترجمے کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔(۴)

میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے مکتوبات ''مکتوباتِ امیریہ'' کے نام سے پوری دنیا میں بہت مشہور ہیں۔اسلام کے داعی ہونے کے حوالے سے سلاطین، اُمرا اور سالکوں کو خطوط سے نوازتے رہتے تھے۔حضرت امیر کے یہ مکتوبات محض رسمی خطوط نہیں ہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں دین اسلام کی فارسی زبان میں ترجمانی ہے۔معانی و مطالب کی گہرائی کے اعتبار سے یہ مکتوبات فارسی زبان واَدب کا قابل قدر سرمایہ ہیں......(۵)

سالکینِ راہِ حق کے لیے یہ مکتوبات اکسیر ہدایت ہیں۔روحانی نقطۂ نظر سے اِن مکتوبات کی زبردست اہمیت ہے۔راہِ سلوک کا شاید ہی کوئی سالک ہوگا جس نے اُن مکتوبات سے بھرپور فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔مؤرخوں، عالموں، دانشوروں اور قلم کاروں کے لیے یہ مکتوبات تاریخی، سیاسی، سماجی، معاشی اور سماجی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن راہِ سلوک کے طالبوں کے لیے یہ زندگی گزارنے کے بہترین رہنما اُصول ہیں۔میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے یہ مکتوبات معاصر حکمرانوں، امرا اَور راہِ حق کے متلاشیوں کے نام تحریر کیے ہیں۔صاف ظاہر ہے کہ حضرت امیر صرف عام لوگوں کی رہنمائی میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں بلکہ حکمران طبقہ، وزرا اَور اُمرا کو بھی اِس دائرۂ تزکیہ نفس میں شامل کرتے ہیں، مثلاً سلطان قطب الدین کشمیری کو ایک مکتوب میں نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تمھیں نصیحت کی جاتی ہے کہ دنیا کی دولت میں پڑ کر ہمیشہ رہنے والی نعمت سے غافل نہ ہوجاؤ۔دنیا کی نعمت ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جانے والی اَور خواب کی طرح ناپائدار ہے۔ اُسے عقل مند نہیں کہا جاسکتا جو نیند پر فریفتہ ہو، غافلوں کے اَنجام سے عبرت حاصل نہ کرے اور یقین جانو کہ جو دوسرے کے حالات سے عبرت نہیں پکڑتا وہ خود دُوسروں کے لیے باعث عبرت بن جاتا ہے۔''(۶)

ایک دوسرے مکتوب میں سلطان طغان شاہ کو اُس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''اگر تیری سلطنت میں ایک آدمی بھی بھوکا ننگا یا ستم رسیدہ ہوا اَور تو اُس کے حال سے بےخبر رَہا اور اُس کی بہبود کا چارہ گر نہ ہوا تو اَہل تقوی کے مراتب سے تجھے کوئی حصہ نہیں

ملے گا۔‘‘(۷)

’’مکتوباتِ امیریہ‘‘ میں تصوف بھی ہے اور اَدب بھی۔ شریعت بھی ہے اور طریقت بھی۔ تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی۔ مکتوبات کا ایک ایک لفظ دل کی آنکھوں سے پڑھیے تو ایک نیا جہان دریافت ہوگا۔ محبت شرطِ ایمان ہے کون نہیں جانتا لیکن حضرت اَمیر نے اُس محبت کو سمجھانے کا وہ انداز اختیار کیا ہے کہ دل کے گلاب کھِل جاتے ہیں۔

ایک مکتوب میں نورالدین کو تلقین کی ہے کہ اُسے اَمراض و آلام میں صبر سے کام لینا چاہیے۔ آپ نے بعض اَمراض کے لیے دعا بھی تشخیص کی ہے۔(۸)

میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ نے مکتوبات میں موصول ہوئے کچھ سوالوں کے جوابات بھی دیے ہیں، مثلاً ایک مکتوب میں نورالدین کو خواب کی تعبیر بھی بتائی ہے اور سوال کا جواب بھی عنایت فرمایا ہے۔ نعمتوں پر شکر اَور مصیبتوں پر صبر کی تلقین کرتے ہوئے میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ ایک حاکم نورالدین بدخشی کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

’’جب بندہ نعمتوں میں شاکر اَور مصیبتوں میں صابر ہوجاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ ایمان اور توحید رکھتا ہے۔ نہیں تو دعویٰ بغیر سند کے قابل سماعت نہیں۔‘‘(۹)

میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ تصوف اور سلوک کے مختلف راستوں کے بارے میں اپنے ایک مکتوب میں یوں وضاحت کرتے ہیں:

’’حضرت صمدیت تک پہنچنے کے لیے راستے اتنے ہیں جتنے کہ دنیا میں لوگوں کی تعداد۔ ہر شخص اپنے مقدور کے مطابق اور اَپنے مناسب حال حضرت صمدیت کا تقرب حاصل کرسکتا ہے۔ اَلبتہ! حکام اور بادشاہوں کے لیے تقربِ اِلٰہی کے یہ راستے عدل واِنصاف کرنے سے کھلتے ہیں۔ قیامت کے رُوز حکمرانوں سے پہلا سوال لوگوں کے تئیں اُن کے عدل وانصاف اور اِحسان کے بارے میں ہوگا۔‘‘(۱۰)

’’مکتوباتِ امیریہ‘‘ سے جو دَرس ہمیں ملتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دل کی عمارت کو ذکرِ حق سے ہمیشہ تر رکھنا۔
۲۔ اپنا وقت ہر طرح کی عبادات میں صرف کرنا۔
۳۔ خلافِ شرع اُمور سے بچنا۔
۴۔ فرمانِ الٰہی کی تعظیم کرنا۔
۵۔ اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا۔
۶۔ اقوال میں سچا رہنا۔

۷۔ خلق کو نصیحت کرنا۔

۸۔ دوست سے نیکی کرنا۔

۹۔ اپنوں سے اچھا سلوک کرنا۔

۱۰۔ زیر دستوں سے رحمت کے ساتھ، یتیموں سے شفقت کے ساتھ، مسکینوں سے مُودت کے ساتھ اور درویشوں سے مُروّت کے ساتھ پیش آنا۔

یہی چیزیں دین کی بنیادی تعلیمات ہیں۔(۱۱)

جب بھی مسلمانوں پر کوئی نازک وقت آن پڑا تو تصوف ہی نے اُمت کی دستگیری کی ہے، اور گرتوں کو سنبھالا ہے۔ جو مخالفین اسلام اِس رَمز سے آگاہ ہیں وہ طرح طرح سے صوفیانہ خیالات کی بیخ کنی کے درپے رہے ہیں۔ بظاہر کوئی تنظیم نہیں ہے بلکہ یہ راز دروں پردہ ہے۔ آج کل برصغیر ہند و پاک میں اسلاف کے خلاف جو یورش بپا ہے ممکن ہے اُس کے پس پشت بھی یہی جذبہ کارفرما ہو۔ مستقبل کا مؤرخ ضرور بتائے گا کہ راز دروں پردہ کیا تھا۔ کچھ عرصہ قبل میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے مکتوبات کے خلاف بھی ایسی ہی ایک سازش رچائی گئی ہے جس میں یہ تأثر دینے کی ناکام کوشش کی گئی کہ یہ مکتوبات جو میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے ہیں اَصل میں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری (رحمہ اللہ) کے ہیں۔(۱۲)

اِس مفروضے کی بنیاد اِس بات پر رکھی گئی کہ ''مکتوبات امیریہ'' میں شامل چند اَشعار اَور عبارات مکتوبات دوصدی سے ملتی جلتی ہیں۔ حالاں کہ دو تین اشعار اَور اَلفاظ کی مماثلت سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ یہ مکتوبات دوصدی شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے مکتوبات ہیں۔

قلمی کتب اور مکتوبات وغیرہ سے اِستفادہ کرنے میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اِس حوالے سے میں یہاں چند باتیں عرض کیے دیتا ہوں:

قلمی کتب سے اور اُن کے ایسے نسخوں سے جو صحت و مقابلہ کے ساتھ شائع نہیں ہوئے ہیں، اخذِ اقتباس میں کامل شعور اَور پوری احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ مصنف کے اُسلوب اور اُس کے رجحان سے کامل آگاہی درکار ہوتی ہے تا کہ ہر وہ عبارت جو مصنف کے رجحان اور اُس کے اسلوب کے مطابق نہ ہو، ذوق سلیم کی گرفت میں آجائے اور اِلحاق وتحریف نظر سے اُوجھل نہ رہے۔ یہ وصف پیدا ہوتا ہے کہ ذوقِ سلیم، کثرت مطالعہ اور مصنف کے اُسلوب کی آگاہی سے۔ اِس کام کے لیے ذہن رَسا اور نظر دُور بین بھی درکار ہوتی ہے، قلمی کتابوں کو اُن کی قدامت کے اعتبار سے بلکہ گوناگوں اَوصاف کی بنا پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور وہ فی الواقع لائق قدر بھی ہوتی ہے۔ لیکن صحت کے اعتبار سے اُن میں وہ خوبی نہیں ہوتی جو مطبوعات کا وصف ہے۔

اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ صحت کا جو اہتمام مطبوعہ کتب کے لیے ہوتا ہے وہ قلمی کتب کے لیے ناممکن نہیں تو دُشوار ضرور ہے۔ یہی سبب ہے کہ قلمی کتابیں جو متعدد نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد شائع کی جاتی ہیں اُن میں حواشی ہوتے ہیں، جو اِختلافِ نسخ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ بعض جملے جو لکھنے سے کسی نسخے میں رہ جاتے ہیں اور عبارت بے ربط ہوجاتی ہے، اُن کا پتا چل جاتا ہے اور خامی رفع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اِلحاقی عبارتوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ قلمی کتابوں کے مختلف نسخوں میں جو اِختلاف پائے جاتے ہیں، اُن کے اَسباب مختلف ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ کوئی لفظ یا جملہ کتاب سے نقل کرنے میں رہ گیا۔ جب کسی نے پڑھا تو منقول عنہ موجود نہ ہونے کی صورت میں خود ہی کوئی مناسب لفظ یا جملہ لکھ دیا، یا یوں ہی رہنے دیا۔ بہرحال جو بھی تھا نقل در نقل ہوتا رہا مگر اَصل سے مختلف ہوگیا۔

۲۔ اِمتدادِ زمانہ کے ہاتھوں کچھ عبارت مٹ گئی اور پڑھنے کے قابل نہ رہیں۔ ایسی صورت میں یا تو کسی نے اپنی صواب دید سے اُس خلا کو پُر کردیا، یا وہ یوں ہی نقل در نقل ہوتا رہا۔ جس سے مفہومِ اَصلی تک رسائی مشکل ہوگئی۔ نایابی کی صورت میں اُسی کو غنیمت سمجھ لیا گیا مگر بات کچھ سے کچھ ہوگئی۔ ایسے تغیر وتبدل سے اِختلافِ نسخ لاحق ہوتا ہے، جو صحت ومقابلے سے بہت کچھ رفع ہوسکتا ہے۔

۳۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اَوراق اِس قدر اَز کار رَفتہ اور کرم خوردہ ہوجاتے ہیں کہ اُنھیں شامل رکھنا مزید ضرر کا باعث ہوتا ہے۔ لامحالہ اُنھیں نکالنا اور نظر اَنداز کرنا پڑتا ہے۔ اگر کتاب نایاب یا کمیاب ہے تو اُسی ناقص الحال نسخے پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ جو کچھ محفوظ ہوسکتا ہے محفوظ کرلیا جاتا ہے، میرے پاس بھی قلمی کتابوں کے کچھ اَوراق ہیں جو میں نے محفوظ کرلیے ہیں۔

یہ اور اِس قسم کے متعدد اَسباب ہوتے ہیں جن سے ناقص نسخے رواج پانے لگتے ہیں، جو تبرکاً نقل در نقل ہوتے رہتے ہیں اور اَصل سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ مگر اُن پر بھی جعلی ہونے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی نے امام عبد الرحمٰن محمد سلمی نیشاپوری کی مشہور کتاب ''طبقات الصوفیہ'' کے متعلق لکھا ہے:

'تصحیف وتحریف نویسندگان بجائے رسیدہ کہ در بسیاری اَز مواضع فہم مقصود بسہولت دست نمی دارد۔'' (۱۳)

''تاریخ فرشتہ'' نہایت متداول ہے وہ بھی اُس نقص وعیب سے مبرا نہیں۔ اُسی طرح ''تاریخ حسن'' وغیرہ بھی اِس نقص سے پاک نہیں کہ یہ ایک عام وبا ہے۔ اِس بنا پر کس کس کتاب کو جعلی بتایا جاسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تاریخی غلط اِندراجات سے اُن نسخوں کے اعتماد کو نقصان پہنچتا

ہے، مخالف نقطۂ نظر رکھنے والوں کو تقویت ملتی ہے۔ مگر اِس کا مطلب قطعی طور پر یہ نہیں کہ ہم اَصل کا اِنکار کر بیٹھے۔ محض تخریبی نقطۂ نظر سے لکھنا تنقید نہیں تنقیص ہے۔ جانب داری سے حق تنقید اَدا نہیں ہوتا۔ کتبِ اِسلاف سے متعلق جو تنقیدیں بروئے کار آئی ہیں اُن میں اُصول نقد و تنقید کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تنقید نگاروں سے لغزشیں بھی ہوئی ہیں تاہم اُس سے اِستفادہ کرنا چاہیے کہ اُن ہی کی بدولت اصلاح حال کا رجحان بروئے کار آیا ہے۔

وقت کا تقاضا یہ ہے کہ بزرگانِ دین کے سب ہی عقیدت مند اِس ضرورت کو محسوس کریں اور مل بیٹھ کر غور کریں کہ اِسلاف کے کارناموں کے خلاف کیوں محاذ قائم کیے جا رہے ہیں۔ غور وفکر سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے اور تدارک کے لیے لائحہ عمل تجویز کر لیا جائے اور پھر اُس پر عمل کیا جائے تو اِس قسم کی اِختراعات سے اَحسن طریقے سے نپٹا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: اَلبیرونی، تحقیق الہند

۲۔ سیدہ اَشرف ظفر، سید میر علی ہمدانی، ص: ۲۱۷، شیخ عثمان اینڈ سنز، سری نگر، ۲۰۰۷ء

۳۔ ایضاً، ص: ۲۴۱

۴۔ Letters of Mir Saiyid Ali Hamadani, English Translation by Prof. AQ Rafiqi: Gulshan Books Srinagar:2007

۵۔ نذیر نقشبندی، مُربی کشمیر شاہ ہمدان، ص: ۱۰۹، شرف بک سنٹر، سری نگر، کشمیر، ۲۰۱۶ء

۶۔ مکتوبات، پروفیسر رفیقی، ص: ۹۷

۷۔ ایضاً، ص: ۵۵

۸۔ ایضاً، ص: ۶۵

۹۔ ایضاً، ص: ۶۵

۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۲

۱۱۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: مکتوبات امیریہ، انگریزی ترجمہ اَز پروفیسر عبدالقیوم رفیقی۔

۱۲۔ مکتوبات دوصدی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے دو سو مکتوبات کا ایک خوب صورت مجموعہ ہے۔ اُس کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے۔ راہِ حق کے سالکوں کے لیے یہ مکتوبات روشنی کا کام دیتے ہیں۔ مزید تفصیلات جاننے کے لیے دیکھئے: مکتوبات دوصدی۔

۱۳۔ مولانا جامی، نفحات الانس، ص: ۳، تہران

●●●

ڈاکٹر (مفتی) ابراہیم مصباحی (۱)

ذخیرۃ الملوک: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

سرزمینِ کشمیر جہاں حسین وادیوں، مہکتے پھولوں، دلکش آبشاروں جھر جھر کرتے جھرنوں بل کھاتی ندیوں، برف سے ڈھکے کہساروں، رنگ برنگے پھلوں پھولوں سے لدے باغات اور دیگر قدرتی مناظر کا ایک اَنوکھا گہوارہ ہے وہیں رُوحانی دنیا کی نظاروں کا بھی دلکش نمونہ ہے۔ اُس کے جلو میں بے شمار بزرگان دین اور اَساطینِ اُمت آرام فرما ہیں جن کی بدولت اِس سرزمین کے حسنِ ظاہری کے ساتھ ساتھ حسنِ باطنی میں بھی چار چاند لگ گئے ہیں۔ بزرگانِ دین اور اَولیائے کرام کی ایک غیر معمولی تعداد کی اُس سرزمین سے وابستگی نے (خواہ وہ ہستیاں یہیں کی پروردہ ہوں ہو، یا کسی دوسری جگہ سے ہجرت کر کے یہاں جلوہ بار ہوئی ہوں) اس مقدس سرزمین کو ''اَرض الاولیاء'' (ولیوں کی سرزمین) ہونے کا حقدار قرار دیا ہے۔ باطنی اور رُوحانی کائنات میں اِس سرزمین کی ساری رونقیں درحقیقت اَمیر کبیر حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کے قدوم لزوم سے وابستہ ہیں، جنھوں نے آٹھویں صدی ہجری میں اہل کشمیر کو اِسلامی تعلیمات سے روشناس کر دیا اور اُن کے دلوں کو فتح کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے اپنی محبت وعقیدت کا علم بلند کر دیا۔

آپ کا وطنِ اصلی ایران کا مشہور شہر ہمدان ہے جس کی آب و ہوا اَور جغرافیائی نظام کشمیر ہی کی مانند ہے۔ علامہ یاقوت الحموی نے لکھا: هِيَ أَعْذَبُهَا مَاءً وَأَطْيَبُهَا هَوَاءً۔

یعنی اِس سرزمین کا پانی صاف وشیریں اور ہوا صاف ستھری ہے۔

(معجم البلدان، ۳/ ۲۳۳)

مزید لکھتے ہیں: ''جس نے بھی ہمدان کو دیکھا اُسے اِس بات میں ذرّہ برابر شک نہیں کہ

---

(۱) شعبۂ عربی، باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی، راجوری، کشمیر

یہ علاقہ دنیا کے اِنتہائی خوب صورت پاک وصاف اور دلکش علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ بادشاہوں کی آمدورَفت اور بزرگان دین اور اَہل علم کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اَلبتہ! یہاں سردی اتنی سخت ہوتی ہے کہ اِس کی سردی پر باضابطہ کتابیں لکھی گئیں اور شعرا وخطبا نے اِس کا تذکرہ اپنے اشعار اَور خطبوں میں کیا ہے۔(۳/۵ ۲۳)

ہمدان کی اِن ہی انوکھی فضاؤں اور دلکش ہواؤں کے جھرمٹ میں حضرت شاہ ہمدان کی پرورش ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں کمال حاصل کرلیا اور باطنی اَسرار ورُموز اور تصوف وسلوک کی دشوار گزار منزلوں کی جانب قدم بڑھانے کا عزم فرمایا لیکن چوں کہ منازلِ سلوک ومعرفت کا طے کرنا مرشد کامل کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں تھا اِس لیے آپ بھی کسی مردِ کامل کی تلاش وجستجو میں نکل پڑے۔ اس تلاش میں حضرت شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی رسائی شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ مزدقانی تک ہوئی۔ اُن کے دست حق پر بیعت ہوئے۔ پھر اُن ہی کے اِشارے پر شیخ تقی الدین علی دوستی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ (مقدمہ السبعین فی فضائل علی، ص:۲۷)

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ نے تین بار پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا۔ رسالہ السبعین فی فضائل علی کے مقدمے میں آپ کا اپنا فرمان اِس طرح مرقوم ہے:

''میں نے تین بار مشرق سے مغرب تک سفر کیا، بحر و بر میں بے شمار عجائب دیکھے، ہر بار جس شہر اَور جس سرزمین میں گیا وہاں نئی رسمیں اور عادتیں دیکھیں۔'' (ص:۲۸)

اپنے ان ہی تبلیغی سفروں کے دوران آپ سرزمین کشمیر بھی تشریف لائے اور اپنی عملی ورُوحانی صلاحیتوں کی بدولت اہل کشمیر کے دلوں کو فتح کرتے ہوئے اپنی یادوں کے اَنمٹ نقوش مرتب کر گئے۔ قدرت نے جہاں حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کو فصیح وبلیغ زبان عطا فرمائی تھی وہیں سیال قلم بھی مرحمت فرمایا تھا۔ چناں چہ آپ نے اسلام کے تینوں بنیادی شعبوں عقائد، احکام اور اِحسان واخلاق کے اہم گوشوں پر عربی وفارسی دونوں زبانوں میں درجنوں کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی گراں قدر تصنیفات میں ایک مشہور اَور مبسوط کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' ہے۔

ذیل میں اِسی کتاب کا تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

طباعت واشاعت: فارسی زبان میں تصوف وسلوک پر لکھی گئی یہ عظیم اور معرکۃ الآراء کتاب ۳۹۸ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اِس وقت کتاب کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے۔ اُس کی طباعت ۱۳۵۸ ہجری میں مکتبہ شفق تبریز، ایران میں عمل میں آئی، تصحیح وتعلیق اور تقدیم کے فرائض جناب ڈاکٹر سید محمود اَنواری نے انجام دیے ہیں۔ کتاب کے شروع میں قلمی نسخہ کے چند صفحات کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے، جو حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ کی خوش نویسی کا واضح ثبوت ہے۔

کتابت میں جدید آلات کی مدد سے جونکھار اور دلکشی پیدا ہوئی ہے وہ لائق دید ہے۔ فارسی رسم الخط میں کمپوزنگ اور مناسب فاونٹ سائز نے کتاب کی خوب صورتی اور دلکشی میں بے پناہ اضافہ کیا ہے جب کہ سرِ ورق سادہ مگر جاذب نظر ہے جو کتاب کے موضوع سے کامل طور پر ہم آہنگ ہے۔

مشمولاتِ کتاب: ''ذخیرۃ الملوک'' احسان و اخلاق کے موضوع پر ایک بڑا ذخیرہ بلکہ انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں انسان کی روحانی تربیت کے اُصولوں سے بحث کی گئی ہے۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اِس تصنیفی سفر میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ سے بے حد متأثر رہے ہیں اور اُن کی یہ کتاب اِس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ وہ حضرت غزالی کی شہرۂ آفاق کتاب احیاء العلوم الدین اور کیمیائے سعادت سے فکری اور موضوعاتی طور پر ہم آہنگ ہیں بسا اَوقات اُن کی عبارتیں احیائے غزالی کے جملوں کا ترجمہ لگتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

''اَز ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پرسید ندکہ فلاں برادرِ تو بمعاصی مشغول است او را دشمن مهداری یا نہ گفت: آں فعل او را دشمن می دارم ولی او ہمچناں برادرِ من است۔'' (ص: ۲۸۰)

احیاء العلوم میں اِسی سے ملتی جلتی عبارت کچھ اِس طرح ہے:

فَقَالَ ابو دردا: اذا تغير اخوك وحال عما كان عليه فلا تدعه لاجل ذالك، فانّ اخاك يعوج مرة ويستقيم اخرى۔ (۲ / ۱۸۴)

ایک اور جملہ احیا و کیمیا کی عبارتوں سے کس قدر ہم آہنگ ہے:

''وایں طریق الطف و افقہ از طریق ابو ذر است۔'' (ذخیرۃ الملوک، ۲ / ۸۰)

وهي الطف وافقه من طريقة ابي ذر رضي الله عنه۔ (احیاء، ۲ / ۱۸۴)

''اما ایں طریق لطیف تر است وفقیہ تر است۔'' (کیمیاء، ۱ / (۳۲۳)

ایک دوسرے مقام پر ذخیرہ کی احیا و کیمیا سے لفظی یگانگت ملاحظہ ہو:

اخواننا أحب إلينا من أهلنا و أولادنا؛ لان اهلنا يذ كروننا بالدنيا و اخواننا يذ كروننا بالآخرة۔ (احیاء، ۲ / ۱۷۴)

''برادران ما عزیز تر از اہل و فرزندان اندکہ ایشاں دین بیاد می دہند، وفرزندان دنیا بیاد می دہند۔'' (کیمیا، ۱ / ۳۱۷)

اُسی کو میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''برادرانِ دینی عزیز تر و دوست اند از فرزندان ما، زیرا کہ فرزندان مارا دنیا یاد می دہند و برادران دینی مارا آخرت یاد می دہند۔'' (ذخیرۃ الملوک، ۱ / ۷۹)

بہر حال اِس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میر سید علی

ہمدانی رحمہ اللہ کی یہ معرکتہ الآراء کتاب امام غزالی کی کتابوں سے مشابہت رکھتی ہے بلکہ ابواب وفصول کی خاکہ بندی میں بھی اُن کتابوں میں ایک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے۔

کتاب کُل دس ابواب پر مشتمل ہے جن پر ایک مقدمہ کا سابقہ اور نتیجہ خیز خاتمہ کا لاحقہ مزید ہے۔ پہلا باب ایمان کے شرائط واحکام کے بیان پر مشتمل ہے، اُس میں آپ علیہ الرحمہ نے عقائد و ایمان پر بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے۔ عامتہ المسلمین اور خواص کے ایمان کے مابین فرق کو اُجاگر کیا ہے اور اِس باب سے متعلق انبیا و مرسلین اور بزرگان دین کے احوال و واقعات کو بھی خاطر خواہ جگہ دی ہے۔ ایمان کو عذاب اَبدی سے نجات اور لازوال نعمتوں کی لذت سے بہرہ مندی کا سبب قرار دیتے ہوئے بحث کا آغاز اِس فارسی شعر سے کیا ہے جسے محقق نے رسم الخط اور سائز میں باب کے عنوان سے متعلق قرار دیا ہے کہ

کمال آں کہ سبب نجات بندہ است از عذاب ابدی
و وسیلہ وصول او بدوام لذات نعیم سرمدی

(ذخیرۃ الملوک، ۱/ ۳)

اِس خصوص میں احادیث نبویہ کو پیش کرنے میں آپ کا اُسلوب یہ ہے کہ آپ پہلے حدیث نبوی کا متن من وعن پیش کرتے ہیں، پھر فارسی زبان میں انتہائی بلیغ ترجمہ پیش کرتے ہیں شعبہائے ایمان والی مشہور حدیث کا ترجمہ کس دلنشین پیرائے میں کیا ہے، فرماتے ہیں:

''ابو ہریرہ روایت کند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ ایمان ہفتاد و چند قسم است، فاضل ترین ہمہ اقسام قول شہادت ست و فروترین آں پاک کردن راہ ست، حیا قسمے از ایمان است۔'' (ذخیرۃ الملوک، ۱/ ۱۹)

دوسرا باب بندگی کے حقوق کی ادائیگی کے بیان میں ہے۔ اُس میں نماز، زکوٰۃ اور روزے کے احکام کے ساتھ ساتھ اَسرار و رُموز پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ نماز کی رُوحانی اور معنوی حیثیت کو بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ اِس ضمن میں صحابۂ کرام اور اَسلاف کی نمازوں کے احوال و کیفیات کے واقعات نقل کر کے بات کو واضح فرمایا ہے، اُس کی کیفیت کو تمثیلاً بہت ہی حسین انداز میں سمجھایا ہے:

''نماز انسانی جسم کی مانند ہے جیسے انسانی جسم ظاہر و باطن کا مجموعہ ہے، انسانِ کامل اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے جسم میں روح موجود ہو، پھر جسم کے اعضا و جوارح کے مراتب باہم متفاوت ہیں۔ اُن میں کچھ ایسے اعضا ہیں کہ اُن کے ختم ہونے سے آدمی مر جاتا ہے اور اُن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جیسے اَعضائے رئیسہ، مثلاً: دل، جگر اور دماغ جب کہ بعض دیگر اَعضا ایسے ہیں

جن کے تلف ہونے سے آدمی زندہ تو رہ سکتا ہے تاہم آدمی بے قیمت اور بے وقعت ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح نماز کی بھی ایک معنوی اہمیت ہے جسے شارع علیہ السلام نے اللہ کے حکم اور نورِ نبوت کی روشنی میں ہمیں ایک مخصوص صورت میں ڈھال کر دکھایا ہے اور ہمیں اُس کو قائم کرنے اور اُس سے فوائد حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا خلوصِ نیت، حضورِ قلبی اور خشوع و خضوع نماز کی روح ہیں۔ رکوع وسجود اور دیگر ارکان دل و دماغ کی مانند ہیں کہ اُن کے فوت ہو جانے سے نماز ہوتی ہی نہیں جب کہ نماز کی سنتیں جیسے دعا، استفتاح، قنوت اور قعدۂ اولیٰ اور دیگر اذکار ظاہری اعضا کی مانند ہیں۔

تیسرے باب میں تصوف کے انتہائی اہم موضوع حسنِ اخلاق پر بحث کی ہے۔ اِس میں صحابۂ کرام کے اخلاق کو مختلف واقعات میں پیش کیا گیا ہے بلکہ اِس باب کا آغاز ہی حضرت شیرِ خدا اور حضرت عمر کے واقعات سے ہوا ہے۔ حضرت شیخ ہمدانی رحمہ اللہ کے نزدیک بُرے اخلاق حسد، کینہ بغض اور چغلی وغیرہ اِنسان کے لیے سانپ اور بچھو کی مانند ہیں۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کے کپڑوں میں سانپ یا بچھو گھس جائے اور اُسے پتا نہ چلے کوئی دوسرا شخص اُسے آگاہ کرے تو اُسے بتانے والے شخص کا احسان مند ہونا چاہیے نہ کہ دشمن اُسی طرح بُرے اخلاق بھی انسانی کردار کے لیے سانپ اور بچھو کی مانند ہیں، لہٰذا اُن سے آگاہ کرنے والے کا بھی انسان کو اِحسان مند ہونا چاہیے۔ (ذخیرۃ الملوک، ۱/ ۱۵۲)

اِس باب کا اختتام آپ نے اِن دعائیہ کلمات پر کیا ہے: جَعَلَنَا اللّٰهُ مِمَّنْ حَقَّقَ إِيْمَانُهٗ فَعَمِلَ بِمُقْتِضَاهٗ وَحُسْنِ إِسْلَامِهٖ فَفَازَ بِرَضَاءِ مَوْلَاهُ إِنَّهٗ قَرِيْبٌ مُجِيْبٌ۔

ترجمہ: اللہ ہمیں اُن لوگوں میں شامل فرمائے جن کے ایمان کامل ہیں اور وہ اُس کے مقتضا پر عمل پیرا ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں اور اَپنے رب کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں بے شک وہ قریب سے دعاؤں کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔

کتاب کے چوتھے باب میں حضرت ہمدانی علیہ الرحمہ نے حقوق العباد کے موضوع پر اَپنے منفرد اُسلوب میں خامہ فرسائی کی ہے۔ اِس باب کو اَوّلاً پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے: پہلی قسم میں والدین کے حقوق، دوسری قسم میں میاں بیوی کے حقوق، تیسری قسم میں اولاد کے حقوق، چوتھی قسم میں غلاموں کے حقوق۔ جب کہ پانچویں قسم میں دوست و احباب کے حقوق پر گفتگو فرمائی ہے۔ ثانیاً اِس باب میں اِنسان کے اُن بُرے خصائل کو وَاقعات وحوادث کی روشنی میں اُجاگر کیا ہے جن سے کسی نہ کسی اعتبار سے دوسرے انسان کو ضرر یا نقصان پہنچتا ہے۔ پھر آخر میں اُخوت و بھائی چارگی کی اہمیت اور بُزرگانِ دین کے اِس حوالے سے کچھ واقعات کو نقل کیا ہے۔

پانچویں باب میں آپ علیہ الرحمہ نے اُمورِ سلطنت کی سرخی کے تحت انبیائے کرام اور صحابہ

کے بے شمار اَحوال وواقعات کی روشنی میں خلافت وسلطنت کے اُمور کو اُجاگر فرمایا ہے۔ پھر اِس باب کو آنے والے باب کے لیے پیش خیمہ گردانتے ہوئے چھٹے باب میں ''روحانی سیاست'' پر مفصل بحث کی ہے، اِس باب کا آغاز حدیث رسول (ﷺ) کُلُّکُمْ رَاعٍ سے ہوتا ہے۔ حدیثِ رسول (ﷺ) کے پیش کرنے میں آپ نے اپنے اُسلوب کے احترام کو پامال نہیں کیا بلکہ متن حدیث راوی کی صراحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے، پھر اُس کا بلیغ فارسی ترجمہ پیش کیا ہے، اُس کے بعد علم کی دو قسمیں کر کے بڑے دلنشین پیرائے میں انسانی خلقت کو بیان فرمایا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''انسان کا وجود قدرت کا عظیم شاہکار ہے اِسی لیے اَہل علم ودانش اُسے عالم صغیر کا عنوان دیتے ہیں، کیوں کہ رب کائنات نے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کی ہر چیز کا نمونہ اُس وجود میں وَدیعت فرما دیا ہے بلکہ جو کچھ عرش وفرش اور زمین وآسمان میں نہیں سما سکا وہ بھی وجودِ آدمی میں موجود ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رب کائنات کا اِرشاد ہے کہ میری معرفت کے جن اسرار ورُموز کے زمین وآسمان متحمل نہیں ہو سکے اُن خزانوں کا متحمل انسانی وجود ہے، لہٰذا مملکت وجود انسانی اَپنے ظاہری خدوخال میں اگرچہ عالم صغیر ہے تاہم حقیقت کے اعتبار سے یہ عالم کبیر ہے۔''
(ذخیرۃ الملوک، ۱/۲۹۱)

اِس باب میں شیخ ہمدانی علیہ الرحمہ نے مخلوق کی اقسام، علم کے درجات اور اُس کی قسمیں، روح کی تقسیم، سخاوت کے مختلف پہلو مومن، کافر مشرک، منافق غادر، عاصی مصر، فاسق، ملعون وغیرہ موضوعات پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

ساتواں باب ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کے بیان میں ہے۔ اِس خصوص میں آپ نے معاشرتی بیماریوں سے آگاہ فرماتے ہوئے اُن سے بچنے کے راستے متعین کیے ہیں اور معاشرے کے ہر فرد پر اُس کی حیثیت کے مطابق نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے بچنے کی تلقین لازمی قرار دی ہے۔ پھر گناہ کی قسموں کو بیان کرتے ہوئے منکر کا تعارف پیش کیا ہے، نیز درجہ بندی کر کے اُس کے ہر پہلو پر اَقوال سلف سے دلیل پیش کی ہے۔ آٹھویں اور نویں باب بالترتیب شکر وصبر کے موضوع پر مشتمل ہیں جب کہ دسویں باب میں آپ نے تکبر اَور تواضع کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔

'ذخیرۃ الملوک'' تصوف کی اہم ترین کتاب ہے جس میں رُوحانیت کے اُصول وضوابط پیش کیے گئے ہیں۔ اِس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے اور اُس پر کئی گراں قدر تحقیقی مقالے بھی مرتب کیے گئے ہیں مگر اَبھی بھی اِس کے کئی گوشوں پر یونیورسٹیوں میں کام ہونا باقی ہے۔ اللہ کرے ہمارے باذوق اِسکالروں کی توجہ اِس طرف ہو اَور یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے۔

●●●

ڈاکٹر ذوالفقار صدیقی

اَورادِ فتحیہ: مختصر تعارف

خطۂ کشمیر کا طُرۂ اِمتیاز ہے کہ یہ سرزمین درجہ اولیٰ کے اولیائے کاملین، بزرگانِ دین اور راہِ سلوک کے ممتاز شخصیات کی نہ صرف سیر گاہ بلکہ اُن میں سے کئی ایک کا مسکن بھی رہا ہے۔ شاید یہاں کی مٹی میں کچھ ایسی تاثیر ہے یا یوں کہیے کہ یہاں کے رہائش پذیر لوگوں کی کچھ خوبیوں کی وجہ سے بلند پایہ اولیاء اللہ نے وقتاً فوقتاً یہاں کا رُخ اختیار کیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اُس سرزمین کو اللہ کے بہت ہی مقرب بندوں کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے اور یہ اُس خطۂ اَرض کا فخر رہا ہے۔ چناں چہ اللہ کے اُن مقرب بندوں کی فہرست بہت ہی طویل ہے اور تاریخ کے اَوراق اُن کے کارناموں اور دین کے تیئں اُن کے Contribution سے بھرے پڑے ہیں، پہاڑی سلسلوں سے گھیری ہوئی اِس وادیِ گلپوش میں آنا اتنا آسان بھی نہ تھا۔ بسا اَوقات انسانی عقل یہ سمجھنے سے عاجز ہے کہ یہ بزرگان دین اُس زمانے میں کن کن دشواریوں سے گزر کر اِس وادیِ لالہ زار میں وارد ہوئے ہوں گے۔ اس وادی کی تاریخ کا ایک طائرانہ جائزہ اُن دشواریوں کی بڑی خوبی سے منظر کشی کرتا ہے، اُس زمانے کا پورا نظام اِس بات کا بذات خود ثبوت ہے کہ راستہ کتنا کٹھن، جاڑے کا تکلیف دہ موسم اور یہاں کی جغرافیائی حالات غرض یہ سارا کچھ برداشت کر کے اللہ کے یہ مقرب بندے اللہ کے دین کی اشاعت اور اُس کی بالادستی قائم کرنے کے جذبے سے سرمست یہاں تشریف لائے اور دین مبین کی تبلیغ کا کام شروع کیا، اُس دور میں یہاں کے سیاسی اور اقتصادی حالات بھی اِس بات کا بین ثبوت ہیں کہ یہ مقرب اِلٰہی کسی حرص ولالچ کے بغیر اِشاعت دین کا مشن لے کے وارد کشمیر ہوئے۔

اِس ضمن میں جن بزرگان دین نے اِس وادی گلپوش میں قدم رکھا اُن عبقری شخصیات میں حضرت شرف الدین سیّد عبدالرحمٰن المعروف بہ بلبل شاہ ترکستانی جو راجا سُہ دیو کے زمانے میں

وارِدِ کشمیر ہوئے اور وہ حضرت شاہ نعمت اللہ فارسی کے خلیفہ خاص تھے۔ اُن کے علاوہ حضرت سید جلال الدین بخاری، حضرت سید تاج الدین، حضرت سید حسین سمنانی اور حضرت سید یوسف قابل ذکر ہیں۔ اُن سب بزرگوں کا مشن تبلیغ دینِ مبین تھا تا کہ آیتہً کَلِمَۃُ اللّٰہِ بلند کریں۔ نتیجتاً یہاں کے سادہ لوح باشندے جو اُس وقت مختلف اَدیان کے پیروکار تھے اور رُسوماتِ بد میں گرفتار تھے، اُن کی تعلیمات کی روشنی میں منزل راہِ صداقت پا سکے اور نورِ نبوت کی شعاعوں میں مزین اور منور رہیں۔ یوں تو یہ ساری شخصیات اپنی حیثیتوں میں معتبر اور مقدم ہیں۔ سب اپنی جگہ پر آفتاب ومہتاب ہیں لیکن تاریخی اعتبار سے جس عظیم مُبلغ نے صحیح معنوں میں وادی کشمیر میں عقیدہ توحید اور عظمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی قندیل روشن کی وہ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ ہیں جن کو علی ثانی، شاہ ہمدان اور اَمیر کبیر جیسے اَلقاب سے لوگ یاد کرتے ہیں۔

آں جناب کا اِسم مبارک علی ہے اور وَالد ماجد کا نام حضرت سید شہاب الدین، جب کہ اُن کے جدِ اَمجد حضرت امام زین العابدین تھے۔ شاہ مدان کو نجیب الطرفین سیّد ہونے کا عظیم شرف حاصل ہے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے، جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ جن کا اِسم مبارک سیدہ فاطمہ تھا اُن کا سلسلۂ نسب سترہویں واسطے سے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔(۱) آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ تذکرہ نگاروں نے آپ کی تاریخ ولادت ۱۲/رجب المرجب ۷۱۴ھ مطابق ۱۲/اکتوبر ۱۳۱۴ء لکھا ہے۔ اِس کا مادّۂ تاریخ ولادت ''رحمۃ اللہ'' سے نکلتا ہے۔ کچھ اور تذکرہ نگاروں نے ۱۲/رجب المرجب ۷۱۳ھ مطابق ۱۳۱۳ء لکھا ہے۔ اَلبتہ! اَوّل الذکر سالِ ولادت تاریخ کے حوالے سے زیادہ معتبر ثابت ہے۔

اِس عظیم المرتبت بزرگ کو تذکرہ نگاروں نے سید السادات، قطب زمان، شیخ سالکان جہاں، قطب الاقطاب، افضل المحققین، الہمدانی جیسے القاب سے بھی یاد کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں کا اَپنے اپنے زمانوں میں اِس بزرگ ہستی کو اِن القاب سے یاد کرنا اِس بات کا ثبوت ہے کہ دینِ حق کے تئیں اُن کی خدمات کا کیا مرتبہ رہا ہوگا۔ حالاں کہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ میں فکر کی چاشنی اور صوفی مزاج کی شگفتگی بکمال اَتم موجود تھی۔ اِس کے باوجود آپ اعلیٰ درجے کے عالم باعمل تھے۔ قریب قریب ہر علم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ کئی علوم درساً دنیا کے اَطراف واَکناف میں رہائش پذیر اَپنے شیوخ سے حاصل کیے اور کئی علوم عطا بھی ہوئے۔ جو مردِ خدا اَیام طفل ہی سے ذہین وفطین ہو اور اَپنا بچپن کھیل کود کے بجائے اکتساب علم میں گذارے، حضرت علاؤالدولہ جیسے بزرگ کا سایہ نصیب ملے۔ اُس لعل بیش بہا کے علم وعرفان کا حال کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ اکبر!

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ عقلی ونقلی علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ آپ حضرت ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی کے مرید ہوئے اور اُن کی وفات کے بعد آپ کو حضرت شیخ شرف الدین محمود مزقانی کا سایہ نصیب رہا۔ عقلی ونقلی علوم کی فراغت کے بعد اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ محمود مزقانی کے حکم کے مطابق دنیا کی سیر پر نکلے۔ امین احمد رَازی کے مطابق حضرت امیر کبیر نے تین مرتبہ دنیا کی سیر کی۔ اکیس سالہ اپنی سیاحت کے دوران قریب ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) اَولیائے عظام سے ملاقی ہونے کا شرف حاصل کیا اور اُن سے روحانی فیض حاصل کیا۔ تہذیب نفس اور اِدراک حقیقت کے سلسلے میں حضرت شاہِ ہمدان نے چھ سال گوشہ نشینی اختیار کی اور اِس دوران کوئی دنیوی بات آپ کی زبانِ مبارک پر نہ آئی۔ خلوت نشینی کے دوران آپ جلوتوں سے فیض یاب ہوئے اور پھراَ پنے مرشد کامل کی خدمت فیض پناہ میں حاضری دی، جنھوں نے آپ کے تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کے ساتھ ساتھ جسمانی ریاضت پر بھی توجہ فرمائی۔ نتیجتاً آنے والے زمانے میں اس علم وعرفان کا فیض ہمارے لیے قرب خداوندی، حُب نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور فلاح انسانی کا ذریعہ ثابت ہوا۔ حضرت امیر کبیر سلسلہ کُبر ویہ جو حضرت شیخ نجم الدین کُبریٰ خوارزمی سے رائج ہے اور سلسلہ سہروردیہ ہی کا ایک سلسلہ ہے، اس سے تعلق رکھتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے اثرات واضح طور پر نمایاں ہونے لگے۔ جہاں آپ نے اپنے مریدوں کی تربیت اور سالکان حقیقت کی رہنمائی بدستور جاری رکھی وہاں آپ نے شریعت اور طریقت میں تطبیق پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی اور سماج سے غیر اِسلامی افعال اور رُسومات بد کے خاتمے کے لیے مسلسل جدو جہد جاری رکھی۔ آپ نے جہاں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا وہیں آپ کی علمی اور فکری کاوشوں نے ایک فکری اور نظریاتی انقلاب رونما کیا۔ مسلمانوں کی کردار سازی کے لیے آپ کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ چوں کہ آپ داعی اِسلام کی حیثیت سے کشمیر تشریف لائے۔ آپ کا خاندان اور اُس کے پس منظر میں جو تواریخی حقیقت ہے اُس کے مطابق آپ کا خاندان علم دوست ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حکمران خاندان بھی تھا جو دوسو (۲۰۰) سال سے ہمدان میں آباد تھا۔ چناں چہ منگول بادشاہ امیر تیمور گرگانی کے حملے اور قبضے کے بعد آں جناب کا ہمدان میں رہنا مشکل ہو گیا اور آپ نے ہجرت کرنے کی سعی کی۔ اِس سلسلے میں آپ نے کشمیر کا اِنتخاب کیا۔ حالاں کہ اِس حوالے سے آں جناب کو خواب میں رَسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم بھی ملا تھا۔ بہر حال آپ اپنے خاندان اور دیگر معتقدین تقریباً سات سو (۷۰۰) اَفراد کے ہمراہ ہمدان سے افغانستان اور پاکستان کے بالائی علاقہ جات سے ہوتے ہوئے ۷۷۴ھ (۱۳۷۴ء) میں وارد کشمیر ہوئے۔

اِس ابتدائی دور کے بعد آپ ۱۳۷۹ء میں اور پھر آخری بار ۱۳۸۳ء میں کشمیر تشریف لائے۔ اپنے دورے اور قیام کے دوران آپ نے کشمیر، لداخ، بلتستان، سکردو، تبت کو چک اور پاکستان کے شمالی اور بالائی علاقہ جات میں اِسلام کی اشاعت اور ترویج کی اور اِس سلسلے میں آپ نے جگہ جگہ خانقاہیں اور مساجد تعمیر کرائی۔ اُن تعمیرات میں خانقاہِ یارکنڈ (چین)، کنہار (افغانستان)، بخارا، سمرقند (ازبکستان) جزیرہ فلپائن، سرائے کاؤباچو (روس)، اسکردو (بلتستان)، لداخ جامع مسجد، خانقاہ معلیٰ (کشمیر) قابل ذکر ہیں۔ اِس کے علاوہ صنعت و حرفت، تہذیب اور علمی میدانوں میں آپ کی خدمات اور مساعی جمیلہ شامل ہیں۔ اِسی پس منظر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی حضرت امیر کبیر کی علمی ساخت اور دِینی خدمات اور اُن کی کاوشوں سے دنیائے اسلام میں جو بہار آئی، اُس کے حوالے سے فرماتے ہیں:

نہالے از گلستان محمد ﷺ
چمن آرائے بستان محمد ﷺ
دمِ تیغ علی المرتضیٰ ہست
فروغ افزائے شمع فاطمہ ہست (۲)

اِس ساری محنت کے ساتھ ساتھ آپ رحمہ اللہ تصنیف و تالیف میں مصروف عمل رہے۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات آں جناب کے تبحر علمی پر شاہد عادل ہیں۔ آپ کی تصانیف آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اَور تا قیامت مسلمانوں کی رہنمائی کرنے میں بیش بہا سرمایہ ثابت ہوں گی۔ آپ کی شاہکار تصنیف ''ذخیرۃ الملوک''، ''منازل السالکین'' اور ''اَورادِ فتحیہ'' کے علاوہ دیگر تصانیف سے کون مسلمان واقف نہیں ہوگا۔ آپ کی علمی کاوشوں میں آپ کے تحریر کردہ رسائل بھی شمار ہوتے ہیں، جن کی تعداد کم و بیش سو (۱۰۰) سے زیادہ ہے۔

شاعر مشرق، دانائے راز علامہ اقبال نے بھی حضرت میر سیّد علی ہمدانی رحمہ اللہ کی بے لوث اور ہمہ جہت خدمات کو سراہا ہے، جیسا کہ ''جاوید نامہ'' میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

سیّد السادات، سالارِ عظم
دست او معمار تقدیر اُمم (۳)

فارسی اور عربی زبان میں تحریر یہ رسائل اگر آج کے پُرفتن دور میں مطالعہ کیے جائیں، تو یقینی طور پر مسلمانوں کے پیچ اکثر مسائل کا حل نکل آئے۔ غرض کہ مسلمانوں کی یکجہتی میں یہ رسائل ایک کارگر آلہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

پروفیسر غلام محمد شاد صاحب شاہ ہمدان کی ہمہ جہت شخصیت کے تناظر میں لکھتے ہیں کہ

آپ مجموعۂ کمالات، ہمہ جہتی مجتہد، بیک وقت مبلغ، داعی، مصنف، قانوں داں، فقیہ، ماہر شریعت، غواصِ بحرِ طریقت، شہبازِ افلاک رُوحانیت اور صاحب کثیر التصانیف تھے۔(۴) آں جناب کی تصانیف و تالیفات دین و مذہب اور رُوزمرہ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو خطاب کرتے ہیں۔ یوں تو آپ کے تحریر کردہ جملہ رسائل و تصانیف قابل ذکر ہیں لیکن اُن میں سے چند ایک کا یہاں نام لینا باعث برکت ہوگا۔ مثلاً: ''رسالہ مرأۃ التابعین''، ''شرح فصوص الحکم فارسی''، ''اسرار اللفظ''، ''رسالہ نوریہ''، ''رسالہ عقبیات''، ''رسالہ اِصطلاحات''، ''رسالہ درویشیہ''، ''علم القافیہ والقاعدہ''، ''رسالہ ہمدانیہ''، ''مودۃ القربیٰ''، ''روضۃ الفردوس''، ''فردوس الاخبار''، ''منازل السالکین''، ''خلاصۃ المناقب''، ''چہل اَسرار'' وغیرہ۔

اِس سے یہ بات روزِ رُوشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ حضرت شاہ ہمدان کا علم کتنا وسیع اور اُن کی سوچ کتنی پختگی کی حامل تھی۔ اُن کی یہ لامثال تحریریں اُن کو دنیا اِسلام ہی میں نہیں بلکہ دنیائے علم واَدب میں بھی ایک منفرد مقام بخشتی ہے۔ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے نہ صرف اپنی تبلیغی مشن (Mission) سے بلکہ اپنی تحریروں سے بھی اللہ کے دین کی خدمت اِس طرح انجام دی کہ اُمت کی شیرازبندی ہوئی اور تمام مسلمان یک جھٹ ہوکر یادِ اِلٰہی میں محو رہنے کے ساتھ ساتھ اپنے معمولات میں بھی دین دار ہونے کا ثبوت پیش کرتے تھے۔

حضرت میر سید علی ہمدانی کی شہرۂ آفاق تصنیف اور ذکر واذکار کا مجموعہ ''اَورادِفتحیہ'' کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اِس تالیفِ کبیر کی وجہ تالیف وتسمیہ پر اَبوالفقرا حضرت علامہ بابا نصیب الدین غازی نے ''نور نامہ'' میں شرح و بسیط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ حالاں کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے قبل حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی نے اَوراد شریف کے فضائل پر اپنی تصنیف میں مدلل روشنی ڈالی ہے۔ اِس سلسلے میں حضرت صرفی رقمطراز ہیں:

کعبہ دل را کہ بود سد جواب
ہست ز فتحیہ او فتح یاب (۵)

علاوہ اَزیں حضرت شیخ الاسلام امام اعظم ثانی علامہ بابا داؤد خاکی نے بھی اپنی تصانیف میں اِس عظیم وظیفہ اور اُس کے فضائل پر اِختصاراً روشنی ڈالی ہے۔ علامہ خاکی اپنے مرشد کامل حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدوم کے معمولات کے حوالے سے اِس وظیفۂ کبیر کی توصیف میں اپنی تصنیف وردالمریدین میں یوں فرماتے ہیں:

حلقہ کردہ قاری اوراد فتحیہ بشوق
او لیا بسیار مشہودش بشیر اسر شُد است

بعد خفتن ہم بخوان اوراد فتحیہ بصدق
با مریداں اولیاش ایں امر ہم یکسر شد است (٦)

حضرت شیخ الدّ اہدین بابا حیدر ریشی (ریشمول) کے بارے میں حضرت علامہ بابا داؤد خاکی رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف قصیدہ لامیہ میں اورادِ فتحیہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

ہر صباحے سالہا اوراد فتحیہ بخواند
این یکے بر راستی اعتقاد اوست دال (٧)

اِس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ اُس دور میں اَورادِ فتحیہ کا کتنا وِرد ہوا کرتا تھا۔ تقریباً پچھلے ٦٥٠ رسال سے اِس وادی کا ہر مسلمان اِس وظیفۂ اکبر کے ساتھ جذباتی، روحانی اور اِعتقاد کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور ہر مسجد و خانقاہ، حتیٰ کہ اپنے گھروں میں بھی اِس کا شوق وذوق کے ساتھ پڑھنا شد و مد سے جاری و ساری ہے۔ صرف کشمیر میں ہی نہیں بلکہ پورے برصغیر کے علمی اور عقیدت مند خاندانوں میں بھی اِس وظیفۂ اکبر کا وِرد معمول تھا۔ جس میں حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ کے خاندان قابل ذکر ہیں۔ علاوہ اَزیں حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید مجدّدی فاروقی دہلوی نے بھی مقاماتِ خیر میں اَوراد شریف کا ذکر کیا ہے۔

یہاں یہ اَمر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت قطب ربانی میر شاہ سید احمد کرمانی سہروردی (٨) جب واردِ کشمیر ہوئے اور یہاں اَورادِ فتحیہ کا وِرد بالجہر دیکھا تو فوراً اَہل کشمیر کو اِس وظیفۂ کبیر کے جہراً پڑھنے کی ممانعت کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اُس باحشمت بزرگ ہستی نے اپنی واپسی کے موقع پر خواب میں قطب الاقطاب، امام العارفین، امیر کبیر، علی ثانی حضرت میر سید علی ہمدانی کے اَسرار کے تعلق سے اپنے فیصلے پر نہ صرف رجوع کیا بلکہ اس وظیفہ کبیر کی اشاعت میں نمایاں کردار اَدا کیا۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایک دور میں اِس پُر اَمن وادی گلپوش میں روافض کا عظیم فتنہ برپا ہوا۔ اُس فتنے کے دوران لوگوں نے اَورادِ فتحیہ کو نہ صرف اپنے وظیفہ خاص کے اعتبار سے سپر بنایا بلکہ اس وظیفہ اکبر کو اپنے عقائد کا مکمل دستور مان کر اَپنے ایمان کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اُس میں حرارت پیدا کر کے اُس کی پختگی کا سامان بنایا۔ اُس فتنے کے دوران حضرت بابا اسمٰعیل کبروی نے اَورادِ فتحیہ کی اشاعت بڑے پیمانے پر یقینی بنا کر عامۃ المسلمین کا ایمان ضائع ہونے سے بچانے میں ایک مثبت رول ادا کیا۔ اُن کی نظر میں اَورادِ فتحیہ کے تئیں مسلمانانِ کشمیر کا عقیدۂ خاص اور اُس کے ساتھ جذباتی تعلق روافضی فتنہ کا ایک موثر توڑ کی حیثیت کا حامل تھا۔ وادی کشمیر کی تاریخ کا ایک اہم باب چک خاندان کا دور بھی گردانا جاتا ہے۔ چناں چہ اِس دور میں روافض کا کافی غلبہ رہا۔ اِس پس منظر میں اہل سنت و جماعت کے سپہ سالاروں نے اپنے مذہب کے دفاع

کو ہر قیمت پر یقینی بنایا، تاکہ عام لوگوں کا ایمان ضائع ہونے سے بچایا جاسکے۔ اِس ضمن میں اُن شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں نے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ تک پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ چناں چہ اُسی روافضی غلبے کے دوران سلسلہ نوربخشیہ کے کچھ پیروکاروں نے اَورادِفتحیہ کا ایک جعلی نسخہ ترتیب دے کر اَپنے فرقے میں رائج کیا اور مسلمانانِ کشمیر کو دھوکے میں لاکر اَپنی طرف مائل کرنے کی مذموم کوشش کی۔ اَلبتہ! یہ نسخہ ماضی قریب تک شائع نہ ہوسکا۔ چوں کہ چند سال قبل ہی مرحوم مولوی محمد شاہ جو ایک شیعہ عالم تھے، اُنھوں نے اِس کو پہلی بار شائع کیا۔

اَورادِفتحیہ کی عظمت کو کم وبیش وقت کے ہر مجدّد، محدث اور عالم دین نے مختلف پیرایوں میں اپنے خوب صورت لفظوں سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اُن ہستیوں میں حضرت امام المحدثین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی شامل ہے جنھوں نے اِس وظیفۂ کامل پر اپنی تصنیف ''انتباہ فی سلاسل اَولیاء اللہ'' میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ تبصرہ کیا ہے۔ اِس سلسلے میں اُن کی تحریر اَہل سنت و جماعت کے نزدیک اُس وظیفہ اکبر کے بارے میں ایک سندِ عظیم سے کم نہیں ہے۔

جہاں تک اَورادِفتحیہ کے شرح لکھنے کا تعلق ہے، تو دُنیا کی کئی ایک بزرگ ہستیوں نے اِس کی شرح لکھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ فارسی زبان میں اِس کی شرح لکھنے والوں میں ملّا محمد جعفری نے سبقت لی اور اِس شرح کو ۱۲۹۳ھ میں نول کشور نے چھاپ کر منظر عام پر لایا اور اَہل علم اُس شرح سے مستفید ہوئے۔ روایات کے مطابق حضرت فخر الدین شیخ عبدالوہاب نوری نے بھی اَورادِفتحیہ کی فارسی شرح لکھی ہے۔(۹) کشمیر میں حضرت علامہ شیخ احمد واعظ ومحدث نے سب سے پہلے ''اورادِفتحیہ'' کی ضخیم شرح لکھی۔ البتہ! یہ شرح ابھی تک زیورِطباعت سے آراستہ نہ ہوسکی۔ حضرت موصوف نے ''اورادِفتحیہ'' سے پہلے کبریت شریف کی شرح لکھنے کی سعادت بھی حاصل کی ہے۔ (۱۰) حضرت مولانا مولوی عبدالکبیر رینہ نے اورادِفتحیہ شریف کی پہلی اُردو شرح تالیف کی، اَلبتہ! یہ شرح ہر لحاظ سے سراپا علمی شرح ہے۔(۱۱)

مولانا غلام محمد حقانی نے بھی ایک اُردو شرح تحریر فرمایا ہے جو منظر عام پر کئی سال قبل آچکا ہے۔ اِس کے علاوہ جناب مولانا سید میرک شاہ اندرابی ثم لاہوری اور جناب مولانا اَسداللہ دوار کی جو پاکستان میں مقیم مہاجر علما میں شامل ہیں، اُنھوں نے بھی اَورادِفتحیہ کی مختصر شرح اُردو زبان میں لکھ کر نذر قارئین کیا ہے۔ حضرت سید قاسم شاہ بخاری نے بھی اَورادِفتحیہ شریف کا ضخیم مقدمہ موسوم بہ انفاس قدسیہ تحریر فرمایا ہے۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے اپنی انجمن ''التبلیغ الاسلام'' کے ماہنامہ ''التبلیغ'' اور ''الاعتقاد'' اور پندرہ روزہ ''حنفی'' میں اورادِفتحیہ شریف کے حوالے سے جامع اور سیر حاصل مضامین لکھے ہیں۔ مولانا حکیم غلام نبی مرحوم جن کا تعلق جماعت اِسلامی جموں وکشمیر

سے تھا اُنھوں نے بھی اورادِ فتحیہ کی ایک ضخیم شرح لکھی ہے۔

چوں کہ اورادِ فتحیہ کی جو علمی اور رُوحانی قدر و منزلت ہے، اُس نے اِس وظیفہ کبیر کو عالمی سطح پر ایک خاص مقام دلایا ہے جس کی وجہ سے اِس وِردِ اعظم کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا گیا ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں ''اورادِ فتحیہ'' کا اُردو ترجمہ سب سے پہلے جناب پروفیسر مولوی محمد ابراہیم کا منظرِ عام پر آیا، جس کو عوام الناس نے کافی سراہا۔ بعد ازاں مولانا سعدالدین تارہ بلی کا اُردو ترجمہ بھی بازار میں دستیاب ہوا۔ حضرت مولانا سید قاسم شاہ بخاری مرحوم نے بھی اِس وظیفہ کبیر کا اُردو ترجمہ موسوم بہ ''تحفہ کبرویہ'' مرتب کر کے مسلمان عالم بالخصوص دنیائے اُردو میں وقف کر دیا۔ کشمیری زبان میں اِس وظیفۂ کبیر کا ترجمہ جناب غلام رسول صاحب جو حضرت سید میرک شاہ کاشانی کے مرید خاص تھے تکیہ شالیمار سے شائع کیا۔

اَورادِ فتحیہ کی طباعت و اشاعت تاریخ کے حوالے سے صوبۂ بنگال سے شروع ہوئی، اِس وظیفۂ کبیر کا پہلا معریٰ نسخہ کلکتہ صوبہ بنگال میں شائع ہوا۔ بعد ازاں رام پور سے بھی اِس کا معریٰ نسخہ شائع ہوتا رہا۔ کشمیر کے حوالے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں خاندانِ مسعودی کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اُس خاندان کے ایک تابناک چراغ حضرت پیر عبدالغفار مسعودی سہروردی قادری نے اِس نسخۂ عظیم کو سند کے ساتھ نکسیہ سادھواں، لاہور سے شائع کیا۔ (۱۲) اس کے بعد بھی اَورادِ فتحیہ کو مختلف اشاعتی اِداروں (حافظ احمد، غلام رسول اور غلام محمد نور محمد تاجران) نے بار بار شائع کر کے نہ صرف اہلِ عرفان بلکہ سارے مسلمانانِ کشمیر کو اُس کے حفظ کرنے اور رُوزانہ وِرد کرنے میں سہولیت بہم پہنچائی۔

اَورادِ فتحیہ کو دنیا کی دوسری عظیم تصانیف کی طرح یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُس کے قدیم قلمی نسخہ جات دنیا کے اَطراف و اَکناف میں پھیلے ہوئے معتبر اور نامور کتب خانوں میں موجود ہیں۔ خود حضرت امیر کبیر کے دورِ مبارک سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ جو نسخہ شریف اَورادِ فتحیہ کا رائج و متداول ہے۔ اُس میں کسی قسم کا تحریف نہیں ہے اور اُس کے نسخہ جات نہ صرف برٹش میوزم بلکہ برصغیر کے متعدد کتب خانہ جات، تہران کے کتب خانہ بلکہ روس کے لینن گراڈ (Saint Peter's Berg) کے کتب خانوں میں بھی موجود ہیں۔ یہ کہنا کہ اِس وظیفۂ کبیر میں کسی قسم کا اضافہ یا تحریف ہوئی ہے تحقیق سے بعید ہوگا۔

حضرت اَمیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی رحمہ اللہ اپنے تیسرے دورۂ کشمیر سے واپسی پر سلطان محمد کی درخواست پر بمقام پکھلی، تحصیل مان سیرہ، ڈسٹرکٹ ہزارہ، شمالی مغربی پاکستان میں شاہی مہمان بن کر مقیم ہوئے۔ آپ کی طبیعت خراب ہوئی اور ۶ رذی الحجہ ۷۸۴ھ (۱۳۸۴ء) کو دارُالفنا

سے کوچ کر کے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

آپ رحمہ اللہ کے جسد مبارک کو تاجکستان پہنچا کر موضع کولاب در شہر ختلان تاجکستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

توضیحات وحوالہ جات

۱۔ سالارِ عجم اَز ڈاکٹر سیّد عبدالرحمٰن ہمدانی

۲۔ تحفۃ الامیر اَز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۳۔ جاوید نامہ اَز علامہ اقبال

۴۔ ذکر شاہ ہمدان اَز پروفیسر غلام محمد شاہ

۵۔ حضرت یعقوب صرفی حضرت حافظ ابن حجر مکی کے شاگردِ رشید اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے اُستاذِ حدیث گزرے ہیں۔

۶۔ وِردالمریدین اَز علامہ بابا داؤد خاکی

۷۔ قصیدہ لامیہ اَز علامہ بابا داؤد خاکی

۸۔ حضرت میر شاہ سید احمد کرمانی سہروردی، حضرت سید عبدالوہاب بخاری دہلوی سہروردی جو مفسر قرآن بھی ہیں کے خلیفہ خاص تھے۔

۹۔ اِس کا قلمی نسخہ حضرت سردار محمد عبدالطیف بیگ صاحب نقشبندی مرحوم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سردار صاحب حضرت سید السادات پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کے مرید خاص تھے۔

۱۰۔ حضرت علامہ شیخ احمد حضرت شاہ محمد اِسحاق محدّث دہلوی مہاجر مدنی کے شاگرد تھے، اُن کی شرح اَورادِ فتحیہ نایاب ہے۔ اَلبتہ! اُس کے قلمی نسخہ جات کتب خانہ حضرت علامہ میر سید محمد قاسم منتقی عالی کدل اور حضرت مولانا پیر علی شاہ قادری میں موجود ہیں۔ یہ دونوں حضرات محدثِ کشمیری کے شاگرد تھے اور سوانح محدث کشمیر میں پیر عبدالقادر دُریش قادری نے اِس کا ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ حضرت مولوی عبدالکبیر رینہ مدینۃ العلوم کشمیر کے ایک اُستاد گزرے ہیں۔ یہ حضرت مولوی اَنور شاہ کشمیری کے شاگردِ رشید بھی تھے۔

۱۲۔ حضرت مولانا محمد اشرف اندرابی کے قیمتی کتب خانہ میں اِس کا نسخہ موجود ہے۔

●●●

فیاض احمد یتو(۱)

رسالہ حفظان صحت: ایک مطالعہ

یوں تو اَہل تصوف کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش ہر دور میں کی گئی کہ یہ لوگ صرف عبادات، ریاضات، مجاہدات اور فقر وفاقہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں اور دنیوی معاملات کے ساتھ اُن کا کوئی سروکار نہیں۔ اگر جہلا اِس قسم کی ہرزہ سرائیاں کرتے تو اُسے کسی حدتک برداشت کیا جاسکتا تھا مگر بدقسمتی سے اِس قسم کی بے سروپا باتیں آج کل تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ تعلق رکھنے والے افراد میں بھی سننے کو ملتی ہیں۔ غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تصور بالکل باطل ہے اور یہ اَہل تصوف کی فکری ساخت کو کم تر دکھانے کی ایک مذموم کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل تصوف ہر دور میں زُہد و وَرع کے ساتھ ساتھ دنیوی و دینی علوم وفنون میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے آئے ہیں اور اِس سلسلے میں امام غزالی، ابن عربی، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے اَکابر صوفیا کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ دینی اُمور کے ساتھ ساتھ دنیوی معاملات کو اَحسن طریقے سے انجام دینے میں بھی یہ لوگ کسی سے پیچھے نہیں۔ علم کی دنیا میں شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس میں صوفیائے کرام نے کچھ نہ کچھ خدمت انجام نہ دی ہو۔ صوفیائے کرام نے اپنی کتب میں تقریباً زندگی کے ہر شعبے میں کچھ نہ کچھ قلم آزمائی کی ہے۔ یہی بات ہمیں محسن کشمیر امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ کی کتابوں میں عروج پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ نے اپنی تصانیف میں علمی، عملی، رُوحانی واَخلاقی جہتوں کو جمع کر کے ایک حیرت انگیز جامعیت وآفاقیت پیدا کردی۔

دور حاضر میں جن شعبہ جات کی طرف ہر ملک میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے ان میں حفظان صحت کا شعبہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ صحت کے حوالے سے آج کل لوگ نہ صرف

---

(۱) سابق چیئرمین رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن

انتہائی حسّاس ہیں بلکہ ساتھ ہی کافی متفکر بھی۔ اچھی صحت کس طرح برقرار رکھی جاسکتی ہے اور اِس سلسلے میں خوراک اور جسمانی وَرزش کو کیسے بہتر طریقے پر اِستعمال کیا جاسکتا ہے، اِس سلسلے میں میڈیکل سائنس خصوصی توجہ دیتی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ آج سے تقریباً سات سو (۷۰۰) سال پہلے حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ نے حفظانِ صحت کے حوالے سے اِس طرح کے گراں قدر طبی مشورے دیے ہیں، جس سے ایسا لگتا ہے کہ اُن ہدایات کو آج کے انسان کے لیے ہی مرتب کیا گیا ہے کہ اُن میں اکثر اِفادات دورِ حاضر کی طبی تحقیقات کے عین مطابق نظر آتے ہیں۔

اِس تحریر کے ذریعے ہم حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے ایک رسالہ ''رسالہ در بارہ حفظان صحت'' کے حوالے سے کچھ گزارشات پیش کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے نزدیک صحت کو کس طرح برقرار رکھا جاسکتا ہے اور حفظان صحت کے لیے کیا کیا اَقدام اُٹھائے جاسکتے ہیں۔

''رسالہ در بارہ حفظان صحت'' کچھ ہی صفحات پر مشتمل ہے لیکن اُس میں صحت کے حوالے سے بہت ہی کارآمد باتیں بیان کی گئی ہیں، گو یہ بہت مختصر ہے مگر اَپنے موضوع پر بہترین اور کارآمد رِسالہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر آج بھی بکثرت بیماریوں اور صحت کے منافی باتوں سے بچا جاسکتا ہے۔ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی دیگر تصانیف کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو اِس رسالے میں قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عرفانی اَشعار نسبتاً بہت ہی کم نقل کیے گئے ہیں، اِس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ شاہِ ہمدان رحمہ اللہ موضوع کی مناسبت سے ہی کلام کرنا پسند کرتے ہیں۔ معاملہ چوں کہ حفظان صحت کا ہے، لہٰذا اُس میں ایک خاص طرز میں ہی موضوع کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کل ملا کر دیکھا جائے تو شاہ ہمدان رحمہ اللہ حفظان صحت کے لیے دو چیزوں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں: صحت مند خوراک (HEALTHY DIET) اور جسمانی ورزش (PHYSICAL EXERCISE) آپ رحمہ اللہ کے نزدیک صحت کا دارومدار کھانے پینے پر ہے، اِس حوالے سے آپ اِس حدیث کو نقل کرتے ہیں:

اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ كُلِّ دَاءٍ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ۔ (۱)

ترجمہ: معدہ تمام بیماریوں کا مسکن اور پرہیزگاری تمام دواؤں کی اصل ہے۔

اِس حوالے سے آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق معدہ تمام بیماریوں کا مسکن ہے کیوں کہ وہاں ہر قسم کے کھانے اور ہر طرح کے مشروبات جمع ہوتے ہیں، جن کی طبعی وفطری خاصیتیں الگ الگ

اور کوائف و تاثیر جدا جدا ہوتی ہیں......ان مختلف اور متضاد چیزوں کو ہضم کرنا اُس کے لیے مشکل اور دُشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کا معدہ خراب اور علیل ہوتا ہے۔ اَلبتہ! ایسا شخص جسے کم اَز کم کھانا ملتا ہو وَہ کھائے ہوئے خوراک کو اَچھی طرح ہضم کر لیتا ہے۔ اُس کا ہاضمہ اچھا ہوتا ہے۔ اُس کے معدے کو ہر چیز ہضم کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اُس کے لیے کوئی چیز ہضم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے.....''(۲)

اِس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ ایک تو کھانا کم کھانا چاہیے جو کہ ہاضمہ کے لیے اچھا ہے۔ دوسرا مختلف قسم کی خوراک کھانے کی عادت ڈالنی چاہیے تا کہ جسم کو متوازن غذا (BALANCED DIET) ملے۔

تیسری بات ہمیں یہ معلوم ہو جاتی ہے کہ مضر غذاؤں سے پرہیز کرنا دوائیوں کی اَصل اور مغز ہے۔ اگر ایک انسان پرہیزی پر مداومت اختیار کرے تو وہ بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ اگر کسی طرح کوئی بیماری لگ بھی جائے لیکن اُس کا اَثر پرہیز کی بدولت کم کیا جا سکتا ہے۔

شاہ ہمدان رحمہ اللہ کھانے پینے کے حوالے سے عادات (HABITS) کو بہت اہم مانتے ہیں، آپ لکھتے ہیں: ''عادت کو اِتنی اہمیت اور مقام حاصل ہے کہ اگر زَہر کھانے کی کسی کو عادت پڑ جائے تو اُس کے بدن میں زہر تریاق بن جاتا ہے.....''(۳)

آپ کے مطابق صرف ہلکی پھلکی غذائیں ہی نہیں بلکہ ثقیل غذاؤں کو کھانے کی بھی عادت ڈالنی چاہیے، کیوں کہ ہلکی پھلکی غذا اِنسان کے ہاضمے کو کمزور اَور نازک بنا دیتی ہے جب کہ ثقیل غذائیں کھانے سے بیماری لگنے کا اندیشہ بہت کم رہتا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''اگر چہ اچھی اور عمدہ غذا اَچھی ہے لیکن جلد متغیر اور ہضم ہوتی ہے اور اِنسان معمولی سبب پر بیمار پڑ جاتا ہے، دیہاتی، صحرا نشین، ترک، کرد، عرب بدو اَور چرواہوں کی عمر لمبی ہوتی ہے اور اَکثر (ثقیل غذائیں کھانے کی وجہ سے) تندرست رہتے ہیں.....''(۴)

لطیف غذاؤں کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ لطیف چیزیں دوسروں کی نسبت جلد متأثر ہوتی ہیں اور کثیف و ثقیل چیزیں دوسروں کے مقابلے میں تاخیر سے متأثر ہوتی ہیں۔ آپ کے نزدیک کھانے کی چیزوں کے بارے میں عادت کا بہت عمل دخل ہے اور کھانے پینے کی عادات کی بنا پر نفع اور نقصان موروثی بھی ہوتے ہیں، یعنی اُس میں والدین کے عادات کے اَثرات منتقل ہوتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: ''اُس میں ماں باپ کی عادت کو بھی دخل ہے کیوں کہ روح اور جسم کے لیے نقصان دہ باتیں ماں باپ سے موروثی طور پر منتقل ہوتی ہیں.....''(۵)

شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے نزدیک وَرزِش صحت پر بہت ہی اہم اثرات مرتب کرتی ہے۔

مشقت کرنے والے اور مشقت نہ کرنے والے لوگوں کے بارے میں آپ یوں رقم طراز ہیں:

''جو کوئی مشقت نہیں کرتا اُس کی تھوڑی اور معمولی بھاگ دوڑ اَور حرکت سے غذائی مواد تحلیل ہو جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے۔ اُسی طرح جو سخت محنت کا عادی ہو جب وہ حرکت و مشقت اور رِیاضت کو ترک کر دے تو وہ بھی بیمار ہو جاتا ہے.....''(۶)

آپ حفظان صحت کے اُصولوں کی رعایت کو بہت حد تک اہم اور ضروری مانتے ہیں۔ آپ کے نزدیک اچھی صحت کے لیے ماہرینِ طب کے مشوروں پر عمل کرنا لازمی ہے۔

آپ لکھتے ہیں: ''جس کسی کو غذا کم ملتی ہو اُسے زیادہ خوراک کھلائی جائے جیسا کہ اطبا کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اُسے حفظان صحت کے اُصولوں کی رعایت کرنی چاہیے، وگرنہ قسم قسم کی بیماریوں کا شکار ہو جائے گا...''(۷)

شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے نزدیک علم طب کی بنیاد تجربے پر ہوتی ہے اور اَمراض کی تشخیص (DIAGNOSIS) تجربے کی بنیاد پر ہی کی جا سکتی ہے۔

علم طب اور تمام علاج کی بنیاد تجربہ پر ہے۔ آپ بیماروں کے لیے اُس غذا کو اچھا گردانتے ہیں جو مقوی اور ٹھوس ہو۔ آپ افراط و تفریط سے گریز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرتاض لوگوں کے معمولات میں جب کوئی غیر معمولی سختی یا اِفراط واقع ہو جاتا ہے تو وہ بیمار ہو جاتے ہیں''.....(۸)

اچھی صحت کے لیے آپ اچھی اور مقوی غذا کھانے کا مشورہ دیتے ہیں جیسے بھنا چاول، (پلاؤ) بریانی، موٹا گوشت، چربی، روٹی، نیم پختہ کباب، کوئلوں پر پکی روٹی، دہی اور گھی وغیرہ ......شیرینی کو حفظانِ صحت کے لیے نامناسب گردانتے ہیں جیسے یہ آج کل بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے کہ دنیا بھر میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد ذیابیطس (DIABETES) میں مبتلا ہے اور حفظانِ صحت کے معاملے میں بہت پریشان ہے...... اِس سلسلے میں آپ آج سے سات سو سال پہلے نسخہ دیتے ہیں کہ شیرینی میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اور یہ اکثر لوگوں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے......(۹)

وہ لوگ جو زِیادہ مشقت کے عادی نہیں ہوتے ہیں اُن کے لیے وہ اِن غذاؤں کو تجویز فرماتے ہیں، جیسے: نان جو، نان گندم، لسی، گھی، چاول کا سوپ (کھیر)، چھوٹا گوشت، سرکہ وغیرہ ......لسی اور گھی تمام صحت مندوں کے لیے موزون اور موافق فرماتے ہیں۔ مذکورہ غذاؤں کو آپ حفظانِ صحت کے لیے مقوی، ٹھوس اور مفید قرار دیتے ہیں......

آپ عام طور پر میوہ کھانے کو حفظانِ صحت کے منافی گردانتے ہیں۔ اگر چہ آپ ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک دو عدد میوے کھانے کی عادت بنائی جائے تو اُس سے مثبت نتائج

برآمد ہوسکتے ہیں۔ آپ کے نزدیک اگر میوہ جات کھانے کی عادت ڈالی جائے تو ممکن ہے کہ وہ حفظ صحت کا موجب بن جائے، مثلاً انگور، خربوزہ، اَنار وغیرہ۔

یہاں پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جدید میڈیکل سائنس کی رُو سے یہ بات زیادہ درست نہیں مانی جاسکتی کہ میوہ کھانے سے صحت خراب ہوجائے، اِس صورت حال میں آپ کی آرا کو اِس مخصوص دور کی محدود طبی تحقیقات کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے اور اس ضمن میں آپ سے اختلاف کی گنجائش ممکن ہے۔ اُسی طرح آپ حمام (سوئمنگ پول) میں نہانے، دن کے وقت سونے اور مجامعت کرنے کو حفظانِ صحت کے لیے بہت نقصان دہ قرار دیتے ہیں۔

حفظانِ صحت اور کھانے کی مقدار کے بارے میں قرآن مجید کی آیت: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ (کھاؤ، پیو اَور حد سے نہ بڑھو) سے اِستدلال کرتے ہوئے آپ رحمہ اللہ اشارہ دیتے ہیں کہ کم خوری اور اِسراف کے درمیان توازن قائم رکھا جائے، نہ تو اِتنا کم کھائیں کہ بیماریوں کا شکار ہوجائیں اور نہ ہی حد سے زیادہ کھائیں کہ صحت پر مضر اَثرات مرتب ہوں۔

آپ کے نزدیک خورد ونوش کے بارے میں کسی ملک کی آب وہوا کا لحاظ بھی رکھا جانا چاہیے کہ مختلف ملکوں میں رہنے والے لوگ مختلف غذائیں کھاتے ہیں، جو اُن کی عادات، مزاج اور ماحول کے مطابق ہوتی ہیں جیسے: ترکستان، کوہستان اور سرد ملکوں کے لوگ اکثر لسی، دہی اور گھی کھاتے ہیں جب کہ ہندوستانی لوگ جڑی بوٹیاں اور گرم مسالہ جات کا اِستعمال کرتے ہیں۔

آپ ضرورت کے وقت پانی یا دیگر مشروبات پینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ خاص کر وہی مشروبات بہتر قرار دیتے ہیں جن کو پینے کی عادت ہو۔ قوت اَفزا میوہ جات پابندی سے اِستعمال کرنے کا مشورہ بھی دیتے ہیں، جب کہ خشک مما لک کے میوہ جات سے پرہیز کرنے کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔

نشہ آور مشروبات سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نشہ آور مشروبات کے پینے سے حفظانِ صحت کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، کیوں کہ نشے سے سر دَرد ہوتا ہے جو خود ایک بیماری ہے اور بیماری کیوں کر صحت کو قائم رکھ سکتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ یہاں شاہ ہمدان نشہ آور مشروبات کے طبی نقصانات کو بیان کرتے ہیں نہ کہ اُن کی شرعی حرمت کو (جو کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے) حالاں کہ وہ یہاں ایک مذہبی عالم کی زبان میں بات کرسکتے تھے۔ اِس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب وہ طب کے موضوع پر کلام کرتے ہیں تو اُس علم کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ہی بات کرتے ہیں اور اِسلامی احکامات کی حقانیت واضح کرنے کے لیے دنیوی علوم کے اِستعمال کو بخوبی جانتے ہیں۔ آپ جسمانی مشقت

(PHYSICAL ACTIVITY) کی اہمیت کو وَاضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حرکت کرنے، بوجھ اُٹھانے اَور دوڑ لگانے میں حفظانِ صحت کو عظیم فائدے ہیں، اُن باتوں میں اُن لوگوں کی پیروی کرنی چاہیے جو اِن باتوں کے عادی ہوتے ہیں، جیسے خوب پیدل چلنا، کمان کھینچنا وغیرہ۔''(۱۰)

آخر کتاب میں آپ ایک بار پھر سے اِس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ کھانے پینے اور جملہ معاملات میں میانہ روی اختیار کی جائے تا کہ اچھی صحت کو برقرار رَکھا جا سکے۔ آپ خبردار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آگاہ رہے کہ کسی بھی بات میں مبالغہ نہ کرے اور حد سے نہ بڑھے۔''(۱۱)

حوالہ جات

۱۔ مجموعہ رسائلِ شاہ ہمدان: رسالہ حفظانِ صحت: مترجم: غلام حسن حسنو: ہارون بکس اینڈ سپورٹس سنٹر، خپلو، ص:۱۸۵

۲۔ محولہ بالا، ص:۱۸۵

۳۔ محولہ بالا، ص:۱۸۵

۴۔ محولہ بالا، ص:۱۸۶

۵۔ محولہ بالا، ص:۱۸۶

۶۔ محولہ بالا، ص:۱۸۶

۷۔ محولہ بالا، ص:۱۸۶

۸۔ محولہ بالا، ص:۱۸۷

۹۔ محولہ بالا، ص:۱۸۷

۱۰۔ محولہ بالا، ص:۱۹۰

۱۱۔ محولہ بالا، ص:۱۹۰

●●●

میر امتیاز آفریں[1]

اَوراد فتحیہ: وظیفۂ توحید

توحید''وحدت'' سے بنا ہے جس کا معنی ہے: ایک کو ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا۔ ائمہ لغت کے مطابق اللہ کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، کمالات، اختیارات اور افعال میں واحد و یکتا ہے ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ۔(۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام کا بنیادی عقیدہ جو اُسے دیگر تمام ادیان سے منفرد بنا دیتا ہے عقیدۂ توحید ہے۔ دین اسلام میں توحید کی وہی اہمیت ہے جو جسمِ انسانی میں قلب و دماغ کی ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ تمام انبیائے کرام کو دعوت توحید کے ساتھ ہی عالم انسانیت کے لیے مبعوث فرمایا گیا۔ اسلام میں سب سے عظیم نیکی عقیدۂ توحید کے ساتھ تمسک ہے اور سب سے بڑا اور گھناؤنا جرم شرک ہے۔ اسلام کا عقیدۂ توحید ان تمام دروازوں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیتا ہے جو شرک کے نزدیک بھی لے جانے والے ہوں۔ لہٰذا اِسلام میں جو معاملے بڑے حساس ہیں ان میں عقیدۂ توحید سرفہرست ہے۔

شریعت کی اصلاح میں عقیدۂ توحید کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے حنفی مسلک کے جلیل القدر امام اور محدث امام طحاویؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''العقیدہ الطحاویہ'' میں لکھتے ہیں:

''توفیق ایزدی کے ساتھ توحید باری تعالیٰ سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ کائنات کی کوئی بھی چیز اس کی مثل نہیں اور نہ ہی کوئی چیز اسے عاجز کر سکتی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ قدیم ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں

---

(۱) مرتب کتاب ہذا

اور وہ دائم ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ ذات نہ فنا ہوگی اور نہ ہی ختم ہوگی۔ اس جہاں میں وہی کچھ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ انسانی خیالات اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ مخلوق کے ساتھ اس کی تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ وہ زندہ ہے اُسے موت نہیں آئے گی، وہ محافظ ہے اُسے نیند نہیں آتی۔ وہ سب کائنات کا خالق ہے حالاں کہ اُسے اس کی کوئی حاجت نہیں اور وہ سب کا رزاق ہے بغیر کسی تکلیف کے۔ وہ سب کو موت کی نیند سلا دینے والا ہے بغیر کسی ڈر کے اور سب کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہے بغیر کسی مشقت کے۔

وہ ہمیشہ سے اپنی تمام تر صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جن اوصاف سے متصف تھا، مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کے کسی وصف میں اضافہ نہیں ہوا، وہ اپنی جملہ صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ ہر کام اس کے لیے آسان ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کی کوئی مثال نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ خداوند ذوالجلال نے مخلوق کو اَپنے علم سے پیدا کیا۔ خدا تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں بنائیں۔ کائنات کی ہر چیز اُس کے ارادے کے مطابق چلتی ہے۔ اس جہان میں اسی کی مشیّت نافذ العمل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ عدل و اِنصاف کی بنیاد پر جسے چاہتا ہے گمراہ، رسوا، اور آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔

تمام دنیا اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اس کے فضل و کرم اور عدل و انصاف کے مابین زندگی کے مختلف مسائل سے دوچار ہے۔ وہ ذات ہمسروں اور شرکا سے بلند تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اُس کے حکم کا کوئی تعاقب نہیں کر سکتا اور اُس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں۔ ہم کلیتہً (مکمل) اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا یقین کامل ہے کہ ہر چیز اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ (۲)

چناں چہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ (اشیا کی صحیح پہچان اُن کے اضداد کی پہچان سے ہوتی ہے)، توحید خدائے واحد کو لاشریک اور یکتا و یگانہ ماننے کا نام ہے اور کسی کو اُس کا ساجھی، حصہ دار یا برابر کا شریک ٹھہرانے کا نام شرک ہے۔

''اورادِ فتحیہ'' حضرت شاہ ہمدان میر سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا عربی زبان میں ایک مقبول و معروف رسالہ ہے اور یہ ان اوراد و اذکار کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف مشائخ طریقت سے حاصل کیے۔ آپ ان اذکار کا ورد خود بھی کیا کرتے تھے، اپنے مریدین کو بھی اُنھیں حرز جان بنانے کی تلقین کرتے تھے اور آپ نے اہل کشمیر کو بھی اُسے ہر روز ورد کرنے کی تلقین کی اور یہی

وجہ ہے کہ کشمیر میں اورادفتحیہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو زبانی حفظ ہے۔اورادفتحیہ کے پڑھنے میں ایک خوب صورت صوتی آہنگ محسوس ہوتا ہے اور اس میں ایک ملکوتی غنا اور عجب مٹھاس موجود ہے جو سننے والوں کو مسحور کر دیتی ہے اور ایسا اس لیے ہے کہ یہ قرآنی و مسنون اذکار کا ایک خوب صورت مرقع ہے اور اُسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مقبولیت عنایت ہوئی ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اورادفتحیہ چار سو اولیا وصالحین کے کلام کا مجموعہ ہے اور یہ کبار صلحا کا وظیفہ رہا ہے۔چوں کہ اورادفتحیہ زیادہ تر ان کلمات اور اسمائے حسنیٰ پر مشتمل ہے جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں موجود ہیں لہٰذا اس میں اسلامی عقائد وتعلیمات کی روح دیکھنے کو ملتی ہے۔

''اورادفتحیہ'' کے ذریعے شاہ ہمدانؒ نے لوگوں کو اہل السنہ والجماعت کے بنیادی عقائد کا ایک دلکش تعارف دیا اور اُنھیں عقیدے کی باریکیوں سے آگاہ کیا۔اورادفتحیہ میں اسلامی عقائد کو خشک فلسفیانہ انداز کے بجائے ایک عام فہم اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ہمدانؒ نے اس کے ذریعے توحید، ارکانِ ایمان و اسلام کے ساتھ ساتھ واسطۂ رسالت کی اہمیت، خلفاء راشدین، اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام کی محبت کا بھی خوب صورت تعارف عوام کے دلوں میں راسخ کر دیا اور آپ نے یہ سب اس دور میں کیا جب چاروں طرف شرک اور جہالت کا دور دورہ تھا۔اورادفتحیہ کے ذریعے آپ نے اللہ کی حمد وثنا اور اُس کی احدیت وصمدیت کا کبھی نہ ختم ہونے والا پرچار کروایا۔کل ملا کر دیکھا جائے تو اورادفتحیہ میں حضرت شاہ ہمدانؒ نے سب سے زیادہ کلمات توحید باری تعالیٰ پر جمع کیے ہیں اور اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تمام توجہات وتعلیمات کا مرکز توحیدِ باری تعالیٰ ہے اور آپ اسی رنگ میں اپنے معتقدین کے قلوب واذہان کو رنگنا چاہتے ہیں۔

علما توحید کی کئی قسمیں بیان کرتے ہیں، یہاں پر ہم علامہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی کتاب ''التوحید'' (۳) سے کچھ اقسام کا تذکرہ کر کے اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ نے اورادفتحیہ میں کس طرح توحید کی مختلف اقسام پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۔توحید فی الذات

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک وہمسر نہیں، اس کی بیوی نہیں، اس کے والدین اور اولاد نہیں۔

''اورادفتحیہ'' میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ابتدائی حصے میں ہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّار۔ (اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ایک ہے اور قہر کرنے والا ہے۔)

کے مقدس کلمات سے اللہ کے یکتا و یگانہ ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور آگے کمال کی جامعیت کے ساتھ خالق کائنات کا تعارف دیا گیا ہے:

لا الہ الا اللہ صاحب الوحدانیّۃ الفردانیّۃ القدیمیّۃ الازلیّۃ الابدیّۃ۔ لیس لہ ضدّ وّلا ندّ وّلا شبہ وّلا شریک لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد۔ (۴)

(ترجمہ: اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو صرف ایک واحد منفرد اور ہمیشہ رہنے والی ذات ازل سے لے کر اَبد تک، جس کی نہ کوئی ضد ہے، نہ کوئی مثل اور نہ ہم شکل، نہ کوئی اس کا شریک ہے اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ایک ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں، جس کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں۔)

اسی مضمون کو آگے کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے: سبحان اللہ الواحد الاحد، سبحان اللہ الفرد الصّمد، سبحان اللہ رافع السّمٰوٰت بغیر عمد، سبحان اللہ الذی لم یتّخذ صاحبۃ وّلا ولدا۔ سبحان اللہ الذی لم یلد ولم یولد، ولم یکن لّہ کفوا احد۔ (۵)

(ترجمہ: پاک خدا ذات وصفات میں فقط ایک ہے، پاک اللہ فقط ایک اور بے نیاز ہے، پاک اللہ آسمانوں کو بلند کرنے والا ہے بغیر ستونوں کے، پاک اللہ نے نہ تو اختیار کی ہے بیوی اور نہ اولاد۔ اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے نہ تو کسی کو جنا ہے اور نہ دوسروں سے جنا گیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی برابر اور ہمسر ہے۔)

آگے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو عارفانہ اور حکیمانہ انداز سے کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں: یامن تقدّس عن الاشباہ ذاتہ وتنزہ عن مّشابہۃ الامثال صفاتہ۔ یامن دلّت علیٰ وحدانیّتہ اٰیٰتہ وشہدت بربوبیّتہ مصنوعاتہ واحدلاّ من قلّۃ وّ موجود لا من علّۃٍ۔ (۶)

(ترجمہ: اے وہ خدا جس کی ذات ہم شکل ہونے سے پاک ہے اور جس کی صفتیں مثل ہونے سے بری ہیں۔ اے وہ خدا جس کے ایک ہونے پر نشانیاں دلالت کرتی ہیں اور جس کے پروردگار ہونے پر اس کی بنائی ہوئی چیزیں گواہ ہیں جو کسی کمی کی وجہ سے ایک نہیں جو کسی سبب کی وجہ سے موجود نہیں۔)

۲۔ توحید فی الصفات

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

اوراد فتحیہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ ہر اسم اللہ تعالیٰ کی کسی خاص صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کے تکرار کے ساتھ ساتھ اللہ کے بہت سے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جیسے 'لا الہ الا اللہ الملک

الجبّار۔لا الٰہ الّا اللہ الواحد القہّار۔لا الٰہ الّا اللہ العزیز الغفّار۔

آگے لیس کمثلہ شیء۔(اس جیسا کوئی نہیں) کے تذکرے سے اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ ذات کی طرح صفات میں بھی اللہ رب العالمین کا کوئی شریک وہمسر نہیں ہے۔

اوّل قدیم بلا ابتداء وّ اُخر کریم بلا انتہاء وغفر ذنوب المذنبین کرماً وّ حلماً یامن لّیس کمثلہ شیء وھو السّمیع البصیر۔(۷)

(ترجمہ: وہ (اللہ) بغیر ابتداء کے پہلا اور ہمیشہ رہنے والا اور بغیر انتہا کے سب سے اخیر اور سخی ہے۔اور جس نے گناہگاروں کے گناہ اپنے کرم اور نرمی سے معاف کئے اور اے وہ ذات جس کے مثل کوئی چیز نہیں جو بہت سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔)

۳۔توحید فی العبادت

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا عبادت کا حقدار اور کوئی نہیں۔شریعت کے مطابق عبادت محبت، تعظیم اور خوف کی انتہائی حالتوں کے مجموعے کو کہتے ہیں چوں کہ اللہ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اسی لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، لہٰذا بندوں پر یہ اللہ کا حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور سی سے مدد مانگیں جیسا کہ قران مجید کی پہلی ہی سورت میں بندوں کو دعا سکھائی گئی ہے: ایّاك نعبد وایّاك نستعین یعنی ہم تیری ہی عبادت کریں اور تجھ ہی سے مدد چاہیں۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اورادِ فتحیہ میں سب سے زیادہ تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا کیا گیا ہے جس کے ذریعے قاری بار بار اس بات کو دہراتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

لا الٰہ الّا اللہ ولا نعبد الّا ایّاہ۔یعنی کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔گویا بندہ اللہ کی ہی عبادت و بندگی کا اعادہ کرتا ہے اور عرفان کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ اس کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں: سبحانك ما عبدنٰك حقّ عبادتك۔(۷)

یعنی (اے اللہ) پاک ہے تو، ہم نے تیری عبادت جیسا کہ تیرا حق تھا نہیں کی۔

۴۔توحید فی القدرت

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا اختیار و قوت کا مالکِ حقیقی اور قادر بالذات ہے یعنی وہ تصرفات جو صرف اللہ کے لیے خاص ہیں مثلاً اس کے خالق و قادرِ مطلق ہونے، نفع ونقصان کا مالک اور متصرف بالذات ہونے کا اثبات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ماننا توحید فی القدرت کہلاتا ہے۔

اورادِ فتحیہ کے ابتدائی حصے میں ہی لا الٰه الّا الله وحدہ لا شریك له له الملك و له الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر جیسے کلمات دیکھنے کو ملتے ہیں جنھیں ۱۰ مرتبہ دہرانے کی ہدایت دی گئی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ قارئین وسالکین کے قلوب میں یہ بات راسخ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے سارا ملک، جملہ اختیارات وتعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

یفعل الله ما یشاء بقدرته ویحکم ما یرید بعزّته الا الی الله تصیر الامر۔ (۹)

(ترجمہ: خدائے تعالیٰ اپنی قدرت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی عزت مندی سے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، جان لو کہ تمام چیزیں خدا کی طرف لوٹتی ہیں۔)

۵۔ توحید فی الدعا

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اکیلا وتنہا حقدار ہے کہ جملہ دعائیں اور اِلتجائیں اور مناجات اس سے کی جائیں، اسی کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے جائیں، شدائد ومصائب میں صرف اور صرف اسی پر توکل کیا جائے۔ حقیقی مستجاب الدعوات اسی کی بارگاہ ہے۔

حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ اورادِ فتحیہ میں بار بار اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ مومن جب بھی کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے یا گردشِ ایام اُسے پریشان کرتی ہے تو وہ صرف اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی ساری حاجتیں اسی کے سامنے رکھتا ہے اور اِمداد طلب کرتا ہے کیوں کہ اللہ کے بغیر کسی کے پاس کوئی مستقل اور کلی اختیار نہیں ہے، لہٰذا یہی بندگی کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کے حضور گڑگڑا کر گریہ وزاری کی جائے اور جملہ حاجتیں اُسی سے طلب کی جائیں۔ چوں کہ اورادِ فتحیہ میں یہ دعائے ماثورہ اسی حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے: اللھمّ لا مانع لما أعطیت ولا معطی لما منعت، ولا رادّ لما قضیت، ولا ینفع ذا الجَدِّ منك الجدُّ۔ (۱۰)

یعنی اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی نہیں روک سکتا، جو چیز تو نہ دینا چاہے اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا، جس چیز کا تو فیصلہ کر دے اُسے کوئی لوٹا نہیں سکتا اور نہیں فائدہ دیتی ہے تیرے سامنے دولت مند کی دولت مندی۔

اورادِ فتحیہ میں حسبنا الله ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر جیسے عظیم کلمات کو تین بار دُہرانے کی ہدایت دی گئی ہے جس میں بندہ اس بات پر اپنا یقین کامل ظاہر کرتا ہے کہ اس کے لیے اللہ ہی کافی ہے جو بہترین کارساز، بہترین آقا اور بہترین مددگار ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ان کلمات کو دَرج کرتے ہیں: حسبنا الله و کفیٰ سمع الله لمن دعا لیس وراء الله المنتھیٰ من اعتصم بالله نجی۔ (۱۱)

یعنی ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور خدا نے سن لیا جس نے بھی اسے پکارا، خدا کے بعد (مرادوں) کی اور کہیں اِنتہا نہیں، جس نے اللہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا وہ نجات پا گیا۔

ایک اور مقام پر اِس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ مومن کے لیے دنیا و آخرت کے ہر مرحلے پر اللہ کا سہارا کافی ہے: حسبنا الله لدیننا، حسبنا الله لدنیانا، حسبنا الله لما اهمنا...حسبی الله الّذی لا اله الّا هو، علیه توکّلت و الیه انیب۔ (۱۲)

ترجمہ: اللہ ہمیں دین کے لیے کافی ہے، کافی ہے اللہ ہماری دنیا کے لیے۔ اللہ ہمیں اس چیز کے لیے کافی ہے جو ہمیں غمگین بنائے۔ اللہ ہمیں اس شخص کے لیے کافی ہے جو ہمارے اُوپر ظلم کرے، اللہ ہمیں اس شخص کے لیے کافی ہے جو ہم سے حسد کرے۔ اللہ ہمیں اس شخص کے لیے کافی ہے جو ہمارے ساتھ بُرائیاں کرے۔ اللہ ہمیں موت کے وقت کافی ہے۔ کافی ہے اللہ ہمارے لیے قبر کے وقت، حساب کے وقت، سوالوں کے وقت، پل صراط کو پار کرنے کے وقت، (اعمال کو) تولنے کے وقت، جنت و دوزخ میں جانے کے وقت اور اپنے دیدار کے وقت۔ خدا ہی کافی ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میں لوٹوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیائے کرام ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ استوار کرنے اور جملہ حاجات اسی سے طلب کرنے کی تعلیم دیتے رہے کیوں کہ وہی کارسازِ حقیقی ہے۔ چوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اِن یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِن یُّرِدۡكَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ ؕ یُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ۔ (۱۳)

ترجمہ: اور اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اُسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے تو کوئی اس کے فضل کو ردّ کرنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے، اور وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

ایک طرف اگرچہ یہ بات خوش آئند ہے کہ کشمیر میں آج بھی لوگ حضرت شاہ ہمدانؒ کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتے ہیں، خانقاہ معلیٰ میں حاضری دیتے ہیں، مساجد اور گھروں میں ''اورادِ فتحیہ'' پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، مگر دوسری طرف بدقسمتی سے ان کے افکار و نظریات سے جڑنے کی کوشش نہیں کرتے، اورادِ فتحیہ کے معانی و مفاہیم پر غور و خوض نہیں کرتے اور نتیجتاً ہم اورادِ فتحیہ کے فیوضات سے محروم ہو گئے ہیں۔ جس توحید کا پرچار کرنے کے لیے آپ نے اپنی ساری زندگی لگا دی، اس کی چھاپ ہمارے عقائد و اعمال میں کہیں نظر نہیں آتی۔

پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی لکھتے ہیں:

''کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس ملت میں اورادِ فتحیہ جیسا توحید پرور وظیفہ ہو پھر بھی وہ

شرک وبدعت کی گھٹاٹوٹ اندھیرے میں بھٹک رہی ہو۔شاید توحید باری کا درس بار بار ذہن نشین کرانے کے پیش نظر ہی حضرت میر سیّدعلی ہمدانیؒ نے مسلمانان کشمیر کے لیےاورادفتحیہ کا بآواز بلند ورد تجویز فرمایا تھا۔مگر چوں کہ لوگ اس اوراد کو بغیر سمجھے پڑھتے ہیں،اسی لیے اس اوراد میں مضمر تعلیمات توحید سے ان کو آشنائی نہیں حاصل ہو پاتی ہے۔''(۱۴)

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ''اورادفتحیہ'' کو پڑھ کر سمجھا جائے،اس پر تدبر وتفکر کیا جائے،اس کی روشنی میں اپنے عقائد واعمال کا جائزہ لیا جائے اورتوحید کے نور سے اپنی زندگی کو آراستہ کیا جائے تاکہ ہم صحیح معنوں میں توحید کے علمبردار بن کر اَپنے معاشرے کوشرک وجہالت سے پاک کر کےتوحید کی بنیادوں پر استوار کرسکیں۔

حوالہ جات

۱۔کتاب التوحید:علامہ ڈاکٹرمحمد طاہرالقادری،جلد:۱،ص:۴۴،ادبی دنیا

۲۔العقیدہ الطحاویہ اردوترجمہ:محمود احمد غضنفر،ص:۵-۸،مرکز الدعوۃ الاسلامیہ

۳۔کتاب التوحید:علامہ ڈاکٹرمحمد طاہرالقادری،جلد:۱،ص:۱۲۳-۱۲۵،ادبی دنیا

۴۔اورادفتحیہ مترجم بزبان اردو،ص:۲۰،شیخ محمد عثمان اینڈسنز تاجران کتب،سری نگر

۵۔محولہ بالا،ص:۲۴

۶۔محولہ بالا،ص:۳۱-۳۲

۷۔محولہ بالا،ص:۳۳

۸۔محولہ بالا،ص:۲۳

۹۔محولہ بالا،ص:۳۴

۱۰۔محولہ بالا،ص:۲۲

۱۱۔محولہ بالا،ص:۳۵

۱۲۔محولہ بالا،ص:۳۷-۳۹

۱۳۔القرآن،سورۂ یونس،آیت:۱۰۷

۱۴۔کشمیر میں اسلام،حمید نسیم رفیع آبادی،ص:۱۵-۱۶،میزان پبلشرز،سری نگر

●●●

پیغامات

مفتی اعظم ہند، فضیلۃ الشیخ ابوبکر احمد ملیباری (۱)

شاہ ہمدانؒ کے احسانات وکمالات کو عام کریں

الحمد للہ الذی تفرد بالبقاء، و حتجب عن الابصار، والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ نبینا المویذ بالمھاجرین والانصار و علی آلہ و صحبہ و شیوخ الطریقۃ الذین حفظوا مقامات الاحسان و اصول الدّین صلاۃ و سلاما دائمین متلازمین ما اظلھم اللیل واضاء النھار اجمعین۔ امابعد!

کشمیر میں اشاعتِ اسلام وتصوف کی خاطر چودہویں صدی عیسوی میں ایک عظیم کارواں واردِ کشمیر ہوا۔ جو علما ومشائخ، سادات صوفیا، اور سوداگروں پر مشتمل تھا، جن کا مقصد نہ تو حصول مال وزر تھا نہ ہی حصول جہانبانی وسرداری، بلکہ یہ قافلہ عشق الٰہی، نور نبویؐ، سے معمور اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار، باشندگان کشمیر کو اُخوت انسانی، سلیقۂ زندگانی سکھانے، اور دین محمدی کے نور سے پورا کشمیر جگمگانے آیا تھا۔ اس قافلہ کے امیر کبیر کا اسم گرامی میر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ تھا جو خود ایک عظیم مفکر جس کی رہنمائی وسالاری کا اعتراف کشمیری حکمرانوں، علماومفتیان، اولیا وصوفیا بلکہ عوام الناس نے بھی کیا۔ ایک عظیم مصنف جس نے تقریباً ۱۷۰ رتصنیفات بطور یادگار چھوڑیں۔ ایک عظیم صوفی، ولی اللہ جس کے مساعیٔ مشفقانہ نے کشمیر میں لاکھوں افراد کو حلقہ بگوش اِسلام کردیا۔

برصغیر ہند کے مسلمانوں کے لیے حضرت شاہ ہمدانؒ کا طریقۂ تبلیغ بڑی شدت سے لازم ہوجاتا ہے، خاص کر اِس نازک دور میں کہ جہاں فرقہ پرست طاقتوں نے سارے سماج کو اَپنے نرغے میں لے رکھا ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ نے اپنے جذبۂ محبت اور سیاسی تدابیر کی بنیاد پر کشمیری

---

(۱) رئیس مرکز الثقافۃ السنیۃ الاسلامیۃ یونیورسٹی، کارنتھور ضلع کالی کٹ، کیرالا، ہند

عوام کے دلوں کو فتح کر کے حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے ساز گار ماحول تیار کیا ۔

کیا شاہ ہمدانؒ نے اپنے مریدین اور باہنر ساتھیوں کے ذریعہ کشمیر کے دور دراز پہاڑی علاقوں میں جدید قسم کی درسگاہیں یعنی اس دور کی یونیورسٹیاں، شفاخانے، شہروں، گاوں اور پھر گھر گھر ہنرمندی کے مراکز قائم نہ کیے؟ کیا علم تصوف، عشق الٰہی، تطہیر قلب، باہمی انسانی محبت والفت کے حصول کے لئے بلاتفریقِ مذہب خانقاہیں قائم نہ فرمائی؟ کیا حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حکومت رانی اور حکومت سازی کے پیانے نہ بنائے؟ واقعی طور پر آپ نے کشمیر کے حکمرانوں اور عوام دونوں پر حکمرانی فرمائی۔ دور حاضر میں ضرورت اس بات کی ہے کہ فکرِ شاہ ہمدانؒ کو مشعل راہ بنا کر ہند کے علما، صوفیا، سیاست دان اور سرمایہ دار آگے آئیں اور تعمیر ملت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کریں۔ اِس دور میں ضرورت اس بات کی تھی کہ شاہ ہمدانؒ کے روحانی وعلمی کمالات سے ناواقف لوگوں کو ان کے احسانات وکمالات کو یاد کرایا جائے اور ان کا صحیح تعارف پیش کیا جائے تو اس سمت وادیٔ کشمیر میں ''رضائے مصطفی فاؤنڈیشن'' نے بروقت قابل تقلید قدم اُٹھایا۔ اولاً ایک سیمینار منعقد کر کے اصول وضوابط اور مبادیات کو جمع کیا، اور پھر ملک کے نامور علماو مشائخ اور دانشورانِ قوم کو مدعو کیا، جنھوں نے اپنے تحقیقی مقالوں، تحریروں کو پیش کر کے حضرت شاہ ہمدانؒ کے علمی وروحانی کاموں کو اجاگر کر کے قوم کے سامنے پیش کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میر امتیاز آفریں، موسس ''رضائے مصطفیٰ فاونڈیشن''، پیر منظور صاحب ''چیئرمین رضائے مصطفیٰ فاونڈیشن'' اور تمام کارکنانِ فاونڈیشن، کی کاوشوں، اور جملہ مقالہ نگاروں کی تحریروں کو قبول فرمائے اور قارئین کے لیے نافع بنائے۔

(آمین بجاہ سید المرسلین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین)

ابوبکر احمد ملیباری

20رذوالقعدہ 1442 بمطابق یکم جولائی 2021ء

●●●

ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری کاندی([1])

شاہ ہمدانؒ کے طرز تبلیغ سے سبق لیں!!

الحمد لله الذی اعز من شاء بطاعته واذل من شاء بمعصیه، والصّلوة والسّلام علیٰ من لا خیر الا فی اتباعه ولا فلاح الا بسلوك طریقته، ولا رام بغیر عنایته وعلی آله وصحبه ومن سلك طریقته الی یوم یبعثون۔ امابعد!

ہندستان کے تقریباً اکثر حصوں پر انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے صوفیائے کرام وصالحین عظام کی ذات بابرکات کا ورودِ مسعود ہوتا آیا ہے مثلاً برصغیر ہند میں پہلے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ جو سلطان محمود غزنوی کے بیٹے شاہ ناصر الدین کے زمانے میں 1030 تا 1040ء میں لاہور تشریف لائے۔ اس کے بعد تقریبا 13ویں صدی کے اوائل میں سُلطان الہند حضرت خواجہ سیّد محمد معین الدین چشتی رحمہ اللہ (1142ء-1236ء) تشریف لائے۔ بالکل اسی طرح وادئ کشمیر میں حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کا ورود مسعود پہلی بار 774 ہجری میں ہوا۔ اس وقت کشمیر کے حکمران سلطان شہاب الدین تھے۔ اس دورے میں آپ نے چھ ماہ تبلیغ دین فرمایا۔ دوسری مرتبہ 781ھ میں تشریف لائے جب کہ قطب الدین والی کشمیر تھے۔ اس موقع پر آپ نے کم وبیش ایک سال کشمیر میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ نے کشمیر کے قریہ قریہ کا دورہ فرمایا اور لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ 783ھ میں آپ نے لداخ سمیت ترکستان کا بھی سفر کیا۔ تیسری بار 785ھ میں تشریف لائے اور وادی کشمیر کو اِسلام کا گڑھ بنادیا۔ تقریباً 700 مریدین وخلفا کو کشمیری عوام کی خدمت ومحبت پر مامور فرمایا جنھوں نے کشمیر بھر میں خانقاہیں، مساجد اور محلات تعمیر فرمائے۔ اہلیانِ کشمیر کو جہاں ایک طرف روحانی وایمانی ترقی دلائی وہیں

---

(1) مینیجنگ ڈائریکٹر: مرکز نالج سٹی، کالی کٹ، کیرالا، ہند

دوسری طرف صنعت وحرفت کی طرف برابر توجہ فرما کر کشمیر کو اقتصادی طور پر اپنی ہم عصر ریاستوں پر سبقت دلائی اور کشمیر میں ایسے کارنامے سرانجام دیے جن کو رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا جس کی جھلک قلمکاروں نے کتابِ ہذا میں جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

حضرت شاہ ہمدانؒ کی خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ الفاظ میں ان کا احاطہ کرنا بہت ہی مشکل ہے، ان کی تصنیفات وتالیفات، اسفار وتعمیرات اتنے ہیں کہ اس کو کماحقہ جمع کرنے کے لیے ایک عمر درکار ہے۔اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وادئ کشمیر میں اسلام کی ضیاباریں حضرت امیر کبیر شاہ ہمدانؒ کے دم قدم سے ہیں۔ ہماری یہی دعا ہے کہ ''رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن'' کے جملہ عہدیداران، کارکنان اور مقالات کے محرران جنھوں نے شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے احوال وآثار پر مشتمل کتاب میں کسی طرح کا حصہ لیا رب تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور کتاب ہذا کو عوام الناس کے لیے ہدایت کا سامان بنائے۔(آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجمعین)

عبدالحکیم ازہری کاندی

20؍ذوالقعدہ1442بمطابق یکم جولائی2021ء

●●●

سید ابوالحسن غوثی (۱)

شاہِ ہمدانؒ: یکتائے روزگار شخصیت

ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کے ذریعے یہ جان کر دلی مسرت ہوئی کہ کشمیر کا ادارہ ''رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن'' کے زیر اِہتمام امیر کبیر میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر منعقدہ سمینار میں پڑھے گئے مقالات ومضامین کا مجموعہ تدوین کے مراحل میں ہے اور اُس کے مرتب میر اِمتیاز آفریں اور اُن کے رفقا کی خواہش ہے کہ اس کتاب کو احسن انداز میں جلد از جلد شائع کیا جائے اور اِس نوید مسرت کو سن کر میری بھی یہی خواہش ہے کہ حضرت شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر مشتمل یہ مقالات ومضامین کا مجموعہ جلد از جلد منظر عام پر آئے تاکہ اسلاف شناسی کے رجحان کی طرف نوجوان نسل کو گامزن کیا جائے۔

جب امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا کشمیر کی سرزمین پر ورود ہوا، وہ آٹھویں صدی ہجری تھی، اقوام متحدہ کی تنظیم یونیسکو نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت امیر کبیر رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم ہستی تھے جنھوں نے کشمیر کی ثقافتی بنیادوں کو تبدیل کرتے ہوئے نہ صرف اسلامی ثقافت کو فروغ دیا بلکہ خطے میں کشمیر کی اقتصادی حالت بھی انتہائی مضبوط کردی۔

حضرت شاہ ہمدانؒ نے کشمیر میں انتہائی منظم انداز میں اسلام کی تبلیغ کا کام کیا، اُنھوں نے اہم گزرگاہوں اور مقامات پر مساجد کو تعمیر کروایا اور ان میں اپنے لائق مریدین کو اہم فرائض پر مامور کیا اور ساتھ ہی لوگوں کی روحانی اصلاح کے لیے خانقاہوں کی تعمیر کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کی تشریف آوری سے خطہ کشمیر میں جو انقلاب برپا ہوا نیز جو سماجی تبدیلیاں واقع ہوئیں، اس کا کوئی بھی سنجیدہ اور صاحبِ عقل انسان نہ تو انکار کرسکتا ہے اور نہ ہی اختلاف۔

---

(۱) خطیب وامام اسلامک سینٹر بلیک برن انگلینڈ وچیئرمین القرآن فاونڈیشن (یوکے)

آپؒ کشمیر میں دین اسلام کے مبلغ کے طور پر ہی نہیں بلکہ ایک سفیر امن کے طور پر بھی تشریف لائے۔

حضرت شاہ ہمدانؒ صاحبِ روحانیت بھی ہیں اور صاحبِ تصانیفِ کثیرہ بھی۔ آپ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبولین میں شامل اشخاص میں سے ایک ہیں۔ آپ کے روحانی افکار اور آپ کا کردار رہتی دنیا کے لیے ایک مشعل راہ ہے۔ آپ کی پر مغز علمی تصنیفات روحانیات و حقائق سے لبریز بھی ہیں اور چشم کشا بھی۔ آپ کی تمام تصنیفات علوم و معارف کا وہ خزانہ ہیں جن کے مطالعہ سے دل کو سکون ملتا ہے اور راہ راست کی طرف گامزن ہونے کی توفیق بھی ملتی ہے۔

حضرت شاہ ہمدانؒ کے اوراد و وظائف کا مجموعہ اوراد فتحیہ اہالیان کشمیر کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں جو لوگ روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس سے واقف ہیں اور اس کے ذریعے اپنے باطن کو سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُسے تعلق الی اللہ کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چوں کہ اورادِ فتحیہ کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مقبولیت عنایت ہوئی ہے اس لیے اکثر کشمیری عوام وخواص اسے اپنے معمولات میں شامل رکھتے ہیں۔ عارفین نے عجیب وغریب تاثیر اس اوراد کے ورد میں دیکھی ہے جیسا کہ مولانا عمرا چھروی نے فرمایا کہ اوراد فتحیہ کا عامل کبھی بھی کسی بھی میدان میں زیر نہیں ہوسکتا اور اس کے لیے غیبی امداد آتی رہتی ہے۔

کشمیری عوام حضرت شاہ ہمدانؒ کی شیدائی اور فدائی ہے اور میں ذاتی طور پر اس بات سے بخوبی واقف ہوں کیوں کہ انگلینڈ کے شہر بلیک برن میں ایک عرصے سے قیام پذیر ہوں، ہمارے اسلامک سینٹر میں جمعہ کی نماز ادا کرنے والے نمازیوں میں تقریباً ۷۰ رفیصد کشمیری مسلمان ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ وہ حضرت شاہ ہمدانؒ سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔

حضرت شاہ ہمدانؒ کی شخصیت بہت ہی دلاویز اور دلکش ہے اور آپ کا وجودِ مسعود ہم سب کے لیے دنیا وآخرت میں سلسلۂ رحمت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اَولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

انتہائی قابل مبارکباد ہیں اس مجموعہ کے مرتب میر امتیاز آفریں صاحب اور سیمنار کا انعقاد کرنے والے ادارہ ''رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن'' کی جملہ انتظامیہ، ہماری دلی تمنا و دعا ہے کہ یہ کتاب جلد از جلد چھپ کر قارئین تک پہنچے۔ آج کے اس نازک دور میں حضرت شاہ ہمدانؒ اور دیگر بزرگان دین کے افکار ونظریات کو زیادہ سے زیادہ منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو گمراہ کن جماعت کے علمبرداروں کے خود ساختہ اور تشدد آمیز نظریات سے دور رَکھا جائے اور اسلام وصوفیا کے پُراَمن وروحانی اور خدمت خلق پر مبنی اسلام کا صحیح چہرہ پوری دنیا کے سامنے

واضح ہوتا رہے۔(وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہٖ اجمعین)

احقر
سیدابوالحسن غوثی
ولی عہد خانقاہ غوثیہ چشتیہ
دھاواشریف، غازی پور، یوپی
بانی جامعہ ابوالغوث، غازی پور، یوپی
سرپرست عثمان وغوثی مسجد، کناڈا
حال مقیم بلیک برن، انگلینڈ
۲۹/جون ۲۰۲۱ء

ڈاکٹر مبین اشرف نعیمی (۱)

تعلیماتِ شاہِ ہمدانؒ وقت کی اہم ضرورت

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ''رضائے مصطفیٰ فاونڈیشن''، حضرت امیر کبیر سید السادات، جامع کمالات، ولایت پناہ، معمار تقدیر، علی ثانی میر سید شاہ علی ہمدانی علیہ الرحمۃ والرضوان، جو کشمیر کے بڑے معروف و مشہور بزرگوں میں شامل ہیں، اُن کی حیات و خدمات کے حوالے سے منعقدہ سیمینار کے مضامین و مقالہ جات کو شائع کرنے جا رہی ہے۔ یہ ہماری لیے بڑی خوشی کی بات ہے کہ شاہ ہمدانؒ کی حیات و خدمات کو اجاگر کیا جا رہا ہے اور اُن کی حیات و خدمات سے نسلِ نو کو جو پیغام دیا جا رہا ہے وہ بڑا معنی خیز ہے اور بڑا اپُر اثر ہے اور وہ عصر حاضر کی بڑی ضرورت ہے۔

حضرت کی خدمات اور ذات بابرکات سے کون واقف نہیں ہے کشمیر میں آپ کا بڑا ابنیادی کام ہے اور آپ کا کردار رہتی دنیا تک وادیٔ کشمیر کے لوگ بھلا نہیں سکتے ہیں بلکہ وادیٔ کشمیر ہی نہیں پورے برصغیر کی عوام بھلا نہیں سکتی ہے اور آپ کی روحانیت کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور آپ کے آنے سے کشمیر میں اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ خاندان نبوت کے علم و عرفان کا یہ ستارہ مطلع ہدایت پر ۱۲/رجب ۷۱۴ھ کو ایران کے مشہور شہر ہمدان میں طلوع ہوا۔

آپ بہ یک وقت ایک عالم، برجستہ مبلغ، پرہیز گار صوفی، متقی رہبر اور اعلیٰ پایہ کے ادیب تھے۔ بنابریں آپ روحانی مرتبت کے شہسوار بھی تھے۔ آپ کے والد بزرگوار سید شہاب الدین بھی ہمدان کے حاکم اعلیٰ تھے اور معاصرین نے آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بہت تعریف کی ہے۔ حضرت سیدؒ نے پوری زندگی اسلام کی بقا اور اُس کی نشر و اشاعت کے لیے وقف رکھی۔ ان کی مساعیٔ جمیل اور فیوض کا نتیجہ ہے کہ کشمیر میں اسلام کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھنے کے بجائے جگمگاتے ہوئے سورج کی طرح منور اَور رَوشن ہوا۔ حضرت سید شاہ ہمدانؒ نے کشمیر آنے سے پہلے

(۱) سابق ایڈیٹر غوث العالم نئی دہلی

حضرت سید تاج الدین اور سید حسین سمنانی کو کشمیر کے حالات دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا تھا تا کہ وہ یہاں کے حالات وواقعات سے حضرت شاہ ہمدانؒ کو باخبر کریں۔

حضرت بلبل شاہؒ کی تشریف آوری کے بعد بہت سارے صوفیائے کرام کشمیر تشریف لائے۔مگر اُن میں سے اہم ترین اور بزرگ ترین حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ تھے۔حضرت سید کے مقدس ہاتھوں سے وادیٔ کشمیر کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اس حسین اور پُر امن وادی میں ظلمت اور جہالت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوگیا۔غرض آپ کی آمد نے وادیٔ کشمیر کو کفر کی ظلمتوں نکال کر نور ایمان سے منور کر دیا۔یہ آپ کا امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے جس کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

حضرت شاہ ہمدانؒ ایک بلند مرتبہ زاہد، ادیب، داعی، مفکر، صوفی و عارف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین قلم کار بھی گزرے ہے۔اُنھوں نے اسلام کی آبیاری کے ساتھ ساتھ علومِ سیاست و معاشرت، اقتصاد و اِنتظام کی بہتری کے لیے کارہائے نمایاں بھی انجام دیے۔آپ فارسی اور عربی زبان کے بڑے استاد تھے۔حضرت سید نے کئی کتابیں اور رسالے فارسی و عربی زبان میں بطور یادگار چھوڑے ہیں۔بیشتر رسالے فارسی زبان میں ہیں۔جہاں اُنھوں نے اپنی تصانیف میں شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے دقیق ترین مسائل زیر بحث لا کر اُنھیں عام فہم بنایا، وہاں انہوں نے حکومت، سیاست، معاشیات، اخلاقیات، فلسفہ، اور دیگر علوم کو بھی زینت بخشی۔ وہ بیک وقت مرشد کامل تھے اور دنیوی رہنما بھی، مقرر بھی، ادیب بھی، مفسر بھی، محدث بھی، شاعر بھی اور ایک لامثال خطوط نگار بھی۔غرض ان کی زندگی کے کس کس پہلو کو اُجاگر کیا جائے، اُجاگر کر کے بھی تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔(بحوالہ دانش ڈاٹ، پی کے)

''رضائے مصطفی فاونڈیشن'' اور اُس کے ذمہ داران مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے برصغیر کے عوام کو اس عظیم الشان شخصیت سے متعارف کرنے کی سمت میں اہم پیش رفت کی ہے۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کام میں کسی بھی طرح کی مدد کرنے والے افراد کو اس کا صلہ عطا فرمائے اور بزرگوں کی روحانیت کے سائے میں رکھتے ہوئے خاتمہ بالخیر فرمائے۔

(آمین ثم آمین یارب العالمین)

ڈاکٹر مبین اشرف نعیمی
قادری منزل، نزد گاندھی آشرم، سیفنی، رام پور (یوپی) پن کوڈ:244411

۳۰؍جون ۲۰۲۱ء

●●●

ڈاکٹر مفتی ندیم بن صدیق اسلمی (۱)

شاہِ ہمدانؒ: ایک ہمہ جہت شخصیت

شاہِ ہمدان، امیر کبیر میر سید علی ہمدانی حسنی و حسینی علیہ الرحمہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے، جنھوں نے حفظ قرآن کریم سے دینی تعلیم پھر رُوحانی و باطنی اُمور کے حصول میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، عالمی اسفار، جہد مسلسل اور تزکیۂ نفس نے اُن کی شخصیت کو بیش بہا نکھار دیا، نہ صرف وہ قادری ونقشبندی فیض یافتہ عالی مقام شخصیت اور رُوحانیت کا خزانہ تھے بلکہ ایک بہترین عالم، مبلغ، معلم، مصلح، متبع سنت وقامع بدعت، محب علم وعلما اور عظیم شاعر تھے۔ اُن کے ایک شعر سے ہی اُن کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

یوں جمالش را نظر خورشید تاباں میکند
آفتاب از رشک حسنش رومی پنہاں میکند

مزید عظیم مصنف ہونے پر آپ کی دو کتب ''ذخیرۃ الملوک'' اور ''اَورادِ فتحیہ'' گواہ ہیں۔ جب کہ آپ نے ڈیڑھ سو سے زائد کتب تحریر کیں۔ آپ ایسی انقلاب آفرین شخصیت تھے کہ وادی کشمیر اُس کی مثال پیش کرنے سے ہمیشہ ہی قاصر رہی، عظیم الشان کتب خانہ، مدارس اسلامیہ کا قیام، شفا خانے اور صنعت وحرفت کا قیام و اہتمام آپ کا خاصہ ہیں۔ آپ کی شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت علامہ اقبال نے اپنا بڑا واضح موقف دے دیا تھا، جیسا کہ وہ حضرت شاہِ ہمدان علیہ الرحمہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

سید السادات سالارِ عجم
دست او معمار تقدیر اُمم

---

(۱) سرپرست اعلیٰ ادارہ سراج منیر، گجرات

غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور ہزاروں مسلمان فیضیاب ہوئے۔ بالآخر ۷۷ رسال زندگی گزار کر آپ ۷۸۶ھ میں جنت نشاں کشمیر میں اپنے عقیدت مندوں کو داغ مفارقت دے گئے اور تاجکستان کے صوبہ ''ختلان'' مین دفن ہوئے۔

اللہ کریم آپ کے درجات کو ہمیشہ بلند و بالا رکھے۔(آمین یارب العالمین)

اِس عظیم تحقیقی کاوش میں مختلف محققین کی قلم نگاری اور علمی فن پاروں نے اُن کی شخصیت کو مزید متعارف کروانے میں اپنا اہم کردار اَدا کیا اور اُن کی زندگی کی مختلف جہتوں کو اَحسن انداز میں بیان کر دیا ہے، شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کے ابتدائی احوال، علمی و تصنیفی خدمات، اُن کی شاعری، دینی و تبلیغی خدمات، مذہبی رواداری، مکتوبات اور کتب کے تعارف نے کشمیر کی تاریخ میں ایک خوب صورت باب کا اضافہ کیا۔ یقیناً یہ تحقیقی کاوش اہل کشمیر کے لیے ایک خزانہ کی حیثیت رکھتی ہے جو کشمیریوں کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے، جس کے اہالیانِ کشمیر پر دوررَس اثرات مرتب ہوں گے۔

میر اِمتیاز آفریں صاحب (مؤلف)، پیر منظور احمد صاحب (چیئرمین) اور رَضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے یہ عظیم بیڑا اُٹھایا اور اُمّت مسلمہ بالخصوص اہل کشمیر کے لیے روحانی بقا کا سامان کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ ہمدان رحمہ اللہ کے فیض روحانی سے تمام اہل کشمیر کو مستفیض فرمائے اور یہ کارنامہ انجام دینے والوں کو خیر و برکت نصیب فرمائے۔

(آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

●●●

ڈاکٹر عبدالحکیم سعدی(۱)

شاہِ ہمدانؒ: ایک عظیم مبلغ اسلام

رب دو جہاں کا ازلی دستور ہے۔ ابتدائے آفرینش ہی سے وہ ہر قوم وملت میں کچھ ایسے چیدہ اور چنیدہ افراد پیدا فرماتا رہا ہے جو علم وعمل کی دنیا میں آفتاب تاباں، زہد وتقویٰ میں اعلیٰ، محنت ومجاہدے میں سرفہرست، توکل واِستغنا میں ضرب المثل، یہاں تک کہ زِندگی کے تمام شعبوں میں لائق پیروی اور نمونۂ عمل تھے۔ یہ سلسلہ ابوالبشر حضرت آدم سے شروع ہوا اَور خیر البشر، امام الانبیاء جناب محمد رُسول اللہ پر منتہی ہوگیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ السلام)

اعلان نبوت کے بعد دین اِسلام کے سورج نے جب اِس آب وِگل کی دنیا کو رَوشن کیا، اور پیغمبر اِسلام علیہ الصلاۃ والسلام نے تطہیر وتزکیۂ اُمّت اور اُسے رَاہِ راست پر لانے اور اُس کی نوک پلک سنوارنے کے سلسلے میں جو داغ بیل ڈالی اُس نے ایسے چراغ جلادیے جو آج تک کسی رنگ ورُوغن کے بغیر تاباں ہیں اور پورے عالم کو اَپنی ضیا گستر شعاعوں سے منور کررہے ہیں، اور اِن شاء اللہ تا قیامت علم وعرفان کے یہ چراغ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ومنور اَور فروزاں رہیں گے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پیش نظر کتاب ''کشمیر میں اِسلامی انقلاب اور حضرت شاہِ ہمدانؒ'' متعدد اَہل علم ودانشوران کے تاریخی ومعلوماتی مضامین ومقالات پر مشتمل ہے، جو علم وآ گاہی، تصوف وتزکیے اور تبلیغ دین کی دنیا کے چراغوں میں سے ایک نہ گل ہونے والے چراغ، یعنی آٹھوی صدی ہجری کے عظیم الشان

---

(۱) مرکز الثقافۃ السنیۃ، کیرالا

جلیل القدر رَفیع المرتبت مبلغ اسلام، سرچشمۂ فیوض وبرکات ظاہری و باطنی اور اَسرار ورُموز کے مردِمیدان شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ الصمدانی کی انقلابی سرگرمی سے متعلق ہے۔

شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ تاریخی شہر ہمدان میں ۷۱۴ ہجری کو سید شہاب الدین کے یہاں واردِ جہان رنگ وبو ہوئے، اور اِبتدائی تعلیم سے لے کر علوم عالیہ، تزکیۂ نفس، تقویٰ اور زُہد وَرع تک کے مراحل طے کیے اور شیخ مزدقانی اور شیخ اخی علی دوستی وغیرہما جیسے عظیم شیوخ کی صحبت وچلہ کشی کر کے راہ سلوک کی دشوار ترین گھاٹیوں کو طے فرمایا اور پھر مختلف مقامات کی سیاحت کی، آخر میں اپنا رُخ فردوس اَرضی کشمیر کی جانب کردیا اور اُسی کو اَپنا مستقر اور جائے عمل بنایا، کشمیر کی سرزمین پر آپ کا قدم میمنت پڑنا تھا کہ اہالیان خطۂ مذکورہ کی قسمت کا ستارہ تا بہ اَوج فلک ہوگیا، آپ نے اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا ایسا حسین انداز اپنایا کہ آپ کے دست برحق پر معبودان باطلہ کی پرستش کرنے والے سیکڑوں اَفراد نے معبود حقیقی کی وحدانیت کا اقرار کیا اَور دامن اِسلام میں پناہ لی۔ اِس طرح بہت سے گم کردۂ راہ راہِ راست پر آئے اور بہت سے تشنگان علوم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

تاریخی اوراق کی گواہی اور خود اِس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ کشمیر کے اُفق پر چھائی کفر وشرک کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کا سینہ گرچہ مبلغ اسلام سید میر علی ہمدانی قدس سرہ الصمدانی کے کشف یقظہ میں سرور کشور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر اَپنے آبائی وطن ہمدان کو داغ مفارقت دے کر خطۂ کشمیر میں ورود مسعود کر کے نقابتِ انقلاب روحانی کا بیڑا اُٹھانے سے قبل مختلف صوفیائے کرام ومبلّغان عظام وغیرہ کے مقدس ہاتھوں چاک ہو چکا تھا اور اِسلام کا تعارف ہو چکا تھا لیکن دین اِسلام کی منظم اور باضابطہ نشر واِشاعت کی باگ ڈور عالم اسلام کے اِسی فرد کامل، دنیائے روحانیت کے بحر ناپید کنار، علم وعرفان کے نہ غروب ہونے والے اِسی آفتاب (شاہِ ہمدان رحمہ اللہ) نے سنبھالی۔

زیر نظر کتاب کے مقالات ومضامین شاہِ ہمدان رحمہ اللہ کی ملی وسماجی، علمی وتبلیغی وغیرہ خدماتی گوشوں پر وافر مقدار میں روشنی ڈال رہے ہیں لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی اُن عظیم خدمات کا حق ادا کر دیا گیا کہ جن کے احسان تلے ساکنان کشمیر کی گردنیں ہمیشہ ہمیش جھکی رہیں گی، بہر حال! رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اِس کتاب کے مقالہ نگار اور مرتب میر اِمتیاز آفریں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور حضرت کے فیوض برکات سے مالا مال فرمائے۔

(آمین بجاہ نبیہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

●●●

سید جمال الدین اشرفی [۱]

محبانِ شاہِ ہمدانؒ کے لیے بیش بہا تحفہ

ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی سے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ ''رضائے مصطفی فاونڈیشن'' بڈگام، کشمیر کے زیر اہتمام حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی علیہ رحمہ کی حیات و خدمات پر ۲۴؍مارچ ۲۰۱۹ء کو منعقدہ سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات اور دیگر اَہل قلم کے ارسال کردہ مضامین کا مجموعہ فاؤنڈیشن کی نگرانی میں جناب میر اِمتیاز آفریں کی ادارت وترتیب میں جلد ہی شائع ہونے جارہا ہے۔

کشمیر کا کون سا ایسا باشعور فرد ہوگا جو حضرت شاہ ہمدانؒ کے نام سے واقف نہیں۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کی شخصیت، آپ کا علمی مقام ومرتبہ، آپ کا درویشانہ طرز کلام، فقیرانہ زندگی، عالمانہ وقار اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مقبولیت سے ہر اہل علم واقف ہے۔ تصوف وروحانیت کا یہ عظیم رہبر جس نے اپنی تشریف آوری سے خطۂ کشمیر میں روحانی، ثقافتی، علمی، صنعتی، سماجی اور معاشرتی انقلاب برپا کیا اس محسن عظیم کو نہ صرف خطۂ کشمیر کی عوام، بلکہ برصغیر کے جملہ مسلمان رہتی دُنیا تک کیسے بھول سکتے ہیں؟

نہایت مبارکباد کے قابل ہیں اس مجموعہ کے مرتب میر امتیاز آفریں اور اُن کے دیگر چاہنے والے معاونین، ادارہ ''رضائے مصطفیٰ فاؤنڈیشن'' کے اراکین وسرپرست جو اِس کتاب کو شائع کرنے جارہے ہیں۔ امید قوی ہے کہ یہ مضامین، مقالات اور تحریریں آئندہ نسل کے لیے مشعل راہ بنیں گے اور عوام وخواص اور دیگر اہل علم ان سے استفادہ کریں گے اور حضرت شاہ ہمدانؒ کی حیات وخدمات کے مختلف پہلوؤں سے آشنائی حاصل کریں گے۔

---

[۱] بانی وسرپرست مدرسہ فیضان مصطفیٰ، علی گڑھ (یوپی)

میری خواہش ہے کہ اس وحشت زدہ معاشرے اور دل خراش ماحول میں نہ صرف حضرت شاہ ہمدانؒ بلکہ پورے برصغیر میں پائے جانے والے دیگر صوفیائے کرام جنھوں نے اَمن وآشتی، بھائی چارہ اور رواداری کا پیغام دیا، ان کے روحانی پیغام کو عام کیا جائے۔اس کے مرتب، اراکین فاؤنڈیشن اور عام مقالہ نگاروں اور مضامین نگاروں کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگان دین کی روش اور اُن کے نقش قدم پر چلنے اور اُن کے عقائد وافکار پر تاحیات قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

طالب دعا
(مولانا) سید جمال احمد اشرفی
خطیب وامام مسجد فیضان مصطفیٰ
بانی وسرپرست مدرسہ فیضان مصطفیٰ
زہرہ باغ، علی گڑھ (یوپی)

●●●